

بریدِ سرنگ

خطوط کا مجموعہ

علامہ سید سلیمان ندوی

ان خطوط کا مجموعہ جن کو علامہ سید سلیمان ندوی نے ۱۹۲۰ء میں یورپ سے ہندوستان میں
بزرگوں، دوستوں اور عزیزوں کے نام لکھا، اور جن میں انہوں نے اس وقت کے یورپ
اور دنیا کے اسلام کے سیاسی و اجتماعی حالات لکھے اور سیاسی تبصرے کئے ہیں اور دنیا کے
اسلام کے اکابر و رجال کی ملاقاتوں کا حال بیان کیا ہے۔

مجلسِ نشر و اشاعتِ اسلام

۱۔ کے ۳۰ نظم آباد سیشن ۵، جلسہ آباد ۵، کراچی ۱۵

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ

بریدِ فرنگ

www.KitaboSunnat.com

اُن خطوط کا مجموعہ جنکو

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے

۱۹۲۰ء میں یورپ سے ہندوستان میں بزرگوں، دوستوں اور عزیزوں کے نام لکھا اور جن میں انہوں نے اس وقت کے یورپ اور دنیائے اسلام کے سیاسی و اجتماعی حالات لکھے، اور سیاسی تبصرے کئے ہیں، اور دنیائے اسلام کے اکابر رجال کی ملاقاتوں کا حال بیان کیا ہے۔



مجلس نشریات اسلام

۱۔ کے۔ ۳ ناظم آباد مینشن، ناظم آباد ۱، کراچی ۴۶۴

پاکستان میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کی تصانیف کی اشاعت کے
 جملہ حقوق فضل ربی ندوی کے نام محفوظ ہیں
 باجائزت خصوصی علامہ مرحوم کے صاحبزادے ڈاکٹر سید سلمان ندوی

نام کتاب	برید ننگ
تصنیف	علامہ سید سلیمان ندوی
طباعت	شکیل پرنٹنگ پریس کراچی
اشاعت	۱۹۹۷ء
صفحات	۲۲۸ صفحات
	ٹیلیفون
	۶۲۱۸۱۷

ناشر
 فضل ربی ندوی

مجلس نشریات اسلام ۱۔ ۳ ناظم آباد مینشن، ناظم آباد کراچی ۷۴۶۰۰

فہرست

www.KitaboSunnat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	خطوط کا پس منظر	۶	۱۵	انگلش پشین سوسائٹی میں شکر	۴۵
۲	دفہ خلافت کے الوداعی منظر	۲۱	۱۶	ودکنگ مسجد میں نماز جمعہ	۴۶
۳	بحر عرب سے تاثر	۲۲	۱۷	السکس ہال میں تقریر	۴۶
۴	مستوع (ساحل افریقہ) میں	۲۵	۱۸	لائڈ جانچ وزیر اعظم انگلستان سے ملاقات	۴۸
	لالہ راجپت رائے اور مشیر حسین		۱۹	انڈیا کونسل ہال میں فارسی انڈ	۵۰
	قدوائی سے ملاقات			کے کثیدہ اشعار	
۵	پورٹ سعید اور ویش کا حال	۲۶	۲۰	رائل الیشیا ملک سوسائٹی میں شرکت	۵۳
۶	لندن میں ورود	۲۸	۲۱	شریف پاشا سے ملاقات	۵۴
۷	لندن میں وفد کی جدوجہد	۳۲	۲۲	یورپ میں سوشلسٹ تحریک	۵۵
۸	ہاؤس آف کامنس میں رکائی وفد	۳۳	۲۳	ٹرلی میں سزنا بیڈ وادراکان وفد کی تقریر	۵۵
	معزز مہمانوں کی صفیں		۲۴	نائبین میر فیصل نوری سعید پاشا	۶۱
۹	نائب وزیر مہندش سے ملاقات	۳۴		دیگرہ سے ملاقات	
۱۰	کرنل وہ بھوڈ کی تقریر	۳۶	۲۵	یسر پارٹی کی ایک کمیٹی میں شرکت	۶۴
۱۱	مسٹر ارنلڈ سے ملاقات	۳۸		ادرد ہال سرگرمی کی تقریر	
۱۲	مسٹر اسکوتھ سے ملاقات	۴۰	۲۶	پیرس میں وفد کی جدوجہد	۶۵
۱۳	لارڈ اسلنگٹن سے ملاقات	۴۲	۲۷	موسیو پاتے ممبر پارلیمنٹ سے ملاقات	۶۶
۱۴	کمانڈر کنول اتھی ممبر پارلیمنٹ سے ملاقات	۴۴	۲۸	استھونیا، جارجیا، آذربائیجان کے وفد سے ملاقات	۷۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۹	لارڈ برٹس (ممبر آؤس آف لائٹس)	۷۱	۴۶	انجمن حقوق النسایت اور انجمن	
	سے ملاقات		۱۰۷	سیر عالم کے احوال	
۳۰	مسلمانانِ عالم کی بیداری	۷۳	۱۰۷	لارڈ سنہا سے ملاقات	
۳۱	مسٹر لنبری اڈیٹر ڈیلی ہیرلڈ	۷۴	۱۱۴	اسماعیل حقّی بلے سے ملاقات	
۳۲	مشہور فریخ اہل قلم موسیو کیلار		۱۱۴	وفود ممالکِ سلامی سے ملاقات	
	سے ملاقات	۷۵	۵۰	فریخ مشرق موسیو لوی سینا	
۳۳	ترک سوشلسٹ ڈاکٹر توفیق بہراد			سے ملاقات	
	سے ملاقات	۷۶	۵۱	البانی مندوب محمد بے کوٹرائے	
۳۴	پرنس محمد علی سے ملاقات	۷۸	۵۲	آکسفورڈ میں کشتی رانی	
۳۵	سعد زاعول پاشا سے ملاقات	۷۸	۵۳	پولینڈ کے مسلمان سیر سے ملاقات	
۳۶	وزیر ہند مانینگو سے ملاقات	۸۱	۵۴	مغربی اور مشرقی طرزِ تعلیم پر تبصرہ	
۳۷	برطانوی سیاست پر تبصرہ	۸۳	۵۵	انگلش اور بالشویک ساز بازار	
۳۸	انڈیا آفس میں اردو کا خزانہ	۹۰	۵۶	فرانسیسیوں کی اصل حقیقت	
۳۹	اڈنبرا میں خلافت کا جلسہ	۹۱	۵۷	البرٹ مال مینشن کا منظر	
۴۰	مینچسٹر میں جلسہ	۹۲	۵۸	نوجوان اسلام وجود میں آرہا ہے	
۴۱	کیمز میں پروفیسر براؤن سے ملاقات	۹۳	۵۹	انگلستان کے سیاسی اور مشرقی حالات	
۴۲	ناکامی حیات نو کا دیباچہ ہے	۹۴	۶۰	شکسپرٹ میں ٹیگو کی زیارت	
۴۳	صلح نامہ ترکی	۹۹	۶۱	پیام امن کی ضرورت مغرب کو ہے	
۴۴	انجمن علمائے عالم کی تجویز	۱۰۳		مشرق کو نہیں	
۴۵	ساحرہ جان آف ارک	۱۰۳	۶۲	ٹیولس کے شیخ عبدالعزیز ثعالبی سے ملاقات	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۶۳	فرانس کی عید حریت کا منظر	۱۳۸	۸۵	مولانا عبدالباری کا جوانی تاثر	۱۹۰
۶۴	حجازی وفد سے دوسری ملاقات	۱۴۰	۸۶	سوئزر لینڈ کا منظر	۱۹۲
۶۵	یورپی قومیت کا جادو اسلامی ممالک پر	۱۴۱	۸۷	مشہور ترک جزائر سعد فواد سے ملاقات	۱۹۳
۶۶	دیشی کے چشموں کا حال	۱۴۲	۸۸	حسنی بے سے ملاقات	۱۹۶
۶۷	ڈاکٹر لوس ہرنباتات سے نیاز	۱۴۹	۸۹	امیر فیصل سے ملاقات	۱۹۷
۶۸	دیشی کے ایک جلسہ کا منظر	۱۵۰	۹۰	سیر فلارن	۱۹۸
۶۹	ایک مراکشی مسلمان تہامی سے ملاقات	۱۵۲	۹۱	مہری شہزادی زبیرا خانم سے ملاقات	۲۰۰
۷۰	ترکی لوہی کی اصل	۱۵۲	۹۲	شہر رومہ کی سیر	۲۰۳
۷۱	موسیو میرانت اڈیٹر سرکاری گزٹ سے ملاقات	۱۵۹	۹۳	ویٹکن (پوپ کا دار الخلافہ)	۲۰۴
۷۲	مراکشی مسلمان احمد سے ملاقات	۱۶۱	۹۴	نائب پوپ سے ملاقات	۲۰۴
۷۳	روٹن انگلستان کے تصویسیاتی پر تبصرہ	۱۶۵	۹۵	خالد بے طرابلسی سے ملاقات	۲۰۶
۷۴	جینیوا کی بین الاقوامی سٹاک کانفرنس پر تبصرہ	۱۶۶	۹۶	عبدالحمید سعید بے کا حال	۲۰۷
۷۵	مولانا محمد علی کی جدوجہد	۱۷۰	۹۷	نیپلس میں غالب کمال بے سے ملاقات	۲۱۰
۷۶	اطلی کے وزیر اعظم وزیر خارجہ سے ملاقات	۱۷۱	۹۸	شہر پامپانی کے آثار	۲۱۱
۷۷	محمد علی اور پاپائے روم کی ملاقات	۱۷۱	۹۹	بحر متوسط پر تبصرہ	۲۱۳
۷۸	وزیر اعظم فرانس موسیو ملران سے ملاقات	۱۷۳	۱۰۰	پورٹ سعید کا نظارہ	۲۱۳
۷۹	نوسلم انگریز محمد بن کریم سے ملاقات	۱۷۶	۱۰۱	ایک نوجوان ایرانی سے ملاقات	۲۱۵
۸۰	آئر لینڈ کی حمایت میں ایک جلسہ میں شرکت	۱۷۹	۱۰۲	عدن کی سیر	۲۱۹
۸۱	مفتی زاوڈ آذربائیجانی سے ملاقات	۱۸۲	۱۰۳	پروفیسر براؤن و مارگولیتھ	۲۲۱
۸۲	اتحاد اسلامی ہی نجات کا ذریعہ ہے	۱۸۳	۱۸۸	کے نام خط	
۸۳	ہندوستان کی آزادی کا لغزہ	۱۸۷			
۸۴	سفر یورپ کا آخری تناثر	۱۸۸			

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ان خطوط کا پس منظر بتیس برس پہلے کی دنیا

آج ۱۹۵۱ء ہے، آج سے بتیس برس پہلے ۱۹۲۸ء تھا، ہماری کہانی اسی سال کی دنیا سے تعلق رکھتی ہے، جب ۱۹۱۲ء، ۱۹۱۸ء والی جنگ عظیم ختم ہو چکی تھی، اور ایران سے لے کر تھریل تک ساری دنیا کے اسلام اتحادیوں کے ہاتھوں پامال ہو رہی تھی۔ ۱۸۵۶ء کے بعد مسلمانوں کی سیاسی بیداری کا آغاز ۱۹۰۱ء سے شروع ہوا ہے۔ بوڑھوں میں اس کے پہلے محرک سرسید کے رفقاء خاص میں سے ان کے جانشین دوم وقار الملک اور نوجوانوں میں پٹنہ کے مشہور بیرسٹر منظر الحق تھے، دونوں نے بل کر جیسا کہ منظر الحق صاحب مرحوم نے مجھ سے کہا مسلم لیگ کا خاکہ تیار کیا اور ۱۹۰۶ء میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس کے ساتھ ڈھاکہ میں نواب سلیم اللہ خان کی قیادت میں اس کے مستقل وجود کا اعلان کیا گیا، یہ ملکی سیاست کے میدان میں مسلمانوں کا سب سے پہلا قدم تھا۔ اس کے بعد اسی کانفرنس کے ساتھ اس کے روکھے پھیکے جلے سال بسال ہونے لگے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کو ملکی سیاست سے کوئی دلآویزی پیدا نہیں ہوتی تھی اور اس کی کھلی وجہ یہ تھی کہ ان کو صاف نظر آتا تھا کہ آج کل کے اصول سیاست اور نظام جمہوریت کے مطابق جو حکومت بھی ہندوستان میں قائم ہوگی اس میں مسلمانوں کی حیثیت محکومانہ ہوگی اور زیادہ سے زیادہ جو مسلمان کر سکتے تھے وہ یہ تھا کہ ملازمتوں میں استحقاق کے مطابق اور کونسلوں کی ممبریوں میں کچھ استحقاق سے زیادہ جگہیں حاصل کر لیں اور یہی اس زمانہ کے

مسلم لیگ کی سیاست تھی، عام مسلمانوں کو اس سیاست سے کچھ زیادہ دلچسپی نہ تھی۔ ان کی دلچسپی کا اصل مرکز بیرونی سیاست میں خلافت عثمانیہ تھی جس سے مسلمان دنیا میں اپنی ملی عزت و احترام کو وابستہ سمجھتے تھے۔ اور جس کا سلطان حرمین محرمین کا خادم اور اسلامی مقامات مقدسہ کا محافظ تھا،

حوادث اور اتفاقات ایسے پیش آئے کہ ۱۹۰۸ء میں خلافت عثمانیہ میں انقلاب پیش آیا، نوجوان ترکوں کی انجمن اتحاد و ترقی کی خفیہ تدبیریں کامیاب ہوئیں اور انور بے وغیرہ نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر کے دستوری حکومت کا اعلان کر دیا اور یہی وہ وقت تھا جب یورپ کی سلطنتوں نے مل کر یہ چاہا کہ ان نوجوان ترکوں کو سنبھلنے کا موقع دے بغیر ترکی حکومت کے حصے بخرے کر لیں، اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ نوجوان ترکوں کے اعلان کے چند ہی روز بعد اٹلی نے دولت عثمانیہ کے آخری افریقی مقبوضہ طرابلس الغرب (ٹریپولی) پر حملہ کر دیا اس حملے نے سارے دنیا سے اسلام میں آگ لگا دی۔ خصوصیت کے ساتھ ہندوستان کے مسلمانوں نے بڑے جوش و خروش سے اس میں حصہ لیا اور شبلی اور اقبال جیسے شرعے باکمال نے اپنے ترانوں سے مسلمانوں کو گرمایا اقبال کا یہ شعرا ب تک زمانہ کو یاد ہو گا،

جھلکتی ہے تری اُمت کی آبرو اس میں طرابلس کے شہیدوں کا ہے اس میں
مسلمانوں میں جوش و خروش برپا ہی تھا کہ انگریزوں نے ہندوستان میں بنگالیوں کے سیاسی زور توڑنے کے لئے جو اس وقت سیاست میں سب سے آگے تھے۔
بنگال کو مشرقی و مغربی دو حصوں میں تقسیم کر دیا، اسی تقسیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ مشرقی بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت کی حقیقت روز روشن کی طرح نمایاں ہو گئی۔ اور مشرقی بنگال جو سب سے پیچھے تھا اس کو اپنی ترقی کا زریں موقع مل گیا اور

مسلمانوں نے اپنے کو اس نئے صوبے میں اکثریت میں پا کر بڑی خوشی ظاہر کی۔ اور یہ پہلا دن تھا کہ مسلمانوں کو ملکی سیاست سے دلچسپی معلوم ہونے لگی، لیکن ابھی ان کی اس خوشی پر دو سال بھی گزرنے نہ پائے تھے کہ ہندو بنگالیوں کے پُر زور ایجنڈیشن سے مجبور ہو کر انگریزوں نے سالہ ۱۹۱۷ء میں بنگال کی تقسیم کو منسوخ کر دیا۔ مسلمانوں کو اس کا بڑا صدمہ ہوا اور یہی زمانہ تھا جب نواب وقار الملک نے انگریزوں کی حکومت کے خلاف اپنے جذبات کا اظہار کیا، اور مولانا شبلی مرحوم نے پولیٹیکل کروٹ کا سلسلہ شروع کیا جس نے مسلمانوں کے سیاسی رُخ کو سرپرستی کی طرف سے پھیر کر صحیح سیاست کی طرف کر دیا۔

ابھی یہ صدمہ وہ بھولنے بھی نہ پائے تھے کہ اسی سالہ ۱۹۱۷ء میں بلقان کی ریاستوں نے یورپ کی سلطنتوں کی شہ پا کر ایک ساتھ مل کر دولت عثمانیہ کے یورپی حصوں میں بغاوت کر دی اور جنگ بلقان کا آغاز ہوا، یہ جنگ کے شعلے اگرچہ یورپ میں اٹھ رہے تھے، مگر ہندوستان کے مسلمانوں کے جوش و خروش دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ جنگ ہندوستان ہی میں لڑی جا رہی تھی۔ چند سال کے بعد یہ جنگ اس طرح ختم ہوئی کہ ترکوں کے ہاتھ سے یورپ کا بڑا حصہ نکل گیا۔

www.KitaboSunnat.com

اس کے چار سال کے بعد ۱۹۱۴ء میں خود یورپ کی سلطنتوں میں جنگ شروع ہو گئی، روس، جرمنی اور آسٹریا ایک طرف، اور انگلینڈ اور فرانس اور اٹلی دوسری طرف۔ اس جنگ کے چند ماہ بعد ترکی نے نومبر ۱۹۱۴ء میں جرمنی کے ساتھ ہو کر اتحادیوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ اب مسلمان جو یورپ کی اس پہلی جنگ عظیم میں نا طرفدار تماشائی کی حیثیت رکھتے تھے، دفعتاً جرمنوں کے ساتھ ہمدردی ظاہر کرنے لگے، اس وقت انگریزی حکومت نے ایک طرف اپنی

مسلمان رعایا کی تسکین کی خاطر یہ اعلان کیا کہ اسلام کے مقدس مقامات حملہ سے محفوظ رہیں گے، دوسری طرف انھوں نے اسی جنگ کے جیتنے کے لئے عجیب و غریب سازش کی، انھوں نے ترکوں سے عربوں کو الگ کرنے کے لئے شریف حسین امیر مکہ کو اپنے ساتھ ملا کر اور ایک عرب شہنشاہی کا خواب دکھا کر جو بحر احمر سے لے کر بحر روم تک کو محیط ہوگی ترکی حکومت سے بغاوت کا اعلان کرا دیا اور اس لائحہ میں عربوں کو ترکوں سے لڑانے کے لئے عراق و شام اور حجاز کے میدانوں میں ان کو کھڑا کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عراق اور شام اور فلسطین اور حجاز دولت عثمانیہ سے الگ ہو کر اتحادیوں کے قبضہ میں چلے گئے۔ ان ممالک اسلامیہ کا جو احترام روزِ اول سے مسلمانوں میں تھا اس کے لحاظ سے اس حادثہ سے ان کے دل کو سخت چوٹ لگی۔

ٹھیک اُسی وقت جب انگریز مصر میں بیٹھ کر شریف حسین سے عرب شہنشاہی کا معاہدہ کر رہے تھے، وہ یورپ میں جرمن کے یہودیوں کو فلسطین کی نذر پیش کر کے سارے یورپ کے یہودیوں کو اپنے ساتھ ملا رہے تھے اور آخر یہودیوں نے جرمن کے خلاف سازش کر کے اس کو تباہ کر ڈالا اور اس کے بدلہ میں فلسطین کے یہودی قومی وطن بنائے جانے کا اعلان انگریزی حکومت سے کرایا۔ یہی وہ تخم ہے جس سے فلسطین میں قیس سال کے عرصے میں اسرائیل کی خود مختار حکومت کا نخل تناور پیدا ہوا۔ اور جو آج ہمارے سامنے ہے۔

انگریزوں نے شریف حسین سے جس عرب شہنشاہی کا وعدہ کیا تھا اس کا ایسا طرح کیا کہ حجاز کی بادشاہی ان کو دی گئی اور ان کے بڑے صاحبزادے امیر فیصل کو جو کرنل لائسنس کے ساتھ ساتھ ترکوں سے جنگ میں سب سے پیش تھے اور جولا رڈ النبائی کے ہمرکاب بیت المقدس کو ہلال کے قبضہ سے نکال کر صلیب کے حوالہ کر رہے تھے، شام کا تخت پیش کیا گیا، مگر یہ تخت چند ماہ

سے زیادہ بچھان رہا اور فرانس نے لڑکر ان کو شام سے باہر کر دیا، ہمای
کہانی جب شروع ہوتی ہے اسی زمانہ کا یہ واقعہ ہے کہ امیر فیصل شام سے بیخ
ہو چکے تھے اور ابھی تک عراق کی حکومت ان کو نہیں ملی تھی، پورا ملک عرب
جو مجلس خلافت کے نزدیک عراق و شام و حجاز پر مشتمل تھا ٹکڑے ٹکڑے ہو کر
چند چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ کر انگریزوں اور فرانسیسیوں کے زیر اقتدار
تھا۔ مسلمانوں میں اس صورت حال سے بڑی بے چینی تھی، ہندوستان کے مسلمان
اس صورت حال کو انگریزوں کے اس صریح اعلان کے خلاف سمجھتے تھے جس کے
ذریعہ انھوں نے مسلمانوں سے ان کے مقدس مقامات کے محفوظ رہنے کا وعدہ
کیا تھا۔

دنیا کے ایک اور عظیم الشان انقلاب پر چوروس میں پیش آیا تھا، گو دو
برس گزر چکے تھے مگر ہنوز اس کے اُفق کا مطلع صاف نہ تھا، اس وقت انگریز
اس کے مقابلے کے لئے سفید روسیوں کی فوج بنا کر ادھر ادھر معرکہ آرا تھے روس
کے اسلامی صوبے آزاد کئے جا رہے تھے۔ آذربائیجان کی خود مختاری کو انگریز
تسلیم کر چکے تھے، بخارا، خیوا اور دوسری اسلامی ریاستیں گو بالشویک روسیوں
کی گرفت میں تھیں تاہم دنیا سے اسلام اب تک یہ طے کر نہیں پائی تھی کہ اس
انقلاب کا اثر مسلمانوں کے خلاف ہو گا یا موافق بلکہ عام رجحان یہ تھا کہ یہ
انقلاب اتحادیوں کے خلاف مظلوم قوموں کی حمایت ہی کرے گا۔

مصر میں اس وقت سعد زغلول پاشا کی سیادت میں آزادی خواہ گرد
کھڑا تھا اور سارا مصر سعد زغلول پاشا کی قیادت پر یک زبان ہو کر انگریزوں
کے بھیجے ہوئے ملزم کمیشن کو بائیکاٹ کر چکا تھا اور سعد زغلول پاشا اپنے
رفقاء کے ساتھ اپنے مطالبات کو پیش کرنے انگلینڈ اور فرانس جا رہے تھے۔

ایران اس وقت روسیوں اور انگریزوں کے ہتھ میں ٹسکا ہوا تھا بلکہ یہ
نظر آتا تھا کہ یہ بھی انگریزوں کے زیر اقتدار آجائے گا۔ اور اسی قسم کا معاہدہ
اس وقت انگریز اس سے کر رہے تھے۔

ٹرکی کی عظیم الشان سلطنت کا جو حصہ افریقہ میں تھا اٹلی غصب کر چکا تھا
یورپ میں اس کے صوبے آسٹریا، بلغاریہ، سربو، مانٹی نیگرو اور یونان میں بٹ
چکے تھے، البانیہ کی چھوٹی سی ریاست جس میں اسلامی اکثریت تھی، گو خود مختار
بن چکی تھی مگر اس وقت وہ اٹلی کے زد میں تھی۔ ٹرکی کے مشرقی حصے عراق و شام،
فلسطین و حجاز وغیرہ باغی ہو کر شام و انیسویں اور باقی انگریزوں کے تصرف
میں تھے، اتحادی فوجیں اس وقت قسطنطنیہ پر قابض تھیں اور ٹرکی کی عظیم الشان
سلطنت اس وقت اناطولیہ میں محدود تھی۔ ٹرکی کا سلطان قسطنطنیہ میں اتحادیوں
کے بس میں تھا۔ فرانس کی سرزمین میں اتحادی فتح کے غرور کے نشہ میں صلح
کی صورت میں خدا کی خدائی کی شکست و ریخت میں مصروف تھے اور ملکوں کی قوتوں
کے فیصلے کر رہے تھے۔ سب سے بڑا یہ امر زیر غور تھا کہ ٹرکی کا بقیہ یورپ میں مقبوضہ
تھریس کس کو دیا جائے، قسطنطنیہ پر کون قابض ہو۔ اناطولیہ میں سمرنا گویا
یونانیوں کو مل ہی چکا تھا اور بقیہ اناطولیہ کی سپردگی کا مسئلہ درپیش تھا،
یونان کا وزیر اعظم وینی زیلاس برطانیہ کو اس بات پر آمادہ کر رہا تھا کہ ٹرکی کا بڑا
حصہ یونان کے حوالے کر دیا جائے۔ اُدھر ٹرکی کے صوبہ آرمینیا میں اتحادی بغاوت
کر رہے تھے۔ اور آرمینی سارے اتحادی ملکوں میں ترکوں کے مظالم اور اپنی
منظومی کی داستانیں گھر گھر کے رائے عامہ کو اپنے ساتھ ملا رہے تھے، یہودی
توراة اور انجیل کے حوالوں سے عیسائیوں کو یہ باور کر رہے تھے کہ اخیر زمانہ میں
بنی اسرائیل کے فلسطین دوبارہ اکٹھے ہونے کی جو پیشین گوئی ہے اس کے پورا

ہونے کا یہی وقت ہے، ان مشکلات کے نرغے میں اس وقت ترکی کا ہیرو
مصطفیٰ کمال پاشا مٹھی بھر نو جوان ترکوں کے ساتھ اناطولیہ میں ترکی کی بچی کھچی
سلطنت کے لئے سرگرم پیکار تھا اور نہیں کہا جاسکتا تھا کہ اس کا انجام کیا ہوگا،
دنیائے اسلام کا یہ نقشہ تھا کہ جب ان خطوط کا آغاز ہوتا ہے، اس
صورتِ حال سے ساری دنیائے اسلام میں زلزلہ برپا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے
اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں کو چند بہادر، دردمند، حساس ہیرو
عنایت کئے تھے جو اپنی جانوں پر کھیل کر کھڑے ہوئے اور انھوں نے مجلسِ خلافت
کے نام سے مرکزی مجلسِ ممبئی میں قائم کی جس کی شاخیں سارے ہندوستان
میں قائم ہو گئی تھیں، اس مجلس کی تنظیمی قوت اتنی زبردست تھی کہ سارا ہندوستان
اس کی ایک آواز پر اٹھتا اور بیٹھتا تھا، پورے ملک میں جس قدر کارکن نو جوان
تھے سب اس کے جھنڈے کے نیچے جمع تھے، ہر طرف سے اس کی امداد کے لئے
روپے برس رہے تھے۔ اور قوتیں یک جا ہو رہی تھیں، عوام علما اور تعلیم یافتہ
سب اس تحریک میں یکساں شریک تھے۔ مولانا عبدالباقی فرنگی محلی سب سے پیش تھے۔
ان کے علاوہ علمائے دیوبند، علمائے بدایوں، علمائے ندوہ، علمائے بہار
اور دیگر علماء سب شریک تھے، خلافت کے ارکان عمل میں اس وقت کے
تمام پیرو جوان، صاحب فکر و دماغ شامل تھے، بیچ الملک حکیم اجل خان،
ڈاکٹر انصاری، شوکت علی، محمد علی، تصدق شروانی، ڈاکٹر سید محمود، چودھری
خلیق الزماں، مولانا ابوالکلام، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، نضر علی خاں، مولانا عبدالمجید
بدایونی، مولانا فخرالہ آبادی، پیر غلام مجدد، سیٹھ عبداللہ بارون، سیٹھ چھوٹانی
اور خدا جانے کتنے اشخاص تھے جو تمام ملک میں پھیلے تھے اور اس تحریک کو اس
زور و قوت کے ساتھ چلا رہے تھے کہ اس کے دبائے کی حکومت کی ساری تدبیریں

ہیکار ہو رہی تھیں اور دُنیا سے اسلام کی نظریں اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں اور ان کی جمعیۃ خلافت پر لگی ہوئی تھیں اور اس وقت مسلمانوں کو اپنی متحدہ قوت کا اندازہ ہو رہا تھا۔

دسمبر ۱۹۱۹ء کی آخری تاریخیں تھیں۔ امرتسر میں کانگریس اور مجلس خلعت کے اجلاس ہو رہے تھے کہ حکومت نے محمد علی اور شوکت علی کو جو چھنڈ واڑہ میں نظر بند تھے رہا کر دیا۔ چھنڈ واڑہ سے یہ دونوں سیدھے امرتسر پہنچے جہاں اُس وقت سارے ہندوستان کے ہر طبقہ کے اہل سیاست کا مجمع تھا۔ یہی وقت تھا جب محمد علی اور شوکت علی صاحب وغیرہ نے اس تحریک کی کامیابی کے لئے ہندوؤں کو بھی اپنے ساتھ لیا اور اسی طرح گاندھی جی اور مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی اور محمد علی اور شوکت علی نے مل کر احیائے خلافت کے ساتھ ہندوستان کی آزادی کے مسئلہ کو بھی تحریک کے مقاصد میں شامل کر لیا۔ اور اس طرح سیاست نے ہندوستان میں ایک نئی کروٹ لی۔ گاندھی جی نے اس تحریک میں عملاً حصہ لیا اور شوکت صاحب کے ساتھ مل کر سائے ملک کا دورہ کیا۔ امرتسر کے اس اجتماع میں یہ طے ہوا کہ ہندوستان کی طرف سے چند آدمیوں کا ایک وفد انگلینڈ اور یورپ کے دوسرے اتحادی ملکوں میں بھیجا جائے جو وہاں جا کر اپنے مطالبات حکومت برطانیہ اور دیگر اتحادی وزراء کے سامنے پیش کرے اور اتحادی ملکوں کی رائے عامہ کو مسلمانوں کے موافق بنائے۔ وفد کے مطالبات حسب ذیل تھے :

۱۔ ترکی کے سلطان کی حکومت بحیثیت اس کے کہ وہ مسلمانوں کا خلیفہ ہے، قسطنطنیہ تھریس اور اناطولیا اور آرمینیا میں مستقل و آزاد قائم رکھی جائے۔

۲۔ حجاز، شام، فلسطین اور عراق کو جہاں مسلمانوں کے مقدس مقامات ہیں اور جس کے مجموعے کا نام جزیرۃ العرب ہے۔ غیر اسلامی اقتدار سے محفوظ رکھا جائے اور اس طرح حکومت برطانیہ نے جو وعدہ اسلامی مقامات مقدسہ کی حفاظت کے متعلق کیا تھا اس کو وہ پورا کرے۔

۳۔ ہندوستان کی آزادی کے لئے رائے عامہ ہموار کی جائے کیونکہ بلاد اسلامیہ کا تحفظ ہندوستان کی آزادی کے بغیر ممکن نہیں۔

وفد کے ارکان: اس وفد کے لئے ہندوستان سے اولاً محمد علی سید حسین، سید سلیمان تین ناموں کا بحیثیت ارکان انتخاب ہوا اور وفد کے سکریٹری جن محمد حیات صاحب مقرر ہوئے جو بعد کو نواب صاحب بھوپال کے سکریٹری ہو گئے اور ہندوستان سے ہنگال کے مولوی ابوالفہم صاحب بھیجے گئے۔ شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی بھی جو اس تحریک کے ابتدائی مشیر کاروں میں تھے اور مولانا عبدالمباری صاحب کے معتمد علیہ تھے اور جو جنگ بھر لندن ہی میں مقیم رہے تھے اور بعد کو چند ماہ کے لئے ہندوستان گئے تھے وہ پھر ہندوستان سے واپس آکر ہمارے کام میں شامل ہوئے۔ انگلستان میں اس وقت بعض انگریز اور ہندوستانی جو ہندوستانی سیاست سے دلچسپی رکھتے تھے اور بعض نوجوان مسلمان جو وہاں زیر تعلیم تھے کام میں شریک ہوئے، جیسے انگریزوں میں سے مسٹر ہارنی مین جو بمبئی کرائیکل کے بھی ایڈیٹر تھے، ہندوؤں میں مسٹر نائیڈو جو اس وقت لندن ہی میں تھیں اور نوجوان مسلمانوں میں سے شعیب قریشی صاحب اور عبدالرحمن صدیقی صاحب جو اس وقت انگلینڈ میں زیر تعلیم تھے اور محمد علی مرحوم سے خصوصی تعلق رکھتے تھے خاص طور سے یہاں کے کاموں میں شریک ہوئے،

ڈاکٹر ہنادر شاد بے نے بھی جو ایک پُر جوش ترک کارکن پریس میں تھے ہمارے کاموں میں تعاون کیا۔

تقسیم کار، محمد علی صاحب رئیس وفد تھے۔ ان کے ذمہ پورے وفد کی ذمہ داری تھی، اور ان کے انٹرویو اور تقریر کے لئے مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی رکھی گئی تھی، سید حسین کے ذمہ اس باب میں ہندوستان کے جذبے کا اظہار تھا۔ اور میرے متعلق ان مطالبات کے مذہبی نقطہ نظر کی وضاحت تھی۔

عبدالرحمان صدیقی صاحب نے تمام انتظامی امور کی ذمہ داری لی اور شعیب صاحب نے اس انگریزی پرچہ کی ادارت اپنے ہاتھ میں لی جو مسلم اوٹ لک کے نام سے لندن سے شائع ہو رہا ہے۔ اور جس کے مینجر اب تک اصفہانی صاحب اور ایڈیٹر ملک عبدالقیوم صاحب تھے۔ جو بیرسٹری کے لئے پنجاب سے گئے ہوئے تھے۔ میرے ذمے یہ کام تھا کہ مذہبی اور تالیفی حیثیت سے انگریزی اخباروں میں ہمارے خلاف جو مضمون نکلیں ان کا جواب لکھنا اور اسلامی ملکوں کے مسلمانوں سے مل کر ان کو اس تحریک سے آگاہ کرنا اور ان کی ہمدردی حاصل کرنا، ان کے علاوہ دوا اور کام بھی میں نے اپنے ذمے لے رکھے تھے، ایک یہ کہ روزانہ انگریزی اخباروں کو پڑھ کر قابل لحاظ مضامین اور خبروں پر سرخ نشان لگا دینا تاکہ وفد کے دیگر ارکان بھی ان کو پڑھ لیں، دوسرا یہ کہ ہر ہفتہ، ہفتہ بھر کی رفتار کار اور کاموں کی روداد لکھ کر ہندوستان بھیجنا، خصوصیت کے ساتھ شوکت علی صاحب اور مولانا عبدالباری صاحب کو وفد کے کاموں سے باخبر رکھنا۔

ان خطوط کی حقیقت، یہ خطوط حقیقت میں اسی حیثیت سے لکھے جاتے تھے، افسوس ہے کہ شوکت صاحب کے خطوط جو ان کے دفتر میں جاتے تھے وہ

دفتر کے نذر ہو گئے، نہ وہ میرے علم میں کہیں چھپے اور نہ مجھے ملے، بقیہ خطوط جو دوسرے لوگوں کے نام لکھے گئے وہ عموماً اخباروں میں چھپ جاتے تھے اور ملک میں وفد کے کاموں کے جاننے کا جو اشتیاق تھا اس کی بنا پر اخبارات ان خطوط کو کوشش سے حاصل کرتے تھے اور چھاپتے تھے اور لوگ بڑے ذوق و شوق سے ان کو پڑھتے تھے اور اگلی قسط کے منتظر رہتے تھے۔

جن اخباروں میں چھپتے تھے:، یہ خطوط زیادہ تر ہمد لکھنؤ میں چھپتے تھے، اس کے علاوہ زمیندار لاہور، خلافت بمبئی، وکیل امرتسر اور ان سے نقل ہو کر اکثر دوسرے اخباروں میں چھپا کرتے تھے، مولانا عبدالباری صاحب کے نام یہ خطوط ہمد لکھنؤ میں اپریل ۱۹۲۰ء، ۳ جون ۱۹۲۰ء، ۱۵ جون ۱۹۲۰ء، جولائی ۱۹۲۰ء، زمیندار لاہور ۳۱ ستمبر ۱۹۲۰ء ہمد لکھنؤ ستمبر ۱۹۲۰ء سے نقل کئے گئے ہیں۔

ایک قدروان، بلگام (بمبئی) کے ایک قدردان دوست نے جن کا نام عبدالقادر تھا اور جن کو اردو اخباروں اور کتابوں کا بہت ذوق تھا، یہ کمال کیا کہ انہوں نے ان تمام اخباروں کو جن میں یہ خطوط چھپے تھے، ایک فائل میں شوق سے جمع کیا تھا اور جب ہندوستان میں میری واپسی ہوئی تو انہوں نے اس کو اس فرمائش کے ساتھ میرے حوالے کیا کہ میں ان کو ایک مجموعے کی شکل میں چھپوا دوں۔

مجموعہ کی ترتیب، یہ مجموعہ کئی سال تک یوں ہی میرے پاس پڑا رہا۔ آخر ایک عزیز نے اس کا مسودہ صاف کیا اور اس کو تاریخ وار ترتیب دیا، لیکن چونکہ ان خطوں میں اکثر محمد علی مرحوم کے تذکرے تھے اس لئے ان کے دکھائے بغیر میں ان کا چھپوانا مناسب نہیں سمجھتا تھا، اب ان کی فراغت کا

سوال تھا، سو وہ ان کو عمر بھر حاصل نہیں ہوئی اور میرا دل بھی ان کی وفات کے بعد افسردہ سا ہو گیا اور اس لئے یہ مجموعہ زاویہ اہمال میں پڑ گیا۔

احباب کا اصرار، تاہم یہ قلمی مستودہ احباب کی نظروں سے گزرتا رہا، اور جس نے دیکھا اس کے چھپوانے کی فرمائش کی، خصوصاً فرزند عزیزم حیدر ابو عامر ایم اے، ایل ایل بی (علیگ) ایڈوکیٹ نے سب سے زیادہ اصرار کیا، لیکن کاموں کے تسلسل اور اوقات کے توازن نے اس فرمائش کی تعمیل کا موقع نہیں دیا۔ اب ایک بیک جب میرا کراچی آنا ہوا تو یہ مستودہ جو عزیز موصوف کے ساتھ مجھ سے پہلے کراچی پہنچ چکا تھا میرے ہاتھ آیا اور یہاں کی بیکاری کی فراغت میں جو اخیر عمر کا صلہ ہے اس کو دوبارہ پڑھ کر کہیں کہیں لفظی اصلاح کی اور حاشیہ میں بعض اشاروں کی تصریح اور بعض واقعات اور اشخاص کی تشریح کر دی اور لسم اللہ کر کے اس کو چھپنے کے لئے مطبع کے حوالے کر دیا،

مکتوب الیہم، اس مجموعے میں جن کے نام کے خطوط شامل ہیں وہ حسب ذیل اشخاص ہیں:

۱۔ مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی،

۲۔ مولانا مسعود علی صاحب ندوی مہتمم دارالمصنفین عظیم گدھ، جو میرے عمر بھر کے کاموں میں میرے رفیق خاص رہے اور جو یوپی میں تحریک خلافت کے سب سے بڑے علی کارکن تھے۔

۳۔ مولانا عبد الماجد صاحب دریا آبادی، ایڈیٹر صدق بکھنوا، ان کے نام کے خطوط پڑھتے وقت یہ ذہن نشین رہے کہ موصوف اس وقت فلسفہ جذبات و نفسیات و اجتماع کے جادو سے نکل کر امن عالم کے علم بردار تھے اور اس جماعت

کے ساتھ تھے جو جنگ کے بعد دنیا میں امن عالم کے منادی تھی، چنانچہ موصوف اس وقت موسیٰ ویر چرڈپال کی کتاب ”پیام امن“ کا ترجمہ اردو میں کر رہے تھے جو چھپ چکا ہے اور ساتھ ہی میری غیر حاضری میں ”معارف“ کے ایڈیٹر اورنگراں تھے۔

۴۔ مولوی سید ابوالکمال عبدالحکیم صاحب دیسنوی، میرے رشتہ میں چچا ہیں اور جنہوں نے میرے کاموں سے ہمیشہ گہری دلچسپی رکھی اور میری تحریر کے ایک ایک رقعہ اور پرزہ کو محفوظ رکھا ہے۔

۵۔ مولوی سید ابوالظفر صاحب ندوی، میرے حقیقی بھتیجے، جن کو لوگ ہمیشہ مورخ اور مصنف کے اچھی طرح جانتے ہیں، اول کے علاوہ سب دوسرے صاحبوں نے میرے یہ خطوط محفوظ رکھے تھے اور میری طلب پر مجھے عنایت فرمائی۔ خطوط کی ترتیب اور ناموں کے اشارت، اس غرض سے کہ واقعات کی ترتیب قائم رہے، اس مجموعے کی ترتیب تالیف و ارقام کی گئی ہے اور خط پر گوشہ میں تالیف اور مقام کے ساتھ خط کا ترتیبی نمبر دے دیا گیا ہے تاکہ حوالہ میں آسانی ہو اور مکتوب الیہم کے ناموں کے ابتدائی حروف بائیں جانب حاشیہ پر لکھ دئے گئے ہیں جن کا حل یہ ہے،

۱، ع، ب مولانا عبدالباقی فرنگی محلی،

۲، م، ع مولانا مسعود علی صاحب ندوی،

۳، ع، م مولانا عبدالمجید صاحب دریابادی،

۴، ع، ح ابوالکمال سید عبدالحکیم صاحب،

۵، ا، ط مولوی سید ابوظفر صاحب ندوی،

الحمد للہ تعالیٰ کہ اول کے سوا باقیہ حضرات اب تک ہمارے درمیان موجود

ہیں اور خلق خدا کی خدمت میں مصروف ہیں۔

یہ خطوط اب محض تاریخی ہیں، افسوس ہے کہ میری قیمت ماضی کی ورق گردانی سے کچھ ایسی وابستہ ہو گئی ہے کہ حال بھی ماضی ہی بن کر سامنے آتا ہے یہ خطوط اگر آج سے بتیس برس پہلے شائع ہوتے تو ایک سیاحت نامہ کا کام دیتے مگر اب بتیس برس کے بعد ان کی اشاعت صرف تاریخی افادیت رکھتی ہے ان سے آج کے بتیس برس پہلے کے ہندوستان اور دنیا کے اسلام اور یورپ کی سیاست کی وہ تصویر نظر آتی ہے جو میرے قلم نے کھینچی تھی، دوسری جنگ عظیم کے بعد یورپ کا نقشہ گو بدل چکا ہے، ایسی حالت میں نہیں کہا جاسکتا کہ کیا چیز باقی ہے اور کیا مٹ گئی، تاہم ایک تاریخی دستاویز ہے۔

سیاسی پیشگوئیاں اور سیاسی رائیں:، ان خطوط میں کہیں کہیں سیاسی پیشین گوئیاں اور سیاسی رائیں بھی ہیں، پیشگوئیاں خیالات اور قیاسات ہوتے ہیں، آپ خود دیکھیں گے کہ ایک مستقبل سے ناواقف انسان کہاں کہاں بھٹکا اور کیسے اٹکل کر تاربا ان میں سے کتنا حصہ صحیح اُترا اور کتنا غلط ثابت ہوا۔

سیاست ایک دھوپ چھاؤں ہے وہ دم بدم بوقلموں کی طرح رنگ بدلتی ہے اور نہیں کہا جاسکتا کہ کل جو صحیح نظر آ رہا تھا وہ آج کہاں تک صحیح باقی رہا اور آج جو صحیح نظر آ رہا ہے وہ کہاں تک صحیح باقی رہے گا۔ وَلِلّٰهِ الْآخِرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ،

کتاب کا نام، کتاب کا نام ”برید فرنگ“ (یورپ کی ڈاک) رکھا ہے برید عربی میں ڈاک کو کہتے ہیں اور فرنگ فارسی میں یورپ کو، چونکہ یہ خط یورپ سے لکھے گئے ہیں اس لئے برید فرنگ اس کا موزوں نام نظر آیا۔

تکرار، اگرچہ خط لکھتے وقت اس کا خیال رکھا گیا تھا کہ ان خطوط میں واقعات کی تکرار نہ ہو، مگر کہیں اجمال اور تفصیل میں بعض واقعوں کی تکرار

سے چارہ نہ تھا تاہم یہ ملحوظ رکھا گیا ہے کہ یہ تکرار کسی نہ کسی مزید اضافہ سے خالی نہیں ہے۔
مدت سفر و مقامات سفر، یہ سفر یکم فروری ۱۹۲۱ء سے شروع ہو کر اواخر
 ستمبر ۱۹۲۱ء کو آٹھ ماہ میں تمام ہوا، اس مدت میں زیادہ تر قیام لندن میں رہا،
 پیرس میں کئی بار آنا جانا ہوا، پھر سوئٹزرلینڈ میں چند دن اور اٹلی میں آتے
 اور جاتے کئی روز ٹھہرنا پڑا، خطوط کے اوپر مقامات لکھے ہوئے ہیں، ان سے
 بھی حدود سفر کا حال معلوم ہوگا۔

نہضت اسلامیہ، ان خطوط کے پڑھنے والوں کو معلوم ہوگا کہ
 اس سخت مایوسی کی رات میں جب ہر طرف اسلام کے افق پر بادل گھرے تھے
 سیاسی حالات و قیاسات کی روشنی میں جس ”نوجوان اسلام“ اور اسلام
 کی پرانی عمارت کی بجائے جس نئی عمارت کا نقشہ ہم کو عالم خیال میں نظر آیا تھا
 مستقبل نے اس کو کس طرح صحیح اور سچا کر کے دکھایا، ہندوستان آزاد ہوا،
 اور اللہ تعالیٰ نے ایران، عراق، شام، مصر اور ترکی کو کس طرح از سر نو ترقی اور
 قوت اور خود مختاری اور آزادی بخشی، اور پاکستان اور انڈونیشیا اور برطانیہ
 لیبیا کی تین نئی سلطنتیں کس طرح پردہ غیب سے ظہور میں آگئیں، ٹیونس،
 الجیریا اور مراکش میں جدوجہد رو بہ ترقی ہے۔

اس سے مسلمانوں کے قلوب میں مزید ہمت و عزیمت اور اعتماد اور توکل پیدا
 ہونا چاہیے اور یقین رکھنا چاہیے کہ آج ہم کو جہاں شر نظر آ رہا ہے کیا عجب و ہاں
 کل خیر ہی نظر آئے، وَمَا ذَلِكْ عَلَى اللَّهِ بَعِزٌّ، چنانچہ اندچینیں نیز ہم خواہد ماند
 ہمت کی لبندی اور عزیمت کی استواری قوموں کی زندگی کے اصل عناصر ہیں۔
 ہمت بلند دار کہ پیش خدا و خلق باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو

سید سلیمان ندوی۔ کراچی، ۲۰ اکتوبر ۱۹۵۱ء، ۱۷ محرم ۱۳۷۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۔ مظفر آباد ہال بمبئی، ۳۱ جنوری ۱۹۲۰ء

برادرِ م، السلام علیکم،

۲۹ جنوری کی شام کو ہم لوگ کلیان پہنچے، تھوڑی دیر ٹھہر کر بذریعہ اسپیشل بمبئی
اے گئے۔ اسٹیشن سے لے کر مستقر تک آدمیوں کا وہ ہجوم تھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ بمبئی
کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے۔ کل مسٹر تلک کی صدارت میں وداعی جلسہ ہوا جس میں بمبئی
کے تمام اکابر شریک تھے، آج شب کو پھر جلسہ ہے جس میں ہم سب کو تقریر کرنا ہے۔
کل صبح آٹھ بجے جہاز چھوٹے گا۔ تمام سامان درست ہو گیا ہے۔ نا اطلاق ثانی
میرا پتہ یہ ہو گا :- "مسٹر تھامس لک اینڈ سنز لیڈ گیٹ سکر لندن۔"

۲۔ بمبئی، ۳۱ جنوری ۱۹۲۰ء

عم محترم، السلام علیکم،

الحمد للہ، ہماری جماعت بحیرتِ بمبئی پہنچی۔ یہاں اس قدر پر جوش استقبال ہوا۔
کہ بمبئی نے باوجود اپنی عظمت اور جاہ و جلال کے اس کی نظیر اس سے پہلے نہیں دیکھی تھی۔
کل ہنگیر یا جہاز سے ۸ بجے صبح کو روانگی ہوگی، تھامس لک کمپنی کے ذریعے سے
خط بھیجے، اوپر میرا نام ہو، آج شب کو یہاں میری تقریر ہے، کل مسٹر تلک کی صدارت
میں ہمارے وفد کو الوداع کہا گیا، خط ابھی لکھ دیجئے تاکہ لندن میں انتظار نہ کرنا پڑے۔

۳۔ از جہاز ہنگیر یا، بندرِ کراچی، ۳ فروری ۱۹۲۰ء

السلام علیکم،

یہ پہلے معلوم نہ تھا کہ ہمارا جہاز بمبئی سے چل کر کراچی بھی ٹھہرے گا، لیکن وہ

کراچی ٹھہرا، اور ۴ گھنٹہ ٹھہرے گا۔ اس طرح سے ایک اور خط لکھنے کا موقع مل گیا، اور خاک ہند کو ایک دفعہ اور دیکھنے کا شرف حاصل ہوا، یہ جہاز ۲۱ دن میں وینس پہنچے گا، وہاں سے سوئزرلینڈ جانا ہوگا، لندن کا پتہ پہلے خط میں لکھ چکا ہوں، انگریزی بولنے کی مشق میں اور عربی بولنے کی مسٹر محمد علی کر رہے ہیں، جہاز میں انگریزی مذاق کا بدلہ دانا کھانا سب سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔

۴ - جہاز ہنگیریا، بندر کراچی، ۳ فروری ۱۹۲۰ء

برادر مسلمہ

ع ۴

آپ کو بمبئی کے الوداعی خط کے بعد یہ خط دیکھ کر تعجب ہوگا، واقعہ یہ ہے کہ جہاز پر چڑھنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ یہ جہاز بمبئی سے براہ کراچی یورپ کو جائے گا، یکم کی صبح کو بمبئی سے چل کر ۳ فروری کی صبح کو آج بندر کراچی پہنچے، اور ایک خط اور لکھنے کا موقع مل گیا۔

بمبئی میں مسلمانوں نے جس جوش و خروش سے خیر مقدم کیا اور الوداع کیا وہ یادگار واقعہ ہے، جہاز پر مسلمانوں نے بڑے خلوص و عقیدت سے رخصت کیا، نعرہ اللہ اکبر کی گونج بار بار اٹھ رہی تھی، ہر طرف سے پھولوں کی بارش ہو رہی تھی، پُر امید لگا ہیں ہمارے چہروں پر رحمی ہوئی تھیں، شوکت علی، مولانا عبدالباری اور سیٹھ چھوٹا مانی نے سینوں سے لگا کر دعائیں دیں۔ جہان نے انبے جب لنگر اٹھایا، تو دل نے فراق وطن اور وداع احباب کا صدمہ محسوس کیا، مولوی شبلی ندوی ساتھ آئے تھے، اخیر دفعہ ان کو سینہ سے لگا کر جب وداع کیا تو دونوں طرف آنکھیں پُر نم تھیں، بمبئی میں شب وداع کو میری تقریر کی باری انبے شب کو آئی، پہلے تو میری ہمت نے شکست کھائی اور چاہا کہ تقریر نہ کروں، لیکن پھر خدا کا نام لے کر کھڑا ہو گیا، اور ایک گھنٹے تک ایسی تقریر ہوئی کہ خدا نے درود دیوار سے اثر نمایاں کر دیا، اس محمد جہاز کراچی میں دو دن ٹھہرے گا اور یہاں سے نکل کر ۲ کو شاید مل

یورپ پر قدم رکھے گا،

ایک ضروری بات یہ ہے کہ میرے خطوں والے ہیزی کبس میں جو آپ کے کبس کے نمونے پر بنایا گیا ہے، لوگوں کے بہت سے خط رکھے ہوں گے، ان میں ایک خط فیروز پور پنجاب کے ایک قاضی (نام یاد نہیں) وکیل پٹیالہ کا ہے، جس میں سیرۃ نبویؐ کے متعلق تاریخ و قضا نبویؐ کا ذکر ہے، وہ خط مجھ کو رجسٹرڈ ولایت بھیج دیجئے گا۔

مولوی عبدالسلام، انصاری، ابوالحسنات اور دیگر فقار کو سلام۔ خدا حافظ

۵ از جہاز ہنگریا، بندر کراچی، ۳ فروری ۱۹۲۰ء

۴ حبیب مکرم، سلام محبت :

آج جہاز کراچی پہنچا، کل انشاء اللہ خاک ہند کو آخری سلام ہوگا، آج شب کو کراچی میں مسلمانوں کا جلسہ ہوگا جہاں مسٹر محمد علی تقریر کریں گے اور شاید میں بھی پہلے معلوم نہ تھا کہ جہاز کراچی ٹھہرے گا، معارف کو دوبارہ یاد دلاتا ہوں۔

برادر م مولوی عبدالباری صاحب ندوی کا احمد آباد سے تار آیا کہ آتا ہوں

گمراہ آسکے، خدا حافظ۔ www.KitaboSunnat.com

۶ از جہاز ہنگریا، بندر عدن، ۹ فروری ۱۹۲۰ء

برادر بچان برابر، السلام علیکم، اس وقت میں ساحل بمبئی سے ۱۶۵۹ م

میل پر ہوں، جہاز عدن میں چند گھنٹوں کے لئے ٹھہرے گا، وہاں یہ خط ڈالوں گا، آج سمندر کے سفر کو سات دن ہو گئے، بحر پانی کے کوئی چیز نظر کے سامنے نہیں، بحر عرب کی متلاطم موجوں سے تنہائی میں دل بہلاتا ہوں، کل بیٹھے بیٹھے بحر عرب پر ایک چھوٹی سی نظم کہہ ڈالی،

۷ بحر عرب ہمارا کس شان سے رواں ہے

معلوم ہوا ہے کہ ۲۱ کو جہاز وینس میں لنگر انداز ہوگا، یہ اٹلی میں واقع ہے۔

اٹلی ہو کر سوئٹزرلینڈ، فرانس اور وہاں سے انگلینڈ۔

جہاز میں اب تک تلاطم نہیں، اس لئے چکر نہیں آیا، ہر طرح کا آرام ہے۔ لیکن پیٹ کی بڑی مار ہے، حالانکہ چار وقت کھانا ملتا ہے، صبح کو چائے، ۸ بجے تک برکیٹ اسٹ بجے ٹفن، ۷ بجے شام کو ڈنر، لیکن بدمزہ، بدبو، خام، کل محمد علی صاحب نے خود باد پچی خانے میں جا کر گوشت بھونا، اب تک تو وضع میں نے وہی رکھی ہے، عامرہ کے بجائے ترکی لوطی، پانچامہ پر پیٹ، کالرا البتہ بڑھ گیا ہے، ڈنر میں جانے کے لئے سیاہ سوٹ فروری تھا، ایک سیاہ ایرانی وضع کی شیروانی، یعنی معمولی شیروانی سے چار پانچ انگل پچی اور سیاہ پیٹ، سادہ کف دار قمیص۔

اب تک ہماری جماعت نماز بہ پابندی پڑھتی ہے، ۶ فروری کو نماز جمعہ پڑھی، اس مہینے کے معارف بلکہ ہر مہینے کے معارف کے چار چار نسخے بھیجے، اسی طرح تفسیر ابی مسلم، سیرۃ کی جلد دوم تیار ہو جائے تو اول و دوم کی چار چار جلدیں غیر مجلد غایت فرمائیے مگر با احتیاط، مضبوطی کے ساتھ بندش ہو، روح الاجتماع چھپ چکے تو سیرۃ عائشہ شروع کرائیے، آپ کی مشین کا کیا نتیجہ نکلا، ملی یا نہیں۔

دارالمصنفین کے قواعد و ضوابط اور حساب کے کاغذات چھپ گئے ہوں تو وہ بھیجے جس جہاز پر ہم جارہے ہیں یہ نہایت سست ہے، دن رات میں صرف دو سو اسی میل چلتا ہے، مگر اس کے کمرے اور سامان و اسباب نہایت اچھے ہیں، ہر کمرے میں دو پلنگ مع بستر کپڑے رکھنے کی دو الماریاں، ہاتھ منہ دھونے کے لئے پائپ مع طشت دیوار میں جڑا ہوا ایک کرسی، ایک برقی پنکھا، تین برقی روشنی، دو کھوٹیاں، ہر کمرہ سامان اور آرام کے لحاظ سے مسعود منزل واقع شبلی منزل سے زیادہ بہتر ہے، ہم اکثر یہ بھول جاتے ہیں کہ ہمارا سفر کسی خوفناک سمندر کے اندر ہے، جس کی ایک موج تلاطم ہماری زندگی ختم کر سکتی ہے،

سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ۔ افسوس کہ یہ جہاز عدن رات

کو ٹھہرے گا، اور وہ بھی چند گھنٹوں کے لئے، ورنہ اس کی زیارت سے بھی مشرف ہو سکتے،
سید حسین صاحب آدمی پُر زور، بڑے وسیع المطالعہ ہیں، مگر ان کو غصہ بھی جلد جلد آ جاتا ہے
پرسنِ حال کو سلام۔

ء از جہاز ہنگریا، پورٹ سید، ۳۱ فروری ۱۹۲۷ء

عم محترم السلام علیکم

جی تو یہ چاہتا کہ اس سفر کا ایک ایک جزئی واقعہ آپ کو خط میں لکھوں، لیکن
تنگیِ دامن کا گلہ ہے اور کثرتِ حُسن کا شکوہ ہے، عدن سے جو رقم لکھا پہنچا ہوگا، عدن
کے بعد جہاز نے مصوع ساحلِ افریقہ (اریٹر یا مقبوضہ اُٹلی) میں لنگر ڈالا، یہ عرب حبشی
آبادی ہے، اس کا دار الحکومت اسمارہ ہے، اُٹلی کے زیرِ حکومت ہے، ۵۰ بجے کے قریب
یہاں کے ساحل پر ہم اترے، یہ عمر کا پہلا موقع ہے کہ ملکِ مند کے علاوہ ایک دوسرا ملک
بلکہ ایک بڑا عظیم (افریقہ) اور ایک انگریزی حکومت سے باہر ایک دوسری حکومت کی
سرزمین پر قدم رکھا، لوگ ڈراتے تھے کہ بحرِ احمر (ریڈ سی) میں یوں گرمی ہے، یوں نماز
ہے، لیکن خدا کا کرنا دیکھتے کہ یہاں سینکڑوں میل تک یعنی یہاں تک کہ کل شام کو سوئیز
میں قدم رکھیں گے، لیکن گرمی کا نام و نشان نہیں، سردی بلکہ جاڑا تک موجود ہے، لوگ
کہتے ہیں کہ یہ بالکل اتفاقی اور عجیب بات ہے۔

مصوع میں ہندوستانی آبادی کو دیکھ کر تعجب ہوا، گجرات، کاٹھیاوار اور کچھ کے
ہندو بنیا اور بڑے، فوجی مسلمان یہاں تاجر ہیں، اُردو کی فرماں روائی دیکھتے کہ افریقہ
کے ریگستان تک وسیع ہے، اتفاقاً ہندوستانی بھائیوں سے ملاقات ہو گئی، انھوں
نے اس قدر آؤ بھگت، خاطر داری اور مہمان داری کی کہ اظہارِ مشکل ہے، دوسرے
جہاز سے لاجپت رائے اور شیر حسین قدوائی اُترے، خلافت کے متعلق باتیں ہوئیں،
مشرحین نے حقیقت میں بڑا کام کیا، اور وہ کہتے تھے کہ سر آغا خان کی کوششیں بھی

شکریہ کے لائق ہیں، روسی آذربائیجان میں اسلامی ری پبلک کا قیام اور حکومت انگریزی کا اس کو تسلیم کر لینا انہیں کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے،

اب تک جس قدر دوسرے ممالک کے مسلمانوں سے ملاقات ہوئی، سب نے بالاتفاق شریف حسین کے فعل سے برأت ظاہر کی۔

مصوّع سے نکل کر سمندر میں اس قدر تلاطم ہوا کہ ۲۴ گھنٹے تک جہاز مثل جھولا کے محسوس ہونا تھا، چپ چاپ پڑے رہے مگر دورانِ یافتہ نہیں ہوئی، کل سے بحمد اللہ سکون ہے، کل شام کو جہاز سویٹزرلینڈ پہنچے گا، خیال ہے کہ سویٹزر سے جہاز چھوڑ کر براہِ ریل لگے ہاتھوں مصر کی زیارت کر لیں، پھر مصر سے پورٹ سعید چلے جائیں اور وہاں جہاز کو پکڑیں پورٹ سعید سے ایک ہفتہ وینس تک لگے گا، غالباً جب آپ کو یہ خط ملے گا تو ہم وینس میں ہوں۔ مصوّع میں عربوں نے ایک مسجد میں ہمارے مقاصد پر مطلع ہو کر جس طرح دعائیں دی ہیں وہ منتظر قیامت تک نہ بھولے گا۔

وہاں کے ہندوستانیوں نے لاجپت رائے اور مٹر محمد علی کو ایک چھڑی اور ایک ایک قالین نذر دیا۔

۵ جہاز ہنگریا، پورٹ سعید، ۱۴ فروری ۱۹۲۰ء
برادر عزیز ایدک اللہ و نصرت

السلام و علیکم ورحمتہ اللہ، آج فروری کی ۱۴ تاریخ ہے، کل شام کو جہاز سویٹزر پہنچے گا، ارادہ یہ ہے کہ سویٹزر اتر کر ذرا مصر کی زیارت کر لی جائے اور براہِ ریل سویٹزر سے مصر اور مصر سے پورٹ سعید واپس آکر جہاز پر سوار ہو جائیں گے، خیال تھا کہ عدن بھی اتریں گے، رات بھر جہاز عدن کے ساحل پر کھڑا رہا، اترنے کی بڑی کوشش کی، آخر دو بجے شب کو مایوس ہو کر ہم لوگ بستر پر گئے کہ ڈاکٹر کی اجازت کے بغیر ساحل پر اترنا ممکن نہیں، اور ڈاکٹر صاحب ۷ بجے صبح سے پہلے اپنے آرام خانہ سے باہر نہیں نکلتے،

بہر حال دُور ہی سے کھڑے ہو کر اسی زمین اقدس کے ایک گوشہ کی زیارت کر لی۔

حسرت پر اس مسافر بیکس کے رویے

بیٹھا ہوا ہوتا تھا کہ جو منزل کے سامنے

لیکن خداوند تعالیٰ نے اس محرومی کی پوری تلافی کر دی، یمن کے سامنے مقابل ساحل

جسٹہ پر ایک اٹالین مقبوضہ اریٹر یا ہے جو خالص عرب مسلمان آبادی ہے، اس کا بندر گاہ

مستوع ہے، چونکہ یہ کمپنی بھی جس کے جہاز پر ہم سفر کر رہے ہیں اب اٹالین ہے، اس لئے وہ

مستوع میں آکر لنگر انداز ہوا، وہ جہاز جو یورپ سے لالہ حبیب رائے اور مشیر حسین صاحب

قدوائی کو لارہا تھا، وہ بھی اسی کمپنی کا تھا۔ پہلے سے معلوم تھا کہ وہ جہاز بھی یہاں آکر

ٹھہرے گا، چنانچہ دونوں جہازوں کے درمیان بے تار کی تار برقی محمد علی صاحب اور لالہ

اور قدوائی نے باہم دوڑائی کہ کسی طرح باہم ملنا چاہیے، پہلے تو ناامیدی رہی لیکن مستوع

پہنچنے پر معلوم ہوا کہ ہمارا جہاز رات بھر ٹھہرے گا اور وہ جہاز ساڑھے آٹھ پر آجائے گا۔

اتنی دیر کے لئے ہم لوگ تیار ہو کر سیر کے لئے ساحل افریقہ پر اترے، یہ پہلا موقع ہے کہ

میرے پاؤں ہندوستان کے سوا اور کسی ملک پر ٹپکے اور ایک غیر گورنمنٹ کے اہتمام و

انتظام کی ایک جھلک بھی نظر سے گزری، راہ میں ایک مسجد آئی، نماز مغرب کے لئے

وہاں گئے، نماز کے بعد لوگوں نے اجنبی سمجھ کر ہماری طرف دیکھا، السلام علیکم کے بعد

ہمارے مقاصد سفر سے جب وہ مطلع ہوئے، تو میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کے چہروں سے

کیسی شگفتگی کے آثار نمایاں تھے، فوراً سب نے ہماری کامیابی کے لئے دست دعا دراز کئے،

بہر حال حبشی عرب تھے، سیہ فام تھے، زولیدہ مٹوتھے، لیکن ذوق چشیدہ ایمان تھے۔

ہماری آنکھیں قیامت تک ان کے چہروں کی شگفتگی، ان کی دست بوسی اور ان کی

بغل گیری کے جلوؤں کو نہیں بھلا سکتی، دیکھئے مصر کی زیارت کیا لطف دکھائے، امید

ہے کہ جب یہ خط آپ کو ملے گا تو ہم دینس میں اتر چکے ہوں گے، دار المصنفین تو بحیرت

ہے، عزیزان دارالمصنفین کس حال میں ہیں، پچھلا خط جو عدن سے بھیجا تھا پہنچا ہوگا جس میں معارف کے آئندہ ہر نمبر کی چار کاپیاں مانگی ہیں، سیرۂ ختم ہوئی یا نہیں، آپ کی تنہائی کا افسوس ہے، افسوس کہ مصر جانے کا انتظام نہ ہو سکا۔

۹ وینس، ۲۴ فروری ۱۹۲۰ء

تسلیم!

سمندر کو طے کر کے ہم نے جس شہر میں قدم رکھا ہے اس کا نقشہ پشت پر درج ہے، وینس کو آپ نے شکسپیر کی عینک سے دیکھا ہوگا، میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں، میری لال ٹوپی، پیرو جواں، سخت ولطیف ہر جنس کی نگاہوں کا مرکز ہے، خدا نظر بد سے بچائے،

آج پیرس کا عزم ہے، یہاں کے دو اخباروں کے نامہ نگاروں نے ملاقاتیں کیں، اور دو خلافت کا حال آج شائع کیا ہے، "وینس دی گزیٹ" نے ذرا تفصیل سے کام لیا ہے، معارف یاد رہے، خدا حافظ۔

مسز رتھامس لک اینڈ سنس لڈ گیٹ کرس

لندن - ۳ مارچ ۱۹۲۰ء

عم محترم دام کرمہ سلام مسنون،

یہ تو مجھے امید نہیں کہ آپ نے اب تک مجھے کوئی خط نہیں لکھا ہوگا، لیکن یہاں پہنچنے پر ہندوستان کی پہلی ڈاک جو ملی، ہمیں دینے کا کوئی خط تھا، نہ کوئی غلم گدھ کا البتہ بھائی داؤد صاحب کا بہا! خط ملا اور دوسرا خط مسٹر مہدی حسن کا جس میں صرف ایک نظریہ شاعرانہ تھا۔

۱۔ کاتب کے وطن کا نام جو ضلع پٹنہ کے مشرق میں واقع ہے۔

۲۔ کاتب کے بڑے چچا زاد بھائی جن کا افسوس ہے کہ ۱۹۲۱ء میں انتقال ہو چکا ۱۲۔

۳۔ یعنی مشہور مرحوم النشار پر داز مہدی افادی الاقتصادی صاحب افادات مہدی ۱۲۔

زائد کچھ خیال فرض بھی ہے کعبہ سے پہلے عزم لندن کا
 لیکن میرا جواب یہ تھا کہ خیال فرض ہی تھا، جس نے اس دور دراز سفر پر آمادہ کیا
 کراچی چھوڑ کر سب سے پہلے عدن میں جہاز نے دم لیا، مگر اتر نہ سکے، بعد ازیں مصوع
 میں، پھر پورٹ سعید میں اترے، ان مقامات میں جہاں ہم کو موقع ملا، مسلمانوں سے
 ان کو اپنا فرض یاد دلایا، اور اپنے کام سے آگاہ کیا، ہم نے ہر جگہ پایا کہ دلوں میں آگ
 سی لگی ہوئی ہے، قاہرہ کا خیال تھا لیکن گاڑی کا مناسب وقت نہ مل سکا، مگر پورٹ سعید
 میں جو مصر کی آخری سرحد ہے اور جہاں سے یورپ کا پہلا قدم شروع ہوتا ہے صرف
 ایک شب بسر کی، جامع عباسی میں نماز مغرب پڑھی، یہ سن کر ہندوستانی مسلمانوں کو تعجب
 ہو گا کہ ایک ہی صف میں حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی نماز پڑھ رہے تھے اور امام سب
 کی رعایت کر رہا تھا، اتفاق سے مسیحی میں بعض اخبارات کے مضمون نگاروں سے ملاقات
 ہوئی، اپنے وفد کے مقاصد ان سے بیان کئے، امام جامع نے ہمارا خیر مقدم کیا، نماز مغرب کے
 بعد وہاں ایک شیخ فقہ کا درس دینے بیٹھے، جس میں شافعی فقہ کے مسائل انھوں نے بیان کئے۔
 اکثر مقتدی جو جماعت میں شریک تھے اس حلقہ میں شریک ہوئے جن میں ہوٹلوں کے خاندان
 اور ملازمین بھی تھے، شیخ درس کے بعد مجھ سے عربی میں باتیں کرتے رہے۔ میں نے تفصیل
 اپنے مطالب جب ان کو بتائے تو تمام حلقہ درس جوش مسرت سے لبریز ہو گیا، شیخ نے دعا
 نصرت مانگی اور سب نے آمین کہی۔

حلقہ سے اٹھ کر نماز عشاء پڑھی، پھر جو مسجد سے نکلے تو ہر جگہ ہمارا چرچا تھا، بازار
 میں ایک جگہ عربی اخبارات خریدنے کو گاڑی روکی تو چاروں طرف اس قدر ہجوم ہوا اور
 اترنے کے لئے اور قہوہ پینے کے لئے اصرار ہوا، ہم کو خوف ہوا کہ کہیں مہلہ سا نہ لگ جائے،
 مخالفین اسلام اور ظالمین ارض پر اس قدر علانیہ تبرا برسر بازار کہا گیا کہ قیاس میں
 نہیں آسکتا، ایک مصری نے جو اردو جانتا تھا قریب آیا اور زور زور سے بدترین

ہندوستانی گالی ان کے حق میں پوری قرأت سے ادا کی۔ ہم سمجھے کہ مصر آج کل کو آتش فشاں ہو رہا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ مجمع کوئی غضب آلود شکل اختیار کر لے۔ اس لئے بہ وقت جان چھڑا کر ایک عرب ہوٹل میں گئے، وہاں مصری کھانا کھایا، جس اتفاق کہ ہوٹل میں سربراہ وردہ رہنمایان شہر سے ملاقات ہوئی، دیر تک گفتگو رہی، مصر کے اخبارات میں شاید ہمارے متعلق حالات شائع ہوئے ہیں۔

پورٹ سعید سے نکلے تو بحر متوسط میں دو روز اس قدر قیامت خیزیاں رہیں کہ دو دن تک تیکہ سے سر نہ اٹھا سکا۔ آخر یہ لورپ کی پہلی سرزمین برنڈزی واقع اٹلی آئی، وہاں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے لئے ہم لوگ تری سے خشکی پر اترے۔ برنڈزی پہنچ کر ہمارے جہاز کے ملازمین اور ملاحوں نے اسٹرائیک کر دی، بمشکل وہ وینس پہنچانے پر راضی ہوئے۔ دوسرے دن ایک بجے کے قریب وینس آیا، لیکن ساحل تک پہنچتے پہنچتے شام ہو گئی۔ یہ شہر چھوٹے چھوٹے جزیروں کا ایک جال ہے۔ ہر جزیرے سے گزرتے ہوئے آخر اس بڑے جزیرے کے قریب لنگر انداز ہوئے جو اصل شہر ہے۔ یہ بڑا جزیرہ بھی پنج کی چھوٹی چھوٹی سینکڑوں نہروں میں منقسم ہے، جن کو جا بجا پلوں کے ذریعہ سے باہم ایک کیا ہے، بجائے سڑکوں کے نہریں ہیں، ایک جگہ سے دوسری جگہ کشتیوں پر آتے جاتے ہیں، چنانچہ ہم ہوٹل کشتی پر گئے، اسٹیشن بھی کشتی پر گئے، تمام شہر یادگار تاریخی عمارات کا مرقع ہے۔ تمام راستے سنگی یعنی پتھروں سے بنے ہوئے ہیں، یہاں کا ہر تنہا تاریخ کا ایک صفحہ ہے، گویا دہلی مرحوم کا نقش مرقوم ہے، لیکن افسوس کہ دہلی ویران منہدم ہے، یہ عمارات اب تک زندہ اور قائم ہیں۔

وینس سے سوئٹزرلینڈ ہو کر ہم لوگ پیرس کو روانہ ہوئے، پنج میں ریلوے ملازمین نے اسٹرائیک کر دی، بمشکل جس طرح بنا، بھاری اسباب کو چھوڑ کر پیرس پہنچے۔ پیرس پہنچتے ہی معلوم ہوا کہ شب کو ہوس آف کانس میں قسطنطنیہ کے مسئلہ پر بحث ہوگی،

فوراً صبح ہوتے چلنے کی تیاری کر دی۔ پیرس چند گھنٹوں میں کیا دیکھا جاسکتا تھا بہر حال
 وینس سے اور پھر پیرس سے وزیر اور لیسر پارٹی کے لیڈنگ ممبروں کے نام براہ راست
 تیار جارہے تھے، رات کو لندن پہنچے اور اسٹیشن سے سیدھے پارلیمنٹ ہوس پہنچے۔
 وہاں ہوس آف کانس میں معزز مہمانوں کی صف میں ہماری نشست کا انتظام پہلے ہی
 سے کر دیا گیا تھا، اسٹیشن ہی پر بعض اخبارات کے نامہ نگار موجود تھے، ہماری آمد کی
 خبر شائع ہوئی تو اسی وقت سے تمام اخبارات کے نامہ نگار آنے شروع ہو گئے اور ایک
 ہفتہ گزرنے پر بھی اب تک ان کا سلسلہ چلا جا رہا ہے، ہمارے فولو لے جا رہے ہیں،
 مختلف مجلسوں میں شرکت کی دعوتیں آرہی ہیں، تمام اخبارات میں ہمارے مقاصد کی
 اشاعت ہو رہی ہے، وزیر اور پارلیمنٹ کے ممتاز ممبروں سے ملاقاتیں ہوئیں۔
 ۲ مارچ کی رات کو وزیر ہند نے ہمارے وفد سے ملاقات کی۔ وفد نے نہایت
 آزادی سے تمام مسلمانوں کے خیالات و مطالبات سے آگاہ کیا۔ وزیر ہند نے جواب
 میں کہا کہ ”گورنمنٹ جہاں تک ممکن ہے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کا خیال کرے گی۔“
 روزانہ صبح سے شام تک لوگوں سے ملنے جلنے اور مجلسوں کی شرکت میں وقت ضائع
 ہوتا ہے، آج ابھی رات کو انڈین ہوٹل سے آرہے ہیں، جہاں ہندوستان کے طلبہ کے
 سامنے ”مستقبل ہند“ پر لیسر پارٹی کے ایک ممتاز ممبر مباحثہ کرنے والے تھے، انھوں
 نے ہندوستان کے مستقبل پر ہمدانہ تقریر کی۔ ہم دوران تقریر میں پہنچے، ہماری
 آمد پر حاضرین نے زور سے چیر زور سے اور زبردستی محمد علی سے بھی تقریر کرائی، ممبر صاحب
 ان سے ملے اور اپنے ہاں ان کو چائے پر مدعو کیا۔

اب رات زیادہ گزر چکی ہے، گو یہاں مجھے دن رات میں تو کچھ فرق نہیں
 معلوم ہوتا، جب نیند آتی ہے سمجھ لیتا ہوں کہ رات ہو گئی، آفتاب کا کئی کئی دن
 تک منہ دیکھنا نصیب نہیں ہوتا، یہاں لوگ آگ سے گرمی اور بجلی سے روشنی لے کر

آفتاب کی تلافی کرتے ہیں، سردی کے سبب سے استنجا اس قدر جلد جلد ہونے لگا ہے کہ بیماری کا شبہ ہونے لگا ہے، اس کے سبب سے نماز اور وضو میں مشکل ہوتی ہے، سردی میں زکام کا خوف تھا۔ مگر خدا کا فضل ہے۔

۱۹۲۰ء ہٹل کرزن، کرزن اسٹریٹ، ۴ مارچ ۱۹۲۰ء

مولانا عبد الباقی

مخدوم اجل دام مجددہ وسعدہ

السلام علیکم، ہم لوگ بحمد اللہ مع انجیر لندن پہنچے، گو فریج اسٹراٹک کے سبب سے فرنگی علی کسی قدر تاخیر ہوئی تاہم عین وقت پر پہنچے، اگر ایک ہفتے کی بھی اور دیر ہوتی تو آنا نا بالکل بیکار ہوتا، راہ میں اور بندہ گا ہوں میں، مصر میں، پورٹ سعید میں، جہاں کہیں کسی عرب مسلمان سے ملاقات ہوئی، ہم نے تفصیل و اختصار حسب موقع اپنے مقاصد اور اسلام کے مصالح ان کے سامنے پیش کئے۔ یقین جانئے کہ بچہ سے لے کر بوڑھے تک ہر دل جذبات سے لبریز اور ہر آنکھ اشک حسرت ریز تھی، مصروع کی مسجد اور پورٹ سعید کی جامع عباسی میں نماز مغرب کے بعد ہمارے لئے ائمہ اور شیوخ نے دعائے نصرت مانگی، شیخ جامع عباسی نے رقت آمیز دعا دی، پورٹ سعید کے تمام بازاروں میں ہمارے درود کی خبر آنا فنا پھیل گئی اور اس قدر ہجوم ہوا اور ظالمین اور مفسدین ہم پر اس قدر لعنت و ملامت اور سب و شتم علی الاعلان ہوا کہ ہم ڈرے کہ ایسا نہ ہو کہ کوئی فساد اٹھ کھڑا ہو کہ آجکل پورا ملک مصر آگ کا کرہ بنا ہوا ہے۔ اس لئے گاڑی کو بمشکل ہجوم سے باہر نکال لائے۔

اللّٰهُمَّ اعْزِلْ اِسْلَامَ وَاَهْلَهُ۔

یورپ کی سرحد پر قدم رکھنے کے ساتھ ہمارے رفقاء نے کام کرنا شروع کر دیا وہیں کے ہوٹل میں جانے کے ساتھ چچا خبار ملا، اس سے معلوم ہوا کہ لندن میں صلح طرکی کے لئے جلسے ہو رہے ہیں، گاڑی کل کی نہ مل سکی، اس لئے ٹھہرنا پڑا لیکن وہ دن بھی بیکار نہ گیا۔ ۲۱ کی شام کو دینس اترے اور کچھ کھاپی فوراً ڈاک خانہ اور تار گھر گئے اور تین بجے

شب تک وہیں محمد علی اور سید حسین صاحبان نے بیٹھ کر تفصیل اپنے مطالبات کے تار و پیر ہند، وزیر اعظم، لیبر پارٹی کے ممبروں اور بڑے بڑے اخباروں کے نام بھیجے، اٹلی کے اخبارات کے نامہ نگار ملاقات کو آئے، ان سے اپنے مطالب بیان کئے اور دوسرے دن اکثر اخبارات میں وہ شائع ہو گئے ۲۳ کو فرانس روانہ ہوئے ۲۵ کی صبح کو پیرس پہنچے، ارادہ تھا کہ اٹلی کی طرح یہاں کے اخبارات سے بھی تبادلہ خیال کریں گے، لیکن پہنچنے کے ساتھ معلوم ہوا کہ کل ہی شب کو ہوس آف کانس میں قسطنطنیہ پر مباحثہ ہونے والا ہے، اسی وقت وزیر اور لیبر پارٹی کے لیڈر کو تار دیا اور فوراً پہلی ٹرین سے لندن کو روانہ ہو گئے، اسٹرائیک کی وجہ سے تمام اسباب و سامان کا انبار راہ میں چھوڑنا پڑا۔ اور جس طرح بناتن تنہا چل دے ۲۶ کی رات کو ۹ بجے لندن پہنچے اسی وقت بھاگا بھاگا ہوس آف کانس روانہ ہوئے، معزز مہمانوں کی صف میں ہمارے لئے نشست کا انتظام کر دیا گیا تھا، وزیر اعظم کی تقریر ہو چکی تھی اور دوسرے ممبر تقریر کر رہے تھے، لیبر پارٹی کے بعض ممبر ہمارے طرفدار تھے، وزیر اس بات پر اڑے تھے کہ قسطنطنیہ ترکوں کے ہاتھ میں رہے، آخر سٹر بونر لانے ایک بسیط تقریر کی اور محترضین کا جواب دیا، بہر حال وزیر میں یا ممبروں میں جو ہمارے موافق کہلائے جاتے ہیں، وہ صرف اسی بنا پر کہ وہ اپنی مصلحتوں کے مطابق قسطنطنیہ ترکوں کے ہاتھوں میں لفظ رکھنا چاہتے ہیں، لیکن معنوی طور پر وہ بھی نہیں، یعنی ترکوں کو کوئی اختیار نہ ہوگا، تمام قلعے مسمار ہوں، جہاز ڈبو دیئے اور اتحکامات منہدم کر دیئے جائیں۔

ارمنوں اور یونانیوں نے اپنا نظام عمل اس مضبوطی اور قوت سے پھیلایا ہے کہ تمام یورپ اور امریکہ میں ان ہی کی آواز بازگشت پھیلی ہے، جہاز پر چڑھنے کے ساتھ جس یورپین یا امریکن سے ملاقات ہوئی اس نے مظالم آرمینیا کا تذکرہ کیا، مضامین دکھائے ناول لکھے گئے ہیں جس میں ترکوں کے فرضی افسانے بیان

بیان کئے گئے ہیں۔ اخبار میں روزانہ قتل عام کے تارچھپتے ہیں، ہوس آف کانٹس میں اکثر ممبروں کی تقریروں کا خلاصہ یہ تھا کہ چونکہ قسطنطنیہ میں بیٹھ کر ترک آرمینیا پر ظلم کرتے ہیں اس لئے قسطنطنیہ ان سے چھین لو، اخبارات میں اعلان شائع ہوئے ہیں کہ مظلوم ولے کس آرمینیوں کی حمایت کے لئے اپنے اپنے دائرہ کے ممبران پارلیمنٹ کو تار دو، بہر حال ان مظلوم ناظالموں کا ہر طرف جال پھیلا ہوا ہے، اس کو توڑنا صرف کام اور روپیہ سے ہو سکتا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ جس دن بلکہ جس وقت سے ہمارا وفد لندن اترتا ہے بجز کام کے آرام نصیب نہیں ہوا ہے، اخبارات کے قائم مقاموں سے ملاقات، آرمینی مضامین کے جوابات، لوگوں سے ملنا جلنا، اخبارات کو پڑھنا، مخالف مضمونوں کا جواب لکھنا، وزیر اور ممبروں سے خط و کتابت، پہلے سے جو لوگ یہاں کام کر رہے تھے ان سے مبادلہ خیالات، مجلسوں اور انجمنوں میں شرکت ہمارے مشاغل ہیں۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ گذشتہ وفد کانپور کی طرح جو سالہ ۱۹۱۳ء میں یہاں آیا تھا ہمارے ساتھ بے رخی نہیں برتی جاتی، بلکہ ہر اخبار اور ہر مجلس میں ہماری سنے اور ہم سے ملنے کے لوگ آرزو مند ہیں۔

دوسری مارچ کو وزیر ہند نے جو بالفعل عارضی طور سے مسٹر فشر قائم مقام مسٹر ماٹینگو ہیں شام کو ایوان ہند میں ملنے کی دعوت دی، ہم لوگ شام کو ۶ بجے انڈیا آفس پہنچے، آدھ گھنٹے کے انتظار کے بعد ملاقات ہوئی، ایوان ہند کے اندر سکریٹری ادپر پرائیوٹ سکریٹری موجود تھے، محمد علی اور سید حسین دونوں صاحبوں نے نہایت آزادی اور صفائی سے اپنے مطالبات اور مسلمانوں کے صحیح خیالات پیش کئے اور کہا کہ ہم کو انگریزی زبان میں کوئی ایسا لفظ نہیں ملتا جو ادب کے ساتھ تنبیہ پیش کرنے کا مفہوم ادا کر سکے جس کے اندر تہدید کا مفہوم نہ ہو۔ مسٹر محمد علی نے زیادہ تر مذہبی نقطہ نظر کو بیان کیا، سید حسن صاحب نے ہندوؤں کے شمول

اور تمام ہندوستان کے اتفاق و اتحاد عام اور اس کے اسباب کا تذکرہ کیا، اور موقع پاکر گاندھی جی کی مرتبہ یادداشت متعلقہ مطالبات خلافت کے اقتباسات سنائے۔ مسٹر فشر پھر میری طرف متوجہ ہوئے، میں نے خلافت اسلامیہ اور مقامات مقدسہ کی مذہبی حیثیت بتانے کو ان سے کہا کہ نہ میں پولیٹیکل آدمی ہوں اور نہ میں جن کا قائم مقام ہوں وہ پولیٹیکل ہیں، ہم لوگ خالص علمی و مذہبی خدمت کرنے والے ہیں، میرا اس وفد میں شریک ہو کر آنا خود اس بات کی کھلی شہادت ہے کہ ہم جس مقدمہ کو آپ کی عدالت میں پیش کر رہے ہیں وہ خالص مذہبی ہے۔“

ابھی وزیر اعظم سے ملاقات نہیں ہوئی، مسٹر فشر نے کہا وہ بہت مشغول ہیں، وہ وفد سے ملنے کی پوری کوشش کریں گے مگر شاید جلسہ صلح کے بعد محمد علی صاحب نے کہا کہ جلسہ صلح کے بعد ان کا شرف ملاقات بخشنا بیکار ہے، ہم لوگ اپنی ذاتی عزت یا بی کے لئے نہیں بلکہ عرض مطلب کے لئے ان سے ملنا چاہتے ہیں۔ تعجب ہے کہ موسیو دینی ریلا صاحب تو جب بھی چاہیں وزیر اعظم سے مل جائیں اور ہم مسلمانان ہند کے قائم مقام ایک دفعہ بھی ان کے سامنے نہ جاسکیں۔

مسٹر فشر نے آرمینیا کے مظالم کا ذکر کیا، مسٹر محمد علی نے کہا ان فرضی قصوں کو کون یاد کر سکتا ہے، اگر آپ حقیقت جاننا چاہتے ہیں تو مسلمانان ہند کا ایک کمیشن مقرر کیجئے اور ممکن ہو تو کسی انگریز جج کو اس میں شامل کیجئے، اگر واقعی ترکوں کا قصور ہے تو ہم ان سے ہاتھ دھونے کو تیار ہیں۔

مسٹر فشر نے اپنی جوابی تقریر میں کہا کہ مسلمانان ہند اطمینان رکھیں کہ ترکوں کے ساتھ صلح کرنے میں ہم ان کے جذبات مذہبی کا پورا لحاظ رکھیں گے، مگر مشکل یہ ہے کہ

ہم تنہا نہیں ہیں، تاہم حتی الامکان کوشش سے دریغ نہ کریں گے۔

انڈر سکرٹری صاحب نے جو کبھی بنگال کے گورنر رہ چکے ہیں، فرمایا کہ مقامات مقدسہ کے دائرہ میں عراق کو کیونکر داخل کرتے ہو، زیارتِ مقابر تو تمہارے ہاں جائز نہیں، بڑا مولویانہ اعتراض تھا، محمد علی صاحب نے کہا، ہاں ہاں ہاں ایک فرقتہ اہل حدیث کا ایسا ہے ورنہ تمام مسلمان اس کو جائز اور ثواب سمجھتے ہیں، خصوصاً شیعہ فرقہ زیارتِ عراق کو ضروری جانتا ہے، بہر حال یہ کوشش کسی ایک فرقہ کے خیال کے مطابق نہیں بلکہ تمام مسلمان فرقوں کی طرف سے ہے، خواہ ان میں باہم کسی قدر جزئی اختلاف ہو۔

۲۷ کو لندن میں جمعہ کی نماز میں نے پڑھائی اور مولوی صدر الدین صاحب احمدی نے میرے پیچھے نماز پڑھی، دو کنگ آنے کی بھی انہوں نے دعوت دی ہے کل برٹش کانگریس کمیٹی (آل انڈینیشنل کانگریس کی شلخ لندن) کا جلسہ ہوا ہم لوگ بھی تھے، برٹش کانگریس کمیٹی کے ممبروں نے ہمارے مطالبات اور دلائل سنے اور یہ فیصلہ کیا کہ اس مسئلہ میں وہ بھی ہمارا ساتھ دیں گے، وہیں ایک امریکن نامہ نگار سے ملاقات کی گئی، اس نے وفد کے اغراض پوچھے اور وفد کے امریکہ جانے کی نسبت سوال کیا، محمد علی صاحب نے کہا ہم امریکہ ضرور جائیں گے اور اس لئے جائیں گے کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ امریکہ ترکوں کے خلاف اس لئے ہے کہ وہ مسلمان ہیں، اس لئے نہیں کہ وہ ترک ہیں، نامہ نگار نے کہا کہ یہ غلط ہے، بلکہ اس لئے خلاف ہے کہ وہ ظلم کرتے ہیں۔ محمد علی صاحب نے جواب دیا کہ امریکہ اس سبب سے کہ اس کو ترکوں سے کوئی تعلق نہیں رہا ان کے اصلی حالات سے واقف نہیں ہے، یہ سب فرضی قصے غرض مند لوگ نہایت چالاکی سے پھیلا رہے ہیں، اس نے کہا یہ سچ ہے اور مجھ کو امید ہے کہ امریکہ کو آپ دوست پائیں گے۔ رات کو شکسپیر ہٹ میں جہاں ہندوستانی طلبہ رہتے ہیں کرنل ویگنڈ ممبر

پارلیمنٹ کی تقریر مستقبل ہند پر تھی، ہم لوگ بھی مدعو تھے، کرنل صاحب لیسر پارٹی کے لیڈر ہیں، انھوں نے ہندوستان کے ساتھ نہایت ہمدردانہ خیالات ظاہر کئے اور کہا کہ لیسر پارٹی انگلستان میں بھی عنقریب طاقتور ہو جائے گی، تو اور زیادہ مفید کام کرے گی ہندوستانیوں کو صرف پراونشل کام نہ کرنا چاہیئے، بلکہ دیہات میں بھی کام کرنا چاہیئے پنچائت کا پرانا طریقہ وہاں رائج کرنا چاہیئے۔ جلسہ میں ہمارے پیچھے پر حاضرین نے دل سے خیر مقدم کیا اور دیر تک چیر زیتے رہے، پھر مسٹر محمد علی کو تقریر پر مجبور کیا، محمد علی صاحب نے کہا ہم گونجومی پرست ملک کے ہیں لیکن ہم خود گونجومی پرست نہیں کہ ہندوستان کی آئندہ سے بحث کریں، ہم کو ہندوستان کے ”حال“ سے فرصت نہیں جو اس کے ”مستقبل“ کی فکر کریں، ہم مسلمان ہیں، جغرافیہ ملکی اور صوبوں کی تقسیم کا اتحاد ہمارا نصب العین نہیں، ہم سارے عالم کو اپنا ملک سمجھتے ہیں، ہم قوم پرست نہیں، خدا پرست ہیں، اس لئے اس کے حکم کے مطابق اسی کی رضا مندی کے لئے قوم اور وطن کی خدمت بھی اپنا فرض سمجھتے ہیں، ہمارا ملک روحانی ہے، اور ہم اسی طاقت سے ترقی کر سکتے ہیں، کرنل صاحب نے آخر میں اٹھ کر محمد علی صاحب کی تعریف کی اور کہا کہ اسیران ہند کی آزادی کے متعلق کہا جاتا تھا کہ سب کو چھوڑا جاسکتا ہے، لیکن محمد علی کیونکر چھوڑے جاسکتے ہیں کیونکہ وہ بدترین ہیں، لیکن اے اہل ہند! جب بدترین ایسا معتدل ہے تو بہترین کا کیا حال ہوگا؟ یہاں کے مصارف بہت بڑھ رہے ہیں، موٹر کا کرایہ یکم سے ۵ فیصدی بڑھ گیا ہے۔

۱۲ لندن، کرنل ہوٹل، ۴ مارچ ۱۹۲۰ء

۱۳ ولایتی مسافر کا سلام لیجئے!

۴، ۵

اٹلی، سویٹزرلینڈ اور فرانس ہو کر انگلینڈ ایک ہفتہ گزرا کہ ہمارا وفد پہنچ گیا، ارادہ تھا کہ پیرس میں کچھ دن قیام ہوگا، مگر پیرس پہنچ کر اخبارات سے معلوم ہوا کہ کل ہی شب کو ہوس آف کانس میں مسئلہ بڑکی پر بحث ہونے والی ہے، اس لئے

دوسرے ہی دن جس طرح بنا بھاگ کر انگلینڈ پہنچے، اسٹیشن سے سیدھے ہوس میں پہنچے
پیرس سے تار دے دیا گیا تھا اور ہمارے لئے ممتاز مہمانوں کی گیلری میں نشست کا
انتظام کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ ہم لوگ اس وقت پہنچے جب آدھا مناظرہ ختم ہو چکا تھا،
تمام ممبروں کی تقریریں تعصب سے لبریز تھیں۔ ہم مسلمانوں کو تو تعصب پر طعنہ دیا
جاتا ہے، مگر یہ کیا چیز ہے جو تمام یورپ میں نظر آرہی ہے۔

روزانہ مشہور اخباروں کے نامہ نگار ملاقات کو آتے ہیں اور ہمارے مکالمہ
و پیغام کو شائع کر رہے ہیں، پرسوں شب کو پروفیسر ارلنڈ طنے آئے میں، خاص طور
سے ملا اور دارالمصنفین اور سیرت کا تذکرہ کیا اور کچی لی، انڈیا آفس اور برٹش
میوزیم کے کتب خانوں کے دکھانے کا وعدہ کیا، کل شب کو مسٹر فشر نے بحیثیت قائم مقام
وزیر ہند (مانٹیگو صاحب) کل نہیں ہیں، وفد کو باریاب کیا، مسٹر محمد علی اور سیدین صاحب
نے اپنے مطالبات نہایت دلیری اور صفائی سے پیش کئے۔ پھر میری طرف دیکھا میں
نے مسئلہ خلافت اور مقامات مقدسہ کی مذہبی حیثیت ظاہر کرنے کی خاطر ان سے کہا کہ
میں کوئی پولیٹیکل آدمی نہیں، مذہبی اور علمی آدمی ہوں، اور علما کی جماعت کا قائم مقام
ہوں، میرا اس وفد میں شریک ہونا خود اس بات کی دلیل ہے کہ ہم جن مطالبات کو
پیش کرتے ہیں وہ سراسر مذہبی ہیں، ”فشر صاحب بڑے غور سے ایک ایک لفظ کو
سن رہے تھے اور پھر نہایت متانت اور خندہ جبینی کے ساتھ جواب دیا کہ ہم حتی الامکان
مسلمانان ہند کے جذبات کا ضرور خیال کریں گے۔“

آج مورنگ پوسٹ میں ایک اطالین پروفیسر مشرقیات (رومن یونیورسٹی)
کے حوالہ سے ”سلطان بحیثیت خلیفہ“ ایک مضمون شائع ہوا ہے، میں نے آج ہی اس
کا جواب لکھا ہے، دیکھیے کون سا اخبار چھاپے، کم بخت کہتا ہے کہ بغداد کی تباہی کے
بعد سے خلافت دنیا سے اسلام میں رہی نہیں، ”نیچر آف خلافت“ ان کا ایک رسالہ ہے

جو اطالین وزارت خارجہ کی طرف سے شائع ہوا ہے،

یہاں کے مستشرقین میں پروفیسر براؤن ہمارے ساتھ ہیں اور مارگولپو تھ مخالف، براؤن صاحب کو ۴ صفحہ کا عربی میں مسائل حاضرہ پر ایک خط لکھا ہے اور ان سے تائید چاہی ہے، اپنی کتابیں بھی بھیجی ہیں جواب آئے تو مطلع کروں گا، دیگر مستشرقین سے بھی اس مسئلہ میں خط و کتابت کا ارادہ ہے۔ آج برٹش کانگریس کمیٹی کی طرف سے ہمارے نوٹ لئے جائیں گے، شام کو مصر لوں کی طرف سے دعوت ہے ہسٹر امیر علی بھی اس مسئلہ میں اچھی خدمت انجام دے رہے ہیں، بعض مسلمان انگریزان کا ساتھ دے رہے ہیں، چارپانچ روز ہوئے انھوں نے وفد کو چائے کی دعوت دی تھی۔ اپنی کارگزاریاں بیان کیں۔

ارمنوں نے اپنا پروگنڈہ اس طرح پھیلا دیا ہے کہ وہ تمام دنیا سے مغرب پر چھا گیا ہے۔ سردی بے حد ہے، معارف کا خدا حافظ۔

۱۲ لندن ۱۱ مارچ ۱۹۲۰ء

ع

عم محترم! سلام نیاز

آپ کے دو خط مورخہ ۷ و ۱۱ فروری ایک ساتھ ۸ مارچ کو ملے، پڑھ کر خوشی ہوئی، عدن والا خط آپ کو پہنچ گیا ہوگا، وینس سے جو خط لکھا تھا اس کے متعلق مجھے شبہ ہے کہ شاید نہ پہنچا ہو، اس میں سمندر اور جہاز کی کیفیت تصویر میں ادا کی گئی تھی، یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ سمندر کی حدود سے نکل کر آب خشکی کی مملکت میں داخل ہو رہا ہوں۔

میرا لباس کسی قدر تغیر کے بعد وہی ہے، سر پر ترکی ٹوپی، بدن پر دوہری اوننی بنیائن کے اوپر قمیص، سخت سفید کف اور کالر کے ساتھ، اس کے اوپر سیاہ شیردانی نصف پنڈلی تک لٹکی ہوئی، پاؤں میں اوننی پاجامہ کے اوپر سیاہ

پتلون، سیاہ شویا لوٹ، آپ نے لباس پوچھا تھا اس لئے تفصیل کی۔
یہاں کے اخباروں میں ہماری متعدد تصویریں شائع ہوئی ہیں، کوئی ایک بھیج
دوں گا، کل سٹرائیکو تھ سے ملنے گئے تو جاتے اور نکلتے فوٹو گرافر پہلے سے تاک میں کھڑے ملے۔
میری صحت کی نسبت آپ نے استفسار فرمایا ہے، شکریہ! لکھنؤ سے سخت سردی
میں نکلا، بمبئی پہنچ کر جاڑے کے کپڑے بھاری ہو گئے، باریک ململ کا کرتہ نکال کر پہنا،
جو احتیاط اس لئے رکھ لیا تھا کہ واپسی میں گرمی ہوگی تو ہندوستان کی ریل میں پہنوں
گا۔ جہاز پر بیٹھ کر کراچی پہنچا، وہاں سے کچھ دوڑ تک سخت سردی رہی۔ بحر عرب میں
گرمی شروع ہوئی، بحر احمر میں خلاف معمول سردی رہی، آگے نہر سویز و بحر متوسط میں
سردی بڑھتی ہی گئی اور یہاں تو سردی اوج شباب پر ہے، شب و روز کوئلہ کی
گرمی اور بجلی کی روشنی آفتاب کا کام دیتی ہے، تمام شہر، تمام مکانات، انجنوں اور
چمینیوں سے بھرے ہوئے ہیں، ہر کمرے میں آتش دان مع چمینی کے ہے اسی سبب سے
بیسوں تدا بیر اور احتیاط کے باوجود ہاتھ منہ جب دھویئے پانی سیاہ کرے گا۔ ایک
کالر اور کف دو سکرن کام نہیں دیتا، لیکن باپ ہمہ عوائلق و موانع بخیریت ہوں،
کبھی کبھی زکام سے چارہ نہیں۔

یہاں دولت کی فراوانی اور اخلاق کی آزادی حد تعین سے باہر ہے، ہر
عورت نیم برہنہ نظر آئے گی، اس سردی کے عالم میں ڈنر کی میز پر باریک ریشمی یا
جالی دار کپڑا پشت و سینہ پر ڈال کر سینہ تا حد مقیاس شباب اور پیٹھ نصف یا تمام تر
برہنہ، نیم آستین یا ہاتھ بالکل برہنہ اور کبھی اس لباس میں آنا کہ پشت پر ایک
تار نہیں، کہاں تک حفظان صحت اور اصول اخلاق کے لحاظ سے جائز ہے، ایک
دل نشین خاتون اسی لباس میں جہاز پر محفل رقص میں شریک تھیں، ان کو سردی
لگی تو تین چار روز تک رونق بزم نہ ہو سکیں، پاؤں میں نصف ساق تک پاتا بہ

اس قدر تپلا اب پہنا جاتا ہے کہ رنگت باہر چھن کر نمایاں ہو، خاص خاص ہوٹل ہیں جہاں تمام کام خواتین سے متعلق ہیں، وہاں سر دس کرتے ہوئے عہد و پیمان کا استحکام ہوتا ہے راستوں میں خصوصاً شب کو کسی نیک سرشت کا متانت کے ساتھ چلنا مشکل ہے اور غالباً آپ مجھے نیک سرشت، متین تصور کرتے ہوں گے، نتیجہ اب آپ نکال لیجئے، استغفر اللہ۔

یہاں پارلیمنٹ میں سوال ہوا ہے کہ یہ محمد علی وہی ہیں جن کو نواب رامپور نے نظر بند کیا تھا، اور جو ترکی اتحاد و ترقی سے علاقہ رکھتے تھے، وزیر ہند نے جواب دیا کہ ”ہاں یہ وہی ہیں، نواب رامپور نے نہیں بلکہ حکومت ہند نے نظر بند کیا تھا لیکن وفد خلافت کی صدارت کے لئے ان کے انتخاب کا تعلق اس محکمہ سے نہیں بلکہ مسلمانان ہند ہے۔“ شراب نوشی اور خنزیر خوری کا یہ عالم ہے کہ صد ہا تاکید و احتیاط کے باوجود میں نہیں سمجھتا کہ غفلت اور انجان پن میں کوئی کیوں کر محفوظ رہ سکتا ہے۔ ایک دفعہ ایک ہوٹل میں گئے۔ کہہ دیا گیا کہ خنزیر نہ ہو۔ باوجود اس کے جب وہ پلیٹ لائے تو اس میں سرخ ٹکڑے آپ کی طبی گولیوں کے برابر معلوم ہوئے۔ شبہ ہوا، دریافت کیا، جواب ملا کہ سالن تو اس شے حرام کا نہیں مگر خوشبو اور مزے کے لئے اس کی کچھ ہوائیاں ڈالی گئی ہیں، جس طرح ہم عرقِ گلاب و کیوڑہ ڈالتے ہیں۔ یہاں آتش سیال کے قطرے ڈالے جاتے ہیں، اس لئے ہر کھانے کو تقریباً آنکھ کی خوردبین سے پہلے دیکھ لینا پڑتا ہے، اور ویٹر (خالساں) سے بکمال تو صیغ اس کی حقیقت پوچھ لی جاتی ہے۔

اصل کام کے متعلق ابھی تک صرف اس قدر ہوا ہے کہ بعض بعض اخباروں میں اب موافق لہجے میں کچھ نوٹ نکلے ہیں۔ کل مسٹر ایس کو تھ نے ہمارے وفد سے ملاقات کی اور ڈیرہ کھنڈے تک سوال و جواب رہا، نتیجہ کچھ برائہ رہا، عام اخبارات کا لہجہ ترکوں کے خلاف سخت ہے۔ صبح و شام کے اخبارات پڑھتے ہوئے ڈرتا ہوں کہ جذبات کی رگ میں کوئی نیا شتر نہ چبھ جائے، اور مسٹر لائڈ جارج نے وفد کو باریابی کا

موقع دیا ہے۔ یہاں کی حالت پر جہاں تک غور کیا معلوم ہوا کہ ہر شے یہاں تجارت ہے، پالیٹکس بھی تجارت ہے، اخبارات اور مضمون نگاروں پر جو زری پاشی کرے گا وہ عوام کو بھی اپنی مٹھی میں لے لیگا، یونانیوں اور ارمینیوں نے بے حد روپیہ چھینٹا ہے۔ مستشرقین سے خط و کتابت کر رہا ہوں، پروفیسر براؤن اور مارگولیو تھو دونوں کے خط آئے ہیں۔ اول الذکر شریف اور آخر الذکر ”پولیٹیکل“ اور نرکوں کا کیا بلکہ مسلمانوں ہی کا سخت دشمن ہے۔

۱۲ لندن، ۱۷ مارچ ۱۹۲۰ء، ۲ بجے رات

برادر عزیز، سلام محبت،

۴۲

ہر ہفتہ کی جمعرات کو یہاں سے ہندوستان کی ڈاک روانہ ہوتی ہے اور تقریباً منگل کو ہر ہفتہ یہاں ہندوستان کی ڈاک بٹتی ہے۔ میں تو ہر ہفتہ جمعرات کو ۶ بجے شام تک خطوط لکھ کر ڈاک میں ڈال دیتا ہوں، ۶ بجے کے بعد کے خط کے لئے چھ گونہ ٹکٹ لگانا پڑتا ہے، گزشتہ ہفتہ میں آپ کا پہلا خط ملا تھا، لیکن اس ہفتے انتظار شدید کی تکلیف اٹھائی، مگر آپ کا کوئی خط نہ ملا، آپ بلا توقف ہر ہفتہ خط لکھ کر ڈال دیا کریں، تاکہ مسلسل ہفتہ وار خط مل سکے۔

شاید پچھلی ڈاک میں سٹریلکو تھ کی ملاقات کا حال لکھ چکا ہوں، مگر میں نے خود اپنا فقرہ جو ان سے کہا، آپ کو نہیں لکھا، چلتے ہوئے جب انھوں نے رخصت کے لئے ہاتھ ملائے، میں نے کہا ”عیسائیت تو اپنی حمایت کے لئے بیسیوں حامی دین سلاطین رکھتی ہے، کیا اسلام کو ایک حامی دین سلطان کی بھی اجازت نہ ملے گی۔“ میرے یاس انگریز فقرہ کا جواب ظالم نے صرف ایک تبسم سے دیا۔

اس ہفتہ میں پارلیمنٹ کے بعض ممبروں سے ملاقاتیں ہوئیں، کل شام کو لارڈ اسلنگٹن (سابق انڈر سکرٹری گورنمنٹ آف انڈیا) ملے، بیچارے نہایت

شریف اور نیک دل معلوم ہوئے، یہاں کی انگریز اور مسلمان انجمنیں جس قدر ہماری ہیں وہ سب مل کر ایک جلسہ کرنے والی ہیں، اس جلسہ کی صدارت کی ان سے خواہش ظاہر کی، جواب میں کہا کہ ”مجھے بذات خود آپ کے دعوؤں سے تمام تر ہمدردی ہے لیکن میں سرکاری حیثیت رکھتا ہوں، اس لئے صدارت نہیں کر سکتا،“ اصرار پر وعدہ کیا کہ پھر غور کر کے جواب دوں گا

آج ۶ بجے شام کو ہوس آف کانس میں لیبر ممبروں نے ملنے کا موقع دیا تھا، وہیں سے واپس آکر یہ خط لکھ رہا ہوں، گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تک ملاقات رہی تمام مباحث اور مطالبات ان کو سمجھائے، کل شام کو بھی ۶ بجے برٹش کانگریس کمیٹی کا جلسہ ہاؤس آف کانس میں تھا، ہم لوگ بھی گئے تھے، کمانڈر کنوار تھی ممبر پارلیمنٹ سے ملاقات ہوئی، اور اپنے مطالبات اس کے سامنے پیش کئے، جواب میں فرمایا کہ ”فلاں صوبہ فرانس کو دیا گیا، فلاں اٹلی کو ملا ہے، فلاں امیر فیصل کے ہاتھ میں دیا گیا ہے“ مسٹر محمد علی نے نہایت متانت سے کہا کہ ”پھر ہندوستان کس کے پاس جائے گا؟ اس پر تمام ہندوستانی حاضرین کا بستم اور ممبر صاحب کی خاموش شرمندگی قابل دید تھی۔

پروفیسر براؤن نہایت شریف آدمی ہیں۔ روز بروز ان کی شرافت کا سکہ ہم پر بٹھتا جاتا ہے، برٹش میوزیم کے کتب خانے کے لئے اپنے ایک شاگرد اڈورس کو جو اس کے مہتمم ہیں میرے لئے نامہ تعارف لکھا ہے۔ یہاں کی مشرقی کتابوں کے دکاندار سے میرا تعارف کرایا ہے۔ اپنی تصنیفات کی فہرست بھیجی ہے کہ جو پسند ہوں وہ آپ کی آمد لندن کی یادگار کے طور پر پیش کروں، ملاقات کے لئے باصرار بلایا ہے مسلمانوں کی قسمت پر متاسف ہیں، اور اپنے ملک کے ارباب سیاست سے سخت آزرده ہیں۔

مسلل جنگ نے تمام یورپ کو تھکا دیا ہے، بحر مدبرین مالک مزید خونریزی کا کوئی یہاں خواہاں نہیں، اشخاص سے گزر کر انجمنوں تک نوبت پہنچی ہے اور اس غرض

کے لئے کہ دنیا امن و آرام حاصل کرے متعدد انجمنیں قائم ہو چکی ہیں عوام کا طبقہ صرف روٹی چاہتا ہے، حکومت اور ملک اور تاج و تخت نہیں، عوام میں تو یہاں تک حالت پہنچ گئی ہے کہ لفظ ”شہنشاہی“ (امپریلزم) عوام اور سیر پارٹی کے نزدیک گالی سے کم نہیں۔ کام کرنے والے غریب مزدوروں کی قوت روز بروز زیادہ متحدہ صورت و طاقت میں نمایاں ہوتی جاتی ہے، اس پیراگراف کے شروع کرنے سے پہلے خط چھوڑ کر ہم ایک مجلس بنام ”انگلش پرشین سوسائٹی“ میں شریک ہونے کے لئے گئے۔ وہاں ایک نوجوان عورت اور انگریز مرد نے نہایت زوردار غصہ سے تقریر کی کہ اصل تباہی دولت طلب سرمایہ داروں کے سبب سے ہے اس لئے ان کو تباہ کرنا چاہیے۔ ایسے لوگوں کی تعداد بھی کم نہیں جو عام عالمگیر امن و آرام و محبت و آزادی کے طلبگار ہیں۔ یہاں تک لکھ چکا تھا کہ قسطنطنیہ کے اتحادی قبضے کی المناک خبر پڑھی، ناچتے ہوئے مور کی نظر اپنے پاؤں پر پڑ گئی۔ ایک اخبار پال مال گزٹ نے ہمارے جلانے کو اس خبر کی سُرخ می میں یہ الفاظ لکھے ہیں کہ ”قبضہ قسطنطنیہ میں ہندوستانی سپاہی جس میں مسلمان شامل ہیں“ آہ آہ! یہ ہے کہ ہماری اصلی کمزوری ہماری لپٹ ہمتی ہے کہ ہم سے کیا ہو سکتا ہے، لیکن یہاں کے کمزوروں کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ وہ اپنی کوشش و تدبیر کو بلند سے بلند پرداز میں بھی بے پرواہ نہیں جانتے، آئرلینڈ کی مسلسل کوشش، متواتر جدوجہد و سعی و ہمت، اور بے باک قصد و ارادہ کیا، جرأت و استعجاب کے لائق نہیں، خود ایشیا میں کم زور اور محکوم آرمینیا کی محدود تعداد جو چند لاکھ سے زیادہ نہیں جس استقلال، صبر و زور اور کمزوریلہ سے مسلمان حکمرانوں سے گلو خلاصی کے لئے کوشاں ہے اور اپنا گلا آپ کاٹ کر حکومت کو بدنام کرنے اور یورپ کو غصہ میں لانے کے لئے جو خوفناک کھیل ڈھیل رہی ہے، کیا ۳ کروڑ اہل ہند کو وہ کوئی سبق نہیں سکھا سکتی ہے۔

ٹرکی کے متعلق معاملات اس اخفاء اور زیر پردہ صورت میں انجام پا رہے

ہیں کہ یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید انگلینڈ کا قیام بے سود ہو، وزیر اعظم کی ملاقات کے بعد ہم بہت جلد فرانس روانہ ہونا چاہتے ہیں، مجلس صلح بھی وہیں قرار پائی، اور سنتے ہیں کہ وہاں کی سیاسی آب و ہوا کچھ زیادہ ہمارے موافق ہے۔

سنا ہے کہ ارمن بشپ کو لے کر یہاں کے لارڈ بشپ بادشاہ کے یہاں گئے ہیں۔ چند روز ہوئے کہ ارمنوں نے یہاں ایک مجلس منعقد کی تھی جس میں زیادہ تر بڑے لوگوں میں مذہبی عہدہ دار شریک ہوئے، سخت و تیز تقریریں ہوئیں۔ ہم لوگوں نے وہاں جانا مناسب نہ سمجھا۔ اکثر روزانہ اخبار میں جاذبِ نظر اور ہنگامہ آرا عنوانوں کے تحت میں موٹے ٹائپ میں ارمنوں کے مضامین اور اجرتی مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں اور ہم خون کے گھونٹ پی کر ان کو پڑھتے ہیں۔

۱۵ لندن، ۲۴ مارچ ۱۹۲۰ء

عم محترم دام مجددہ
ع
السلام علیکم، جب سے لندن آئے ہیں، ایک مہینہ میں تین مکان بدل چکے ہیں اب یکم اپریل کو چوتھے مکان جائیں گے، نہ صرف انگلینڈ بلکہ یورپ میں گرائی کا یہ عالم ہے کہ گنی کی قیمت گویا ہمارے روپیہ کے اور شلنگ کی ہمارے آنے کے برابر ہے بخشش یا مفت کا انعام جس کے لئے ہم ایشیائی بدنام ہیں، وہ یہاں ٹپ کے نام سے مشہور ہے۔ اور وہ اس کثرت سے ہے کہ آدمی گھبرا اٹھتا ہے، آپ ہوٹل میں کھانا کھانے کے لئے گئے، باہر کمرہ میں کوٹ اتار کر نوکر کو دیا، اندر میز پر کھانا کھایا، کھانے کے بعد جس نوکر نے آپ کو میز پر سر و کیا اس کو دیجئے، باہر آکر جس نے کوٹ اتارا اس کو دیجئے۔ دروازہ سے نکل کر دربان جس نے دروازہ کھول کر آپ کے لئے موٹر منگوا یا اس کو دیجئے۔ پولیس اور ریلوے ملازم تک اسی کے منتظر رہتے ہیں، اور اس خوشی سے قبول کرتے ہیں کہ گویا وہ اپنا حق پارہے ہیں۔

معاملہ کی بات یہ ہے کہ ۱۹ کو شام کے وقت مسٹر لائڈ جارج نے یوان وزارت میں وفد سے ملاقات کی، عربی اور فارسی کے یورپین عالم بھی بلا کر بٹھائے گئے، ڈیڑھ گھنٹے تک ملاقات رہی۔ محمد علی وسید حسین صاحبان نے نہایت خوبی سے اپنے مطالبات پیش کئے، لائڈ جارج صاحب نے جوابی تقریر فرمائی جس کو سوال سے کوئی تعلق نہ تھا، ہمارے دلائل پر ایک حرف کچھ نہ بولے، فرمایا تو فرمایا کہ ”سلف ڈیٹر مینشن“ کا اصول عیسائی اور مسلمان سب حکومتوں کے لئے برابر ہے۔ تھریس میں یونانی زیادہ ہیں اس لئے وہ اس کے مستحق ہیں، اور سمرنایس کو مسلمان زیادہ ہیں لیکن وہ یونانی النسل ہیں، اس لئے اس کا بھی یونان ہی مستحق ہے۔ یونانی مسلمان کی یہی مخلوق شاید ”ہندو مسلمان“ کی صورت آپ کے ملک میں بھی موجود ہے۔

گذشتہ اتوار کو ہم دو کنگ گئے، اطراف سے اور ہندی وتر کی وانگریز مسلمان جمع ہو گئے تھے، خاصا مجمع تھا، ظہر کا کھانا (بلخ) ہوا۔ اس کے بعد میں نے نماز پڑھائی۔ محمد علی وسید حسین اور پروفیسر مصطفیٰ لیون ایک انگریز مسلمان نے تقریر کی، گمان ہے کہ یہ مصطفیٰ لیون وہی صاحب ہیں جو پہلے لیور پول کے مشہور شیخ عبداللہ کو تبلیغ تھے، دو کنگ مشن کی نسبت اتنا ہی کہنا مناسب ہے کہ اس کفرستان میں وہ اسلام کا نام لیوا تو ہے لیکن کام اس جوش سے اب نہیں ہوتا جس جوش سے اس کا آغاز کیا گیا تھا دو کنگ میں محمد علی صاحب کی تقریر کا خلاصہ نامہ نگاروں نے اخبارات میں اس قدر نامہ بھیجا کہ اکثر اخباروں نے اس سرخی سے اس خلاصہ کو شائع کیا کہ ”محمد علی کی تہدید انگلینڈ کو“ دوسرے دن انھوں نے اس کی تصحیح کے لئے اپنا خط چھپوایا۔

۲۲ کی شب کو ایکس ہال میں یہاں کی تمام اسلامی و عثمانی مجلسوں کا ایک متفقہ جلسہ ہوا، انگریز اور ہندوستانی دونوں جمع تھے، اچھی تقریریں ہوئیں۔ گو میں اب کچھ انگریزی میں بول سکتا ہوں مگر اسے یہ ہوئی کہ میں اردو ہی میں بولوں۔ ساتھ ہی ساتھ اس کا ترجمہ انگریزی میں کر دیا جائے، یہ زیادہ موثر ہو گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

منہر سرجنی نائیڈو سے جن کی نسبت معلوم ہے کہ ایڈیٹر معارف نے کیا لکھا تھا۔
یہاں اب ہر تیسرے چوتھے دن ملاقات ہوتی ہے، مسلم اوٹ لک کا ایک پرچہ بھیجتا ہوں
جس میں ایک میرا مضمون ہے۔ وفد خلافت کے خراج سے یہ پرچہ یہاں نکل رہا ہے۔ وفد
کی پوری روداد اور مضامین اس میں چھپتے ہیں، پچھلے ہفتہ درد شکم کا مشہور و معروف
دورہ پڑ گیا تھا، اس لئے کسی کو خط نہ لکھ سکا۔ والسلام

۱۶ لندن، ۲۴ مارچ ۱۹۲۰ء، ایک بجے رات

برادر عزیز، السلام علیکم

۴

کل جمرات ڈاک کا دن ہے، خیال تھا کہ کل ہی مفصل خط آپ کو لکھوں گا لیکن
شام کو ڈاک آرٹلڈ آگئے اور ان سے کل ۱۰ بجے انڈیا آفس لائبریری دیکھنے کا وعدہ ہوا،
اس لئے کل مجھے فرصت نہ ہوگی، اس وقت ابھی نیشنل لیبرل کلب سے واپس آ رہا ہوں،
آپ کے ہم وطن احسان الرحمن قدوائی بیرسٹر ہو کر واپس جا رہے ہیں، اس کلب میں
اُن کے احباب نے ان کو الوداع کہا۔ (لندن میں یہی ایک معزز کلب ہے جو ہندوستانیوں
کو قبول کرتا ہے) اس وقت گھڑی میں ۱۲ بج چکے ہیں لیکن ابھی تک بستر کا منہ دکھینا
نصیب نہ ہوا، اور یہ کوئی آج کا نیا واقعہ نہیں۔ جب سے ہندوستان کیا اعظم گڈھ چھوڑا
ہے رات کے دو بجے سے پیش تر سونا نصیب نہیں ہوا۔ آپ تصور کر سکتے ہیں کہ وہ شخص
جو اعظم گڈھ میں شبلی منزل، ایک مقام میں میز کے سامنے یا آرام کرسی پر دن بھر پڑا رہتا تھا
اور اس کو باہر جانا اس لئے بار تھا کہ کپڑے پہننے پڑیں گے، اب اس کو مجبوراً اس طرح
پابند ہونا پڑا ہے کہ نماز صبح کے بعد جو سوٹ بوٹ سے آراستہ ہو کر بیٹھتا ہے تو اسی طرح
اکڑا اکڑا رات کو ۲ بجے جا کر اعظم گڈھ والے کپڑے پہنتا ہے۔

تمام چیزوں میں سب سے زیادہ تکلیف دہ میرے لئے کالر ہے۔ یہاں ابجن اور آتشدان کے سبب سے اس قدر دھواں پھیلتا ہے کہ ذرا کسی چیز کو ہاتھ لگائیے تو ہاتھ کالے ہو جاتے ہیں۔ شاید اسی لئے سیاہ لباس انگلستان کا کیا بلکہ سارے یورپ کا مخصوص لباس قرار پا گیا ہے۔

وزیر اعظم صاحب سے ۱۹ مارچ کو ملاقات ہوئی، تمام داستان سن کر فرمایا کہ ہم سلف ڈپٹر مینشن کے سوا کوئی اصول نہیں جانتے ہیں، ان کی تقریر کے بعد جب محمد علی صاحب نے جواب دینا چاہا تو فرمایا کہ ہم از سر نو مباحثہ کرنا نہیں چاہتے، اور نہ رات تک یہاں بیٹھنے کا خیال ہے، یہ کہہ کر اٹھنے کا سامان کرنے لگے، ناچار ہم لوگ اٹھے تاہم یہ کہہ دیا گیا کہ اس اصول کے مطابق بھی ٹرکی کے کسی صوبہ میں بھی حتیٰ کہ آرمینیا میں بھی عیسائی قوم کی کثرت نہیں، میرے ہاتھ میں کچھ کاغذات تھے، فرمایا کہ کیا آپ اس کو پیش کرنا چاہتے ہیں، میں نے کہا جی نہیں۔ یہ مسئلہ خلافت کے متعلق قرآن و حدیث و فقہ کے احکام اور علماء کے فتاویٰ ہیں۔

۲۱ کو دوکنگ کا سفر کیا، میں نے طہر کی نماز پڑھائی، محمد علی صاحب اور حسین صاحب کی تقریریں ہوئیں۔ ہندوستانی مسلمان اور انگریز نو مسلم بھی تھے، محمد علی صاحب کی تقریر پر جوش تھی، نامہ نگار جو نوٹ لے رہے تھے ان میں ایک انڈیا آفس کے خبریں بھی تھے، دوسرے دن اس تقریر کا نہایت خطرناک خلاصہ بعنوان ”محمد علی کی دھمکی انگلینڈ کو“ شائع ہوا۔ مخالف اخبار نے خوب نمک مرتج لگا کر اس پر طبع آزمائیاں کیں۔ اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ محمد علی صاحب ایک تو صبح کن خط اخبارات میں لکھ دیں چنانچہ اس پر عمل کیا گیا۔

رات کو یہاں کی مسلمان و انگریز ہمدرد ترک مجالس کی طرف سے کامیاب جلسہ ہوا، محمد علی، سید حسین، قادر بھائی پیر سٹر بمبئی، ڈاکٹر عبد المجید پیر سٹر (مونگیر)

مسز سروجنی نابینڈو، مسٹر مارنمین اور چند انگریز مقرر وول نے تقریریں اور اس فقیر
حقیر نے بھی کچھ لب کشائی کی۔

مشین کے متعلق میں دریافت کر کے لکھوں گا۔ فارم دستخط کر کے بھیجتا ہوں،
اس روپیہ میں میرا بھی حصہ ہوگا، ازراہ عنایت میرے حساب میں دو سو روپیہ
بھائی صاحب کے نام بغرض تعمیر مکان بھیج دیجئے اور دو سو روپے اپنے دفتر سے خرید
کتاب کے لئے جلد تر روانہ کیجئے۔ کیونکہ انگلینڈ میں قیام اب کم رہے گا، بعض کتابیں
یہاں دستی بل رہی ہیں، میرے اس احسان کو تو یاد کیجئے کہ پچھلے ہفتہ میں بیمار تھا،
وہی درد شکم کی پُرانی شکایت ہو گئی تھی، کسی کو خط نہ لکھ سکا مگر آپ کے دربار سے
غیر حاضر نہ ہوا۔

۲۵ مارچ ۱۹۲۰ء

مکرم اسلام محبت

میں نے راہ سے ایک خط آپ کے نام لکھا تھا۔ خیال ہے کہ آپ کا جواب آئے تو
دوسری دفعہ ہمت کروں لیکن آج ۲۵ مارچ تک آپ کا کوئی خط نہیں ملا۔

یہاں پہنچ کر یہاں کے مستشرقین سے خط و کتابت عربی میں شروع کی۔ پروفیسر
براؤن اور مارگو لیونٹھ نے جواب دیا، ڈاکٹر آرنلڈ اور پروفیسر سٹوری سے ملاقات
ہوئی۔ بیوان کی بہت تعریف سنتا ہوں۔ معین الدین صاحب نصاری (فرنگی ملی) سے ملاقات
ہوئی۔ انڈیا آفس لائبریری کی بھی زیارت ہوئی۔ ۳ مارچ کو رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے
افتتاحِ عمارت کا جلسہ ہے، اس حقیر کو بھی مدعو کیا گیا ہے۔

آپ کہا کرتے ہیں کہ اہل علم کو سیاست سے کیا تعلق؟ کبھی کبھی آپ کا پراثر وعظ
سن کر میں بھی آپ کا معتقد ہو جانا چاہتا تھا۔ لیکن یہاں آکر یہ معلوم ہوا کہ علم بھی
سیاست کے لئے سیکھا جاتا ہے، مارگو لیونٹھ صاحب تو کھلم کھلا مسئلہ خلافت میں

مناظرہ کرنے کے لئے میدان میں اتر آئے ہیں۔ ”ادب زور“ میں ان کی اور سید حسین صاحب کی کشتی ہوئی۔ ایک ایطالین مستشرق کو ”مسلم اوٹ لک“ میں میں نے پچھاڑا۔ ایک اور مضمون تیار ہو گیا ہے جس میں تمام مستشرقین کو ہندو آزمائی کی دعوت دی گئی ہے۔ وفدِ خلافت جب وزیر ہند کی ملاقات کو گیا تو اس کو کچھ دیر وہاں بیٹھ کر انتظار کرنا پڑا جہاں وزارتِ ہند نشست کرتی ہے۔ یعنی انڈیا کونسل ہال، اس چھوٹے سے کمرہ کو دیکھ کر خیال آیا کہ یہ وہ ایوانِ عالی ہے جہاں بیٹھ کر ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ ہوتا ہے، معارف کے کام کی یہ بات ہے کہ ایوانِ وزارت کی میز پر پتیل کے چند موٹے پتھر مع ایک چھوٹے سے دستہ کے نظر آئے، وہ کاغذ ہانے کے پیپر پیٹ تھے، تعداد میں آٹھ تھے ان پر فارسی اور اردو اشعار کندہ نظر آئے۔ فارسی کے اشعار عموداً سعدی کے ہیں، ان تمام اشعار میں بادشاہ کو عدل و انصاف کی تعلیم ہے۔ کاش اگر وزراءِ ہند ان اشعار کے مطالب کو سمجھ سکتے تو اپنے فیصلوں میں اس قدر تنگ دلی اور سختی روا نہ لکھتے میں تصور کرتا ہوں کہ ہر نئے فیصلے کے وقت پتیل کی یہ بے زبان مورتیں اپنا فرضِ عظمت ادا کرتی ہوں گی۔ پرنس غلام حسین آف میسور نے ۱۹۵۷ء میں عذر سے تین برس پہلے ان کو پیش کیا ہے۔ خیال کرتا ہوں کہ یہ شاید سلطان میسور کے دربار کی یادگار ہوں۔

صدر ایوانِ وزارت کے سامنے جو دلوں میں ہیں ان پر یہ اشعار ہیں :-

ہر کہ اور عدل عادت می شود	۱۱
ہر کہ بر خلق بخشائش بود	
از سخاوت آبرو افزوں شود	
بارعبت چوں کند حاکم ستم	
بے گماں عمرش زیادت می شود	
آبروئے او در افزائش شود	
از بخیلی بے خرد را مردن شود	
مراد را باشد بتاد ر ملک کم	

(۲) بد و نیک ہر چند ہے بے ثبات ولیکن جہاں میں ہے بہتر یہ بات

کہ نام نکوئی رہے یادگار ہمیشہ نکو نام ہے برقرار
ہمیشہ جو کوئی کرے کام نیک تو بے شک ہو آغاز و انجام نیک

مستانہ دل کا ہے صاحب بُرا ہے قلوبِ مردماں عرشِ خدا ہے
شاعر نے تو اے صاحب "کسی اور معنی میں کہا ہے، مگر واقعہ کی مناسبت کو دیکھتے کہ
صاحب لوگوں پر کس قدر چسپاں ہے۔

باقی چھ چپ دراست کے پتروں پر یہ اشعار ہیں :-

(۳) شنیدم کہ در وقتِ نزع رواں بہ ہر مزچین گفت نوشیرواں
ازاں بہرہ ورت در آفاق کیت کہ در حکمرانی بالصف زلیت

(۴) چونوشیرواں عدل کرد اختیار کون نام نیک است از و یادگار
چو ایزد ترا این ہمہ کام داد چرا بر نیاری سرا انجام داد

(۵) ثباتے نہ دار دجہاں اے سپر بغفلت مبر عمر دروے بسر
خواہی کہ خداے بر تو بخش با خلق خداے کن نکوئی

(۶) تا توانی حاجتِ مردم بر آرد تا بر آرد حاجتِ را کردگار
بر آرد دن کار امیدوار بہ از قید بندگی شکستن ہزار

(۷) جہاں را بالصف آباد دار دل اہل انصاف را شاد دار
ترازیں بہ آخر چہ چاہل شود کہ نامت شہنشاہ عادل بود

(۸) عدل کر دنیا میں غافل زندگی پھر کہاں
سدا عیش دنیا دکھاتا نہیں گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

معارف کا کوئی پرچہ اب تک مجھے نہیں ملا ہے۔

۵ لندن، البرٹ ہال مینشن، یکم اپریل ۱۹۲۰ء

محبت گرامی! تسلیم نیاز،

۴

میرا پچھلا خط آپ کو مل گیا ہوگا، جس میں میں نے آپ کی خاموشی کی شکایت کی تھی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ کارکنانِ غیب آپ کی تائید میں تھے کہ فوراً دوسرے دن آپ کا خط لک کمپنی کی معرفت پہنچا گئے۔ یاد آوری کا شکریہ!

مولوی عبدالباری (ندوی) کے واقعہ کی اطلاع مولوی مسعود علی صاحب پہلے کر چکے تھے۔ اور میں انہیں لکھ چکا ہوں۔ ان کا آنا میرے لئے باعثِ فخر ہے۔ آپ نے جو کچھ اس مسئلے کی نسبت لکھا ہے مجھے حرف بہ حرف اس سے اتفاق ہے، مولوی مسعود علی صاحب لکھتے ہیں کہ مولوی حمید الدین صاحب خود ان کے بلالنے پر مصر ہیں۔

خواجہ جن نظامی صاحب کی پُر لطف تجویز آرتھ بَشپ آف کنٹریری کا پورا جواب ہے۔ آرتھ بَشپ اس لئے اس مسئلہ میں کوشاں ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ ارمن اور گریک چرچ اس کی ماتحتی قبول کر کے پروٹسٹنٹ ہو جائیں گے، اور مسلمانوں کو بھی عیسائی بنانے میں پوری مدد ملے گی۔

فردری کا معارف پہنچا۔ میں قطعاً آپ کی اس رائے کا مؤید نہیں کہ ”خسر کی تلاش کرو، تعلق کی نہیں۔ سعدی چاہیے، سعد زنگی کی حاجت نہیں، حافظ مطلوب ہے۔ شاہ شجاع نہیں۔ ابن رشد کو ڈھونڈو، حکم کو نہیں، شیخ الاشراق بس ہیں سلطان ایوبی درکار نہیں، ابن سینا سے مطلب ہے، خوارزم شاہ اور ابو المعانی قابوس سے نہیں، میرے امن طلب دوست اور سکون پسند فلسفی! تخیل اور عمل دو مختلف

عالم ہیں، تخلق نے خسرو کو پیدا کیا، اکبر نے عرفی کو نشوونما بخشا، قابوس و خوارزم شاہ نے ابن سینا کو ابن سینا بنایا، دولت سامانی نہ ہوتی تو ابن سینا کو گنجینہ علوم کتب خانہ میسر نہ آسکتا تھا۔ سلجوق و ترک نہ ہوتے تو جلال الدین رومی ایشیائے کوچک کی سرزمین میں نہ پیدا ہوتے، محکوم قوم کا دماندہ دماغ فلسفہ عمل کے نکتہ کو بھی نہیں سمجھ سکتا، بوس اگر حاکم قوم میں پیدا ہوتا تو اس کو اپنے تجربہ خزانے کے لئے در بدر بھیک نہ مانگنی پڑتی۔ ٹیگور کا عالم تخیل اگر اس کی دنیائے عمل کے مطابق ہوتا تو خطاب اعزاز سے محرومی پسند نہ کرتا۔ انسان کے تمام دماغی و جسمانی قوی اس کے قوائے مہیجہ کے ماتحت ہیں۔ دل افسردہ قوم کے لئے نہ فلسفہ کا امن اور نہ شاعری کا ہنگامہ، کوئی چیز مطلوب نہیں۔ خیام کا پرسکون دماغ ملک شاہ سلجوقی کی تلوار کے سایہ میں آرام پا رہا تھا۔

۳۔ مارچ کو رائل ایشیائٹک سوسائٹی کے جلسہ افتتاح تعمیر میں شریک ہوا، اکثر علمائے مشرقیات جمع تھے، لارڈ رے نے ایک مشرقی بحث پراور چینی سفیر متعین لندن نے "چینی تمدن" پر ایک مضمون پڑھا۔ جس میں ایک فقرہ مزے کا تھا: "ہم چینی پہلے سمجھتے تھے کہ ہمارے سوا اور تمام دنیا غیر تمدن و وحشی ہے، لیکن یہ خیال رفتہ رفتہ کم ہو گیا اور اب ہم سمجھتے ہیں کہ نہیں اور لوگ بھی کچھ تمدن ہیں" کتب خانہ دیکھا، کچھ زیادہ بڑا نہیں ایک مصور شاہنامہ نمائش کی میز پر رکھا۔

آپ معارف میں مہینہ میں ایک دفعہ بھی مطبوعات جدیدہ کے لئے کافی مسالہ نہیں پانے اور یہاں بعض روزانہ اخبارات میں یہ عنوان ہوتا ہے "آج کے مطبوعات" بہ ہیں تفاوت رہ از کجاست تا کجا، ہمارے اور آپ کے علت و معلول کی تعبیر میں جھگڑا ہے، آپ کہتے ہیں کہ پہلے شکسپیر چاہیے، میں کہتا ہوں کہ پہلے آزاد ہندوستان محکوم قوم اور اس کی علم دوستی کی مثال یہ ہے :-

شب چو عقد نمازی بندم چہ خود با مداد فرزندم

بحمد للہ کہ اب تک خیریت ہے۔ ”مقناطیس“ کی قوت کشش میں شک نہیں، لیکن پہلے
 ”لوبا“ چاہیئے، اس سے محرومی ہے۔ پھر وجود مقناطیس ایک تماشہ سے زیادہ نہیں اور کچھ سنا،
 یہاں بعض سینما میں ہمارے منظر و مرقع دکھائے جا رہے ہیں۔ والسلام۔
 ۱۹ لندن، یکم اپریل ۱۹۲۰ء

عم محترم، سلام علیک،

اس ہفتہ میں آپ کے دو خط ملے، ایک شاید ۲۸ فروری کا اور دوسرا ۵ مارچ
 کا تھا۔ مجھے بالکل یاد نہ تھا کہ میں نے پورٹ سید سے بھی آپ کو خط لکھا ہے، اب آپ کے
 لکھنے پر یاد آیا۔ اب شاید وینس سے بھیجا ہوا کارڈ بھی آپ کو مل گیا ہو گا، آپ نے پوچھا
 ہے کہ کیا ترکوں کو بھی اپنی تباہی کا احساس ہے۔ آپ نے عجیب بات پوچھی، ہر ترک اس
 وقت مجسم فکر و اندیشہ ہے، یہاں متعدد ترکوں سے جو یہاں ملازم یا تاجر ہیں یا مدت
 سے یورپ میں ہی رہتے ہیں، کبھی کبھی اتفاق سے ملاقات ہوتی رہتی ہے، جمعہ کی نماز
 میں کبھی مل جاتے ہیں، کوئی خود بخود ملنے کو چلا آتا ہے، ہم لوگ اپنے کام کو شک و شبہ
 سے پاک رکھنا چاہتے ہیں، اس لئے جو جلوت میں کہنا ہے وہی خلوت میں کہتے ہیں۔
 شریف پاشا جو سلطان عبدالحمید خاں کے اے ڈی سی تھے اور نسلگرد ہیں۔
 وہ نوجوان ترکوں کے مخالف تھے۔ نئی جماعت نے ان پر کئی دفعہ حملہ کیا، وہ پیرس میں
 رہتے ہیں، اسلامک انفارمیشن بیورو کے پیرس میں صدر ہیں۔ ان سے لندن میں
 ملاقات ہوئی۔ انھوں نے کہا میں نوجوان ترکوں کا مخالف تھا، لیکن اب تمام اختلافات
 کو بھلا دیتا ہوں اور ملک و ملت کے نام سے ان کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہتا ہوں۔
 ڈاکٹر نہاد شاد پیرس میں اپنا کام کر رہے ہیں اور فرینچ پبلک کو ایک فرینچ رسالہ
 کے ذریعہ مطلع اور باخبر رکھنا چاہتے ہیں۔

یورپ میں پہلے زیادہ طاقت زمینداروں اور تعلقہ داروں کے ہاتھوں میں تھی،

رفتہ رفتہ تجارت پیشہ لوگوں کے ہاتھوں میں آئی، مدت سے مزدور، اہل محنت سوشیلسٹ کے نام سے طاقت اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں۔ روس میں یہ تحریک کامیاب ہوئی۔ جرمنی کا موجودہ انقلاب اسی کشمکش کا نتیجہ ہے۔ فرانس میں بھی لوگ کلبلا رہے ہیں۔ سوڈن اور ڈنمارک میں بادشاہ مشکلات میں مبتلا ہے۔ انگلینڈ میں بھی یہ تحریک امن و سکون کے ساتھ جاری ہے۔ اُن کے زور توڑنے کو لائڈ جارج پارلیمنٹ میں ایک نئی جماعت سب ملا جلا کر قائم کرنا چاہتے ہیں۔

اس ہفتہ میں ایک چھوٹا سا سفر بڑی تک ہوا۔ ہندوستانی طلبہ جو انگلینڈ کی مختلف یونیورسٹیوں میں پڑھتے ہیں، سال میں ایک دفعہ ایک جگہ جمع ہو کر لطف ملاقات و تبادلہ خیالات حاصل کرتے ہیں۔ امسال یہ مجمع بڑی اسٹیشن سے اتر کر سوانک نام ایک گاؤں میں ہوا۔ دوڑ تک میدان تھا، ادھر یہ منظر یہاں بسا غنیمت ہے۔ گاؤں میں ایک عمارت بنی ہے، جس میں بیک وقت کم از کم ڈیڑھ سو آدمی ٹھہر سکتے ہیں، وہاں سب لوگ اترے تھے۔ مسز نائیڈوشمخ انجن تھیں۔ ایک جلسہ ہوا جس میں طلبہ جمع تھے۔ محمد علی صاحب نے، "انڈین نیشنلزم اور پین اسلامزم" پر تقریر کی۔ جلنے طول کھینچا، میں نے بھی اردو میں تقریر کی، اور الحمد للہ کہ وہ خاتمۃ المباحث ثابت ہوئی۔ ۵ یا ۶ اپریل کو پیرس کا عزم ہے۔ وہاں کے اخبارات میں کچھ کام کرنا ہے۔ ایک ترک ڈاکٹر ارشاد نے صحیح کہا کہ "اب تک ہمارا بھروسہ تلوار پر تھا اور ہمارے دشمنوں کا قلم و سیاہی پر۔ اب ہم کو بھی اسی پر قوت صرف کرنا ہے"۔ یونانیوں اور ارمینیوں نے انگلینڈ و امریکہ میں اپنا پروپگنڈا نہایت زور و شور سے پھیلا دیا ہے، چند مہینوں کے کام میں سا لہا سال کی تحریک کا سیلاب نہیں رُک سکتا۔

ڈاکٹر صاحب جو میرا خط پڑھتے ہیں، سلام لیں۔

۲۔ لندن البرٹ ہال مینشن، یکم اپریل ۱۹۲۷ء

برادر عزیز! سلام محبت شام

ع ۴

آپ کا خط مع پکیٹ ملا، پکیٹ میں معارف کے چار نمبر اور چار نسخے روداد کے تھے۔ لکھائی اور چھپائی دونوں بُری تھی۔ معارف کے شذرات کی پالیسی امن پسندی و راحت طلبی مجھے پسند نہ آئی۔ ماجد صاحب کو بھی میں نے لکھا ہے، مولوی عبدالباری صاحب شاید آگئے ہوں، ان کا آنا سر آنکھوں پر۔ وہ جس طرح اور جس شرط پر رہیں قبول ہے۔

سیرت کی جدول شاید چھپ گئی ہو۔ جدول سے میری مراد ٹائٹل ہیج ہے، آئندہ خط کے ساتھ سیرت عائشہؓ کے مطبوعہ صفحات بھیجے گا۔ کوئی نیا کا تبایا یا نہیں۔ اگر معارف ماجد صاحب کے ہاتھ میں نہ دیتا تو کیا کرتا۔ مضمون نویسی اور پرچہ کی تجربہ کارانہ ادارت دونوں دو چیز ہیں۔ اس کی اہلیت بھی ہمارے ہاں کسی کو نہیں۔

آپ کہتے ہوں گے کہ وزیر اعظم نے جب سوکھا سا جواب دیدیا تو اب تم لوگ کیا کر رہے ہو۔ بھائی جان یہاں کی پالیٹکس یہ ہے کہ جب تک کوئی کام واقعہ نہ ہو جائے اس کو الفاظ کا ظلم جانو، واقعہ نہ سمجھو۔ پہلے بھی علم تھا۔ اور اب علم الیقین ہے کہ بہترین مدبر یہاں وہ سمجھا جاتا ہے جو کذب اور دروغ گوئی کے فن میں سب سے زیادہ کمال رکھتا ہو۔ چنانچہ مسٹر لارڈ جارج یہاں کے بہترین مدبر ہیں۔ روزانہ پارلیمنٹ میں اخبارات میں، اسپیکر میں ان کے مخالف بیان کی ایک نئی مثال ملتی ہے، اصول موضوعہ

”سلف ڈرمینشن“ ہر جگہ ان کے لئے سیاہی کا داغ ہے۔ آج کل آئر لینڈ کے لئے ہوم رول بل پاس ہو رہا ہے، لیکن وہ لوگ اسی اصولِ مسلمہ سلف ڈرمینشن کی بنیاد پر ری پبلک کے طالب ہیں۔ ان کے جواب میں ۳۱ مارچ کی پارلیمنٹ میں وزیر اعظم فرماتے ہیں کہ وہ قومیں جو ایک مدت دراز یعنی صد ہا سال سے برابر ایک حکومت کے ماتحت رہتی چلی آئی ہیں۔ ان کے لئے سلف ڈرمینشن کے کیا معنی؟ ذرا اس معنی کی تفسیر آپ

اپنے لفظوں میں تو کیجئے، لیبر پارٹی سے کچھ امید ہے۔ یورپ میں آج کل ہنگامہ رستخیز ہے۔ لیبر پارٹی یا سوشیالسٹ ہر جگہ زور پکڑ رہے ہیں، انگلستان میں یہ انقلاب امن و سکون کے ساتھ ہو گا۔ فرانس کی جمہوریت بھی انقلاب کا خواب دیکھ رہی ہے، میں ہر روز انگریزی کے کم از کم آٹھ دس روزانہ اخبار پڑھتا ہوں۔

محمد علی صاحب کو تو فرصت نہیں ہوتی، میں ہی اخبارات پڑھ کر ضروری مقامات پر نشان لگا دیتا ہوں، وہ ان کو پڑھ لیتے ہیں مسٹر ہارنیمین (سابق ایڈیٹر بمبئی کرانیکل) جو ہندوستان سے باہر گئے ہیں وہ عموماً وفد ہی کے ساتھ رہتے ہیں، مضامین اور مشورہ دل میں مدد دیتے ہیں نہایت نیک طبیعت اور کریم الاخلاق ہیں، گوشت نہیں کھاتے، نباتات خور ہیں۔ آپ سن کر تعجب کریں گے کہ شہر لندن کی وسعت صرف اسی قدر ہے جس قدر ریاست رامپور کے حدود کی یعنی چالیس میل۔ اس ہفتہ میں ایک چھوٹا سا سفر بھی ہوا، یہاں ایک دو سال سے طلبائے ہند مقیم انگلینڈ سال میں ایک دفعہ ایک جگہ ایک ہفتہ کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ انڈین کانفرنس اس کا نام ہے۔ امسال جماع بڑی واقعہ ڈبئی شائر میں ہوا تھا، ہم لوگ بھی مدعو تھے۔ میں اور محمد علی صاحب گئے تھے راہ میں مسز نائیڈو بھی ساتھ ہو گئیں۔ بڑی کے اسٹیشن پر طلبائے ”بندے ماترم“ کے، ہجوم میں مہمانوں کو اتارا۔ تمام اطراف انگلینڈ سے ہر صوبہ کے تقریباً سو سو اسولر کے آئے تھے جن میں ۵ یا ۶ لڑکیاں بھی تھیں، سکونت کے لحاظ سے طلبہ کی زیادہ تر تعداد بمبئی کی تھی۔ اس کے بعد بنگال کی، بعد ازاں یوپی اور پھر مداس کی۔ محمد علی صاحب سے فرمائش کی گئی کہ وہ انڈین نیشنلزم“ اور ”پن اسلامزم“ پر تقریر کریں۔ انھوں نے تقریر اس طرح کی کہ گویا وہ کسی مسلمان مجمع میں ہیں۔

یہاں قاعدہ یہ ہے کہ مقرر کی تقریر کے بعد حاضرین میں سے اگر کسی کو تقریر کے متعلق کوئی شبہ یا خیال ہوتا ہے تو وہ پیش کرتا ہے، طالب العلم ہر جگہ کے طالب العلم

ہوتے ہیں، انھوں نے ایک طرف سے سوالات کا سلسلہ باندھ دیا۔ پنجاب کے کوئی پروفیسر بالکشن ہیں، جن کا تعلق گروکل سے بھی ہے۔ انھوں نے آریہ سماج کے مناظرانہ ٹھاٹ سے مباحثہ شروع کیا۔ صبح کے ۹ بجے سے شام کے ۷ بجے تک بازار گرم رہا۔ بیچ میں صرف کھانے اور چائے کے لئے مجلس ہر خاست ہوئی۔ سائے اعتراضات کا مبنی یہ تھا کہ انڈین نیشنلزم چاہتی ہے کہ آپ کی کوششوں کا مرکز صرف ہندوستان ہو۔ پین اسلامزم دنیا کو حاوی ہے تو آپ خاص و عام کو کیوں کر یکجا کر سکتے ہیں۔ ہندوستان اور اسلام کے اغراض جب باہم متصادم ہوں گے تو آپ کیا کریں گے؟

میری حالت ایسے موقع پر دیکھنے کے لائق ہوتی ہے۔ اگر انگریزی نہ سمجھتا تو کچھ الجھن نہ ہوتی۔ لیکن ماشاء اللہ انگریزی اب سمجھ لیتا ہوں، بول لیتا ہوں لیکن تقریر پر قدرت نہیں رکھتا۔ اس لئے طبیعت میں اس قدر الجھن ہوتی ہے کہ حد بیان سے باہر کبھی تقریر کو کوستا ہوں، کبھی اپنی گزشتہ کوتاہیوں پر ماتم کرتا ہوں کہ کیوں طالب علمی میں انگریزی میں محنت نہ کی۔ بہر حال بمصالح مسرنائیڈو نے مجھ سے کہا کہ چائے کے بعد جو جلسہ ہو تو آپ تقریر اُردو میں کیجئے۔ وہ ایک اور جلسہ میں میری تقریر کو سن کر بے حد داد دے چکی ہیں، اکثر لڑکے سمجھ جائیں گے لیکن احتیاطاً انگریزی میں نثر جہ بھی کر دیا جائے گا۔ چنانچہ میں نے تقریر کی۔ آپ خود بینی کا الزام نہ دیں تو میں کہوں کہ میں نے ایسی اچھی تقریر کی کہ ایک معترض بھی چوں نہ کر سکا۔ سب نے دلائل کی قوت کو تسلیم کر لیا اور مان لیا کہ انڈین نیشنلزم اور پین اسلامزم کیونکر متحد ہو سکتے ہیں۔ ایک رات کو تو موسیقی کا تاشہ رہا۔ ”بندے ماترم“ اور ”ہندوستان ہمارا“ اس کا آغاز و انجام تھا۔

دوسری رات کو مشاعرہ تھا، زمین پر نشست تھی، سب ہندوستانی لباس میں تھے۔ برقی لیمپوں کے باوجود موم کی شمع حسبِ آداب مشاعرہ سب کے سامنے باری باری سے رکھی جاتی تھی۔ مسرنائیڈو شمع انجمن یعنی میر مشاعرہ تھیں۔ اُردو، انگریزی، مرہٹی،

گجراتی، کچھی، ٹامل، تملنگو، بنگالی، پنجابی، غرض ہندوستان کی کوئی زبان نہ تھی جس میں نظمیں نہیں پڑھی گئیں۔ دل چسپ جمع تھا اور ہندوستان کی بوقلمونی کا مرقع تھا، مسز نائیڈو نے بھی اپنی ایک انگریزی نظم پڑھی۔ سید سلیمان ندوی نامی ایک غیر فطری شاعر نے بھی اپنی اردو نظم پڑھی ۲۶ کو گئے ۲۸ کو واپس آئے ۲۹ کو ہوس آف کامنس میں لیبر پارٹی کے کچھ لیڈروں سے گفتگو ہوئی۔ مبادلہ خیال ہوا۔ ان کو تمام پہلو سمجھائے گئے، کاغذات دیئے گئے۔ ٹرکی کی صوبہ دار مردم شماری بتائی گئی۔ انھوں نے تسلیم کیا کہ اب تک ہم نے اس مسئلہ کو اس طرح نہیں سمجھا تھا اور ہم اس میں کوشش کریں گے۔ ۳۰ کو رائل ایشیاٹک سوسائٹی کا جلسہ تھا، پروفیسر مارگو لیتھ نے مجھے دعوت کا رقعہ بھیجا تھا لیکن مجھے دیر ہو گئی، جب پہنچا تو اندر کا کمرہ بھر چکا تھا، ناچار باہر کھڑا ہوا۔ وہاں اتفاق سے ایک شامی عیسائی اسکندر سیفی سے جو یہاں کے مدرسہ مشرقیات میں پروفیسر ہے ملاقات ہو گئی اور ایک غضب آلود مناظرہ شروع ہو گیا، مسئلہ زیر بحث ٹرکی تھا، اس نے کہا کہ ترک بہت بڑے حکمران ہیں۔ میں نے کہا دنیا میں اچھا حکمران کون ہے۔ سب کی خانہ تلاشی لے لو۔

۲۱ لندن ۷ اپریل ۱۹۲۰ء

عزیزم سلمہ

معاف کرنا کہ میں نے تمام سفر میں تمہیں ایک خط بھی نہیں لکھا۔ سبب یہ تھا کہ مجھے تمہارا پتہ یاد نہ تھا، بھائی صاحب سے پوچھ بھیجا تھا، مگر کل اتفاق سے ایک جگہ کاغذات میں تمہارا پتہ ٹکا ہوا مل گیا، اسی پتہ پر یہ خط لکھ رہا ہوں، امید ہے کہ منزل مراد تک پہنچ جائے گا۔

میرا یہاں آنا اس قدر جلدی میں ہوا کہ میں تمہیں اطلاع بھی نہ دے سکا اور عزیزوں کو بھی صرف اطلاعی خطوط ڈال کر بمبئی چل دیا۔ یکم فروری کو بمبئی سے جہاز پر بیٹھا ۲۲ کو وینس اترا اور اٹلی و سوئزرلینڈ و فرانس کی سرزمینوں کو طے کر کے

۲۶ کولندن میں داخل ہوا۔

جب سے ہمارا وفد یہاں آیا ہے اپنے کام میں شب و روز منہمک ہے۔ آخری فیصلہ جو کچھ ہو اور یقیناً وہ تمام تر ہماری خواہشوں کے مطابق نہ ہو گا۔ لیکن ہم فرض اپنا ادا کر چکے۔ بیمار اگر مر گیا تو تیماردار کے حقوق فراموش نہ ہوں گے لیکن مسلمان اس سے ناامید کا سبق نہ لیں بلکہ ہمیشہ کے لئے اب اپنے دشمن کو تاریخی دشمن سمجھنا چاہیے۔ اور ہلاکو و چنگیز کے بعد ایک تیسرے نام کا اور اضافہ کرنا چاہیے۔ ہم پھر نئے سرے سے اپنی عمارت کے لئے ایک نئی دیوار قائم کریں گے۔ اور ضرور قائم کریں گے۔

یورپ آکر ہم کو جو نئی بات ملی وہ یہ ہے کہ ہم اپنی عالمگیر تباہی سے مایوس نہ ہوں۔ یہاں متعدد قومی ہیں جو ہماری طرح خستہ حال ہیں مگر انھوں نے اب تک ہمت نہیں ہاری ہے اور جدوجہد میں مصروف ہیں۔ حالانکہ ان کی تعداد دشمنوں کے مقابلے میں نہایت قلیل ہے۔ اور مسلمان تو دنیا میں اپنی بے شمار تعداد رکھتے ہیں۔ وہ کیوں مایوس ہوں، ہزار سال کے بعد کون کہہ سکتا تھا کہ یہود و رومیوں کی آخری ستمگری کے بعد دنیا میں اپنی ہستی قائم رکھ کر ۱۹۲۰ء میں تلوار پکڑ کر فلسطین میں اپنا حق قائم کریں گے۔ لیکن اگر تیس پچھو تو ترقی کے لئے نہ تو تعداد کوئی چیز ہے اور نہ رقبہ کا کوئی سوال ہے صرف روحانی طاقت اور اخلاقی قوت اصل بنیاد ہے، روحانی طاقت اور اخلاقی قوت سے خدا جانے تم کیا مطلب سمجھو! رقبہ اور تعداد کے لحاظ سے روس اور جاپان میں کیا نسبت ہے؟ انگلینڈ اور ہندوستان میں کیا نسبت ہے؟ میں چاہتا ہوں کہ ہر مسلمان اب اس نئے عقیدے کو اچھی طرح سمجھ لے۔ الحمد للہ میں بخیریت ہوں۔

۲۷ پیرس، رجنینا ہوٹل ۱۴ اپریل ۱۹۲۰ء

برادر مکرم، السلام علیکم

نامہ مبارک ملا، سیرۃ جلد دوم میں کوئی نقشہ نہ ہو گا۔ میرا بھیجا ہوا رجسٹرڈ

دیباچہ تو پیش کیا ہو گا۔ میں تصور کر رہا ہوں کہ اس کو دیکھنے کے ساتھ غیظ و غضب کے کچھ کلمات زبانِ اقدس سے نکلے ہوں گے مگر اس وقت جب میں آپ سے بات ہزار میل دور ہوں۔ آپ کے اس غیظ و غضب کا کیا ڈر ہے۔

کل ہمارا وفد لندن سے پیرس آیا۔ لندن میں اس ہفتہ چند واقعے قابلِ ذکر ہیں۔ حجاز و شام کے عربوں کا وفد لندن آیا ہے۔ نوری سعید پاشا اور حداد پاشا نابینا امیر فیصل اس کے سرگروہ ہیں۔ پہلے صاحبِ مسلمان اور دوسرے عیسائی ہیں۔ اور بھی چند ممبر مسلمان اور عیسائی ساتھ ہیں۔ ایک دن پہلے عربی میں ان سے خط لکھ کر دریافت کیا کہ اگر کوئی مانع سیاسی نہ ہو تو ہم لوگوں کو ملنے کی اجازت دیجئے۔ ٹیلیفون سے جواب دیا کہ ۱۲ اپریل کو ۱۰ بجے ملے۔ میں اور محمد علی صاحب ان سے ملنے گئے (سعید حسین صاحب پیرس بھیجے گئے تھے کہ وہاں کی خبریں لائیں) گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ ملاقات رہی۔ نوری سعید ایک نوجوان، تیز طبع اور ہوش مند شامی عرب ہیں۔ پہلے ٹرکی کی فوج میں لفٹننٹ تھے اور اب جنرل ہیں۔ افسر فوج کی وردی میں تھے، بہت محبت اور تپاک سے ملے۔ میں نے عربی میں خلافت و جزیرۃ العرب کے مسائل اور ہندوستان کے مسلمانوں کی کیفیت اور ان کے مطالبات مذہبی بیان کئے اور ڈراموثر اور شاعرانہ عبارت میں مطلب ادا کیا۔ وفد عربی کے اکثر ممبر انگریزی سمجھتے تھے۔ محمد علی صاحب سے رہانہ گیا، انھوں نے انگریزی خطبہ شروع کر دیا۔ ترک و عرب کے اختلافات کو جنگ نے اسلامی مصالح اور دینی مقاصد کو کہاں تک صدمہ پہنچایا اس کی تفصیل کی، آپ سمجھ سکتے ہیں کہ مذہب کا درد اور ملت کا غم زیرِ خاکستر انگارہ ہے۔ جو عرب و عجم و ترک ہر دل میں جو کلمہ اسلام سے گرم ہے چھپا ہوا ہے، تقریروں کا سلسلہ ایسا موثر ہوا کہ دونوں طرف دل بھر آئے۔ اور آنکھوں سے اپنی بے کسی پر آنسو ٹپک پڑے۔

محمد علی صاحب کے دیدہ پریم نے اوروں کو بھی رُ لایا۔ جنرل نوری سید نے کہا ”میں خدا اور رسول اور اپنی عزت کا واسطہ دیتا ہوں کہ یہ یقین کرو کہ ہم نہ ترکوں کے مخالف تھے اور نہ ہیں اور نہ خلیفۃ المسالین سلطان المعظم کی خلافت کے منکر ہیں اور نہ خاندان عثمانی سے کوئی بغض و عداوت رکھتے ہیں۔ ہم کو ان چند نو جوان ترکوں سے مخالفت ہے جو سالہا سال سے ترکی عنانِ حکومت پر قابض ہو گئے ہیں، اور جن کی پالیسی ہم سمجھتے ہیں کہ اسلام کے لئے مہلک ثابت ہوگی۔ یہ یقین کرو اور خدا اور رسول کا واسطہ دیتا ہوں یقین کرو کہ ہم عراق، شام و فلسطین و عرب کے استقلالِ تام اور آزادیِ کامل کے طالب ہیں، اگر ہماری زمین کا ایک چتہ بھی کسی نے دبانا چاہا تو ہم لڑیں گے اور لڑیں گے۔ اتحادی سلطنتوں کے تعلقات دوستانہ کے ہم دل سے خواستگار ہیں۔ لیکن رعایا و حاکم کے تعلقات ہم کبھی قبول نہیں کریں گے۔ مسلمانِ عالم کو ہم پر اعتبار کرنا چاہیے۔ عرب، ترکوں سے زیادہ خدمتِ اسلام کے مدعی ہیں۔ ہم نے کہا اگر ہم کو یہ یقین ہو جائے کہ عرب موجودہ مشکلاتِ عالم کا بار اٹھا سکیں گے۔ اور دشمنوں کے مقابلہ کی طاقت پیدا کر سکیں گے تو ان سے زیادہ اسلام کی عزت و آبرو کا حامی اور کون ہو سکتا ہے۔ لیکن افسوس کہ یہ یقین پیدا کرنے کے وجوہ ہمارے پیش نظر نہیں ہیں، صرف پُر زور دشمنوں کا مقابلہ نہیں، بلکہ چالاک ترین حیلہ ساز دشمنوں کا مقابلہ ہے جن کے دعوؤں کے الفاظ مقابل کی قوت و ضعف کو دیکھ کر ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں جن کے فلسفہ اخلاق میں عدل و انصاف اور صداقت دایان داری کے ابواب نہیں، جنرل نوری نے کہا ”تاریخ میں نے بھی پڑھی ہے اور جانتا ہوں کہ کیونکر احوال بدلتے ہیں۔ ہم اپنے ملک کے لئے خاص آزادی کے طالب ہیں۔ کسی حکومت کی حکم برداری یا حمایت یا کسی اور قسم کی مداخلت ہرگز ہرگز گوارا نہیں۔“

اس معاملہ میں تمام عرب، عیسائی، یہودی، مسلمان سب یک دل و یک زبان ہیں عیسائی ممبروں نے کہا کہ ”ہم سب اس معاملہ میں متفق ہیں۔ ہم کو ارامنوں پر قیاس نہ کرو،

ان کی قومیت الگ ہے۔ ان کی زبان الگ ہے، ہماری زبان ایک ہے ہمارا ملک ایک ہے۔“
 ارمنوں کا ذکر آیا تو انھوں نے کہا کہ ان کی مطلوبی اور قتل عام کی داستان محض
 یاروں کی گپ اور وزارت خالوں کی من گھڑت ہے، ہم ترکوں سے تھریس، قسطنطنیہ
 اور سمرنا چھین لینے کے حامی نہیں۔ دینزیلاس سے ہم نے یہ صاف کہہ دیا ہے، ”محمد علی صاحب
 نے کہا کیا یہ ممکن نہیں کہ جس طرح حکومت برطانیہ، کینیڈا اور آسٹریلیا میں تعلقات
 شہنشاہی ہیں۔ اسی طرح ملک عرب پوری آزادی اور مستقل حقوق کے ساتھ خلیفہ المسلمین
 کی شہنشاہی کے تحت میں قائم رہے۔ اس کا انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

میں نے کہا مسلمانان ہند یہ تصور کر کے کہ عرب کی مقدس سرزمین بھی ان کے لئے
 اب امن و امان کا گھر نہیں، غم زدہ ہیں۔ وہ حاجیوں کی زبانی یہ سن کر کہ وہاں انگریزی
 فوج برسرِ اقتدار ہے، خون کے آنسو روتے ہیں، ہندوستان کے مقدس ترین عالم، علمائے
 ہند کے مسلم شیخ اور ہمارے ملک کے پیشوائے ملت و امام شریعت مولانا محمود صاحب
 نے ہندوستان سے ہجرت کر کے ”بلد الامین“ میں اقامت کی۔ وہ پالٹکس اور سیاست
 کے نام سے بھی آگاہ نہیں، وہ کفرستان ہند سے بھاگ کر نور و ایمان کے مسکن
 میں گئے تھے لیکن وہاں بھی انھیں پناہ نہ ملی۔ کیا یہ اس بلدۃ الحرام کی تحقیر نہیں،
 جو عاصی و آثم کا بھی مامن ہے۔ لیکن مامن نہیں تو اس مسلمان کے لئے نہیں جو ملت
 بیضا کا ہادی اور شریعتِ غرّار کا شارح ہے، ہمارے صوبے کے کونسل میں
 جب ان کی قید کے متعلق سوال کیا گیا تو جواب ملا کہ ان کو برٹش گورنمنٹ نے نہیں
 بلکہ عرب گورنمنٹ نے قید کیا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو کیونکر کسی عرب حکومت کی خود مختاری
 کا مسلمان ہند کو یقین آئے، حداد پاشا نے کہا میں نے بھی اس کے متعلق کچھ سنا ہے
 نوری سعید نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں، میں اس کی تحقیق کروں گا۔ اور مولانا کا نام
 ایک کاغذ پر لکھ لیا۔ اس کے بعد شکریہ ادا کیا۔ اور رخصت ہوئے، دروازے

تک نوری سعید نے مشالیت کی۔

لیبر پارٹی جس سے لندن میں کچھ امید ہے اس کی ایڈوائزری کمیٹی سے ۱۰-۱۱ اپریل کو ملاقات ہوئی، ایک گھنٹہ تک گفتگو رہی ۲۳ اپریل کو دوبارہ ملاقات کا وعدہ کیا ہے۔ ۱۲-۱۱ اپریل کو عثمانی برطانوی مجلس (برٹش اوٹومن سوسائٹی) کا جلسہ تھا۔ سرگز بہم صدر تھے۔ مقررین میں زیادہ تر انگریز تھے۔ صدر کی تقریر نہایت عمدہ اور ہمدردانہ تھی ۲۲ اپریل کو ہمارا ایک شاندار جلسہ ہونے والا ہے۔ لیبر پارٹی کے پیرمغاں جارج لینسبری اس کے صدر ہوں گے۔

لندن کی لیبر پارٹی کی ان ہمدردیوں سے یہ قیاس نہ کیجئے کہ وہ اپنے ملک میں جس اظہار فیاضی کے لئے تیار ہیں اس سے ایشیا کی بیماروبے کس قومیں بھی فائدہ اٹھا سکتی ہیں، انگلستان کی آزاد سے آزاد پارٹی بھی بہر حال انگریز ہے اور کبھی اس کی قومی خصوصیات اس سے الگ نہیں ہو سکتیں۔ لندن میں ہم لوگ ڈیڑھ مہینے کے قریب رہے۔ اور ہر طبقہ و فرقہ کے آدمیوں سے ملنے پر اس آئے۔ ابھی صرف ایک دن گزرا ہے۔ لیکن قسم بخدا کہ یہ ایک دن اس ڈیڑھ مہینے سے بہتر تھا۔ اسلام اور مسلمانوں سے محبت رکھنے والوں کی کثیر تعداد یہاں نظر آتی ہے، انگلینڈ میں ہمدرد سے ہمدرد انگریز بھی صرف نفع زر کے لئے کام کرتا ہے۔ آپ یہ سن کر حیرت کریں گے کہ آج ۱۲ بجے دن سے لے کر ۲ بجے شب تک ایک فریج لیڈری جس کو مشرق خصوصاً بلقان کی سیاست سے ذوق ہے ہمارے ساتھ اپنے ہاتھ سے کام کرتی، اور ابھی ابھی وہ کام ختم کر کے گئی ہے میڈموزل پورڈاس کا نام ہے۔ ”پالپولر“ یہاں کے سوشلسٹوں کا اخبار ہے۔ اس کے ایڈیٹر موسیولانگے مشہور لیبر لیڈر ایڈیٹر ہیں۔ آج شب کو ان سے ملنے گئے تھے جس محبت و اخلاق سے انھوں نے باتیں کیں اس کا مزہ ہمیشہ یاد رہے گا۔ پیرس میں ۲۰ کو جلسہ ہوگا، اس کے لئے سامان ہو رہا ہے، فرانس کی سرزمین ہماری امیدوں کا کشتزار ہے۔

ہاں یاد آیا، مولوی عبدالسلام کی سیر الصحابہ کی کتابت شروع کر دیجئے۔ اور تو کوئی کتاب نہیں۔ سیرۃ النعمان کی تصحیح محنت سے ہونی چاہیے۔ کیونکہ خود اصل بھی بہت غلط ہے۔

۲۳ پیرس، ۱۴ اپریل ۱۹۲۰ء

عم محترم، دام فضله

ع

السلام علیکم، ۱۲ اپریل کو لندن چھوڑ کر ہم پیرس پہنچے، آج دوسرا دن ہے ہمارے اغراض کے لئے یہاں کی فضائل لندن سے زیادہ صاف اور یہاں کی آب و ہوا انگلینڈ سے زیادہ موافق ہے۔ فرنچ اہل رائے، انگریز اہل رائے سے زیادہ اسلام اور مسلمانوں سے آشنا ہیں۔ ہندوستانیوں نے اپنی انگریزی حکومت کی جس طرح مدد کی اسی طرح اہل ٹیونس والجزیریا نے فرانس کی مدد کی۔ لیکن ہم نے دیکھا اور دیکھ رہے ہیں کہ محکوم قوموں سے نفرت اور اپنی بڑائی اور تعلی کے جذبات انگلش قوم میں علی حالہ باقی ہیں لیکن فرنچ قوم مسلمانوں کی عنایت و محبت کی سرتاپا مشکور و ممنون ہے۔ کوئی فرانسیسی ایسا نہیں ملا، جن نے اسلام اور مسلمانوں کے نام سے ہماری اپیل کو رد کیا ہو۔

ایک فرنچ خاتون جو سیاسیات خارجیہ کی فاضلہ ہے اور مظلوم اقوام کی حمایت اس کی زندگی کا فرض ہے۔ آپ کو سن کر حیرت ہوگی کہ دن کے ۱۲ بجے سے لے کر رات کے ۲ بجے تک ہم لوگوں کے ساتھ پیرس میں ایک جلسہ خلافت کے سامان میں لگی رہی۔ ایک اور فرنچ بین صبح سے ۱۲ بجے تک ہمارے ساتھ کام میں رہا، موسیو لانگے جو نہ صرف فرنچ سوشلسٹ کے لیڈر اور اخبار پارپولر کے ایڈیٹر بلکہ یورپ کے مشہور اشخاص میں سے ہیں، مظلوموں کی اعانت، بے کس اقوام کی حمایت اور غربار کی امداد ان کا اصل کام ہے۔ ان سے مل کر معلوم ہوا کہ فرانسیسی قوم دنیا میں کیوں اس قدر محبوب و ہر دل عزیز ہے۔ ٹیونس کے مسلمانوں نے بھی مسئلہ خلافت کے مطلق فرنچ

گورنمنٹ کو یادداشت بھیجی ہے۔

ابھی ایک فترخ ڈیپوٹی (ممبر پارلیمنٹ) موسیو پاتے سے مل کر ہم آرہے ہیں۔ اس نے کہا، ”تمہاری ہر مذہبی خدمت کے لئے ہم تیار ہیں اور اس نقطہ نظر سے فرانس مسئلہ خلافت میں تمہاری مدد کرے گا۔“

فرانس ری پبلک ہے یہ سب کو معلوم ہے۔ اور اب جمہوری خیالات تمام یورپ کے افق پر پھیل رہے ہیں اور کہنے کو اس وقت انگلینڈ بھی روس سے متاثر ہے لیکن ایک معمولی واقعہ میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں جس سے انگلستان اور فرانس کا فرق محسوس ہوگا۔ ہر انگلش مین خواہ وہ لیبر پارٹی ہی کا ممبر کیوں نہ ہو۔ آزادی و جمہوریت کے دعوؤں کے باوجود ہمارا ”امپائر“ اور ہمارے ”فیلو سبجیکٹس“ کہنے سے نہیں شرماتا۔ کل ایک فترخ جنٹل مین ہم لوگوں کی خاطر سے انگریزی بول رہا تھا، اس لئے انگریزی محاورے کے مطابق افریقہ کے فترخ مقبوضات کی نسبت اس کی زبان سے ہمارا ”امپائر“ کا لفظ نکلا تو شرمایا۔ اور فوراً اس نے اس لفظ کو چھوڑ کر ”سیٹی اور سٹیٹس“ سے اپنا مطلب ادا کیا۔ انگریزوں اور ہندوستانیوں میں دوستی اور محبت کے نہیں بلکہ صرف حاکمی و محکومی کے تعلقات ہیں لیکن فرانسیسیوں اور ان کی محکوم قوموں کے افراد میں حاکمی و محکومی کے ساتھ دوستی و محبت کے تعلقات بھی ہیں۔

یہ فترخ خالون جس کا میں نے اوپر ذکر کیا، بالکل مسلمانوں کی طرح اسلام کی

لہ فرانس کے متعلق میرے یہ خیالات جو اس کو دیکھ کر پہلی دفعہ قائم کئے گئے تھے بعد کو زیادہ ملنے جلنے سے غلط ثابت ہوئے۔ بات یہ ہے کہ فرانسیسی ملنے جلنے میں بہت ہنس مکھ اور بے تکلف ہیں اور اگر یہ خشک مزاج اور دیر آشنائیں۔ اس لئے بے غرض ملاقات میں فرانسیسیوں کا اثر بہت اچھا پڑتا ہے۔ لیکن جب کبھی مطلب کی بات آتی فرانسیسی انگریزوں سے کم بے مروت اور سخت نہیں نکلتے ۱۲۔

حمایت کا ولولہ اپنے اندر رکھتی ہے۔ اس نے کہا تم دنیا کے سارے مسلمان مل کر کیوں نہیں اپنے تحفظ حقوق کے لئے کوئی مجلس قائم اور کوئی اخبار جاری کرتے ہو۔ میں نے کہا ہم سب اس کے لئے بسر و چشم تیار ہیں۔ لیکن اس کا کیا جواب ہے کہ یورپ کے امپیرلسٹ کہیں گے کہ یہ وہی بین اسلامزم کا بھوت ہے جو تمام یورپ کو نگل جائے گا، اس کو ہرگز ہرگز زندہ نہ رہنے دیا جائے۔

امیر فیصل کے نابین جنرل نوری سعید حداد پاشا سے ملاقات کی۔ انھوں نے یقین دلایا کہ شام و عراق و عرب کی پوری آزادی کے بغیر ہم دم نہیں لیں گے۔ اور ہرگز کسی قسم کی اجنبی حمایت یا حکم برداری، یا حفاظت منظور نہیں کریں گے۔ البتہ اتحادیوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھنا ہماری منتہا ہے آرزو ہے۔

۲۰۔ اپریل تک یہاں ہمارا قیام رہے گا۔ محمد علی صاحب آج روم (اطلی) جا رہے ہیں کہ وہاں کے ارباب اثر سے ملیں۔ وہاں کی آب و ہوا بھی ہمارے موافق ہے۔ تک وہ واپس آجائیں گے تو پھر سب مل کر لندن لوٹ جائیں گے۔ کیونکہ ۲۲ کو لندن میں ہمارا ایک شاندار جلسہ ہوگا جس کا پریسیڈنٹ انگلش لیبر پارٹی کا لیڈر ہوگا۔ پیرس آج کل تمام دنیا کے وفود کا مرکز ہے۔ چینی وفد، آذربائیجانی وفد، مصری وفد اور خدا جانے کون کون وفداطراف عالم سے حقوق طلبی کے لئے یہاں جمع ہیں۔ خدا حافظ۔

۲۴۔ البرٹ ہال، لندن، ۷۔ اپریل ۱۹۲۰ء

عم محترم، السلام علیکم

معلوم نہیں کہ سفر کیا کارادہ پورا ہوا یا نا تمام رہا۔ اگر گئے ہوں تو دیکھی اور نہ گئے ہوں تو سنی کیفیت بیان کیجئے، ہمارے ہاں کوئی اردو اخبار نہیں آتا۔

آپ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ میں انگریزی بولنے میں ترقی کر رہا ہوں اور کوشش کر رہا ہوں کہ جلسوں میں دس پانچ منٹ کی بھی تقریر کر سکوں ۱۲ کو ہٹش عثمانی مجلس کی فٹ سے یہاں جلسہ ہونے والا ہے، میں اس میں بولنے کی تیاری آج ہی سے کر رہا ہوں۔

معاملہ کی حالت یہ ہے کہ اتحادی یہ چاہتے ہیں اور کر رہے ہیں اور غالباً اس خط کے پہنچنے تک واقعہ ہندوستان کے اخباروں کے ذریعہ سے آپ کے سامنے بھی رونما ہو جائے گا کہ حسب دستور قسطنطنیہ میں خائن وزراء کا ایک مجمع کر کے من مانی صلح کے کاغذ پر دستخط کرالیں، اسی کے لئے سب کچھ ہو رہا تھا۔ ترکی پارلیمنٹ کے ان تمام ممبروں کو جو صحیح قومیت خواہی و ملت پرستی کا جذبہ رکھتے تھے، ایک ایک کر کے پابہ زنجیر مالٹا بھیج دیے اور آج معلوم ہوا کہ خائنوں کی وزارت قائم ہو چکی۔ چند روز میں دستخط کی خبر بھی پڑھ لیجئے گا، یہ ہے وہ عدل و انصاف جس کا پُر غرور لشہ انگلینڈ کی باجبروت شہنشاہی کو ہے۔ انگریز اس وقت نہیں سمجھتے ہیں۔ اور ہر پُر قوت قوم اپنے عہد ترقی میں نہیں سمجھتی ہے، لیکن یہ یقین کرنا چاہیے کہ انگریز قوم لائڈ جارج کے ہاتھوں اپنی شہنشاہی کا مقبرہ آپ تیار کر رہی ہے یہ سچ ہے کہ آج نہ صرف ترکی بلکہ تمام دنیا اس کے ترجم کی طرف نگرانی ہے۔ لیکن کل کا معاملہ اس کے ہاتھ میں نہیں، پہلے مجھے مسلمانوں کی عالمگیر تباہی کا افسوس تھا لیکن اب میں مایوس و ناامید نہیں اور کہتا ہوں کہ جو دیوار بنو امیہ اور ان کے جانشینوں کے ہاتھوں سے کج ہو گئی تھی اور برابر کج ہوتی چلی گئی، اگر وہ گر جائے تو کچھ پرواہ نہیں۔ اب ہم نئے سرے سے نئی دیوار خلافت راشدہ کی بنیاد پر قائم کریں گے یہ ہو گا اور ہو کر رہے گا۔ لیکن اس کا یقین کیجئے کہ مسلمان عالم کی تاریخ میں انگریزوں کا نام چنگیز و ہلاکو کی طرح ہمیشہ کے لئے بدنام ہو گیا اور جب تک دنیا قائم ہے اس بدنامی کا داغ کوئی مٹا نہیں سکتا، آرمینیا کے قتل عام کی داستان محض اس لئے گھڑی گئی ہے کہ ان کی بدنامی کا دھبہ کسی قدر پھیکا پڑ جائے۔

ہم سمجھتے تھے کہ انگریزوں کو اپنی شہنشاہی کا بڑا پاس و لحاظ ہوگا، مگر یہاں کی عمومی اور پبلک حالت یہ ہے کہ وہ عظیم الشان حکومت جس کے احاطہ میں کبھی آفتاب نہیں ڈوبتا، اس کی عظمت اس کی نگاہ میں ایک پرکاش کی برابر بھی نہیں، ہندوستان ہے یا جلے ان کے پالپوش کو بھی اس کی غرض نہیں۔ صرف چند ارباب سیاست اور علم برداران حکومت ہیں جو تمام کرۂ ارض کو اپنی انگلیوں پر نچا رہے ہیں، وہ غضب ناک بیرونیوں اور تاراج ہندوستان سے آتے رہتے ہیں۔ ان کی انہیں خبر بھی نہیں، ایسی قوم اپنے اقتدار کو زیادہ دن تک قائم نہیں رکھ سکتی، تاریخ کی شہادت یہی ہے اور یہی شہادت اب بھی پستی ہوگی۔

الحمد للہ میں بحیرت ہوں، و فدائے کاروبار میں مشغول ہے۔ سید حسین صاحب میری تجویز سے کل پیرس گئے ہیں کہ وہاں کے ایڈیٹروں سے مل کر کوئی کامیابی کی راہ دریافت کریں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں کسی خانگی معاملہ کی فکر نہ کروں، بزرگ من! اگر اس کی فکر ہوتی تو سفر کی یہ زحمت کیوں گوارا کرتا؟

والسلام

۲۵ لندن، البرٹ ہال مینشن، ۷ اپریل ۱۹۲۰ء

برادر مکرم، السلام علیکم

۷۲

مجھے اپنی سستی بلکہ غلطی کا اقرار ہے کہ میں نے سیرۃ جلد دوم کا دیباچہ لکھ کر اب تک نہیں بھیجا، اداس اس کو بھیج رہا ہوں۔ غالباً یہ دو صفحے میں آجائے گا۔ مولوی عبدالسلام صاحب اس پر ایک نظر ڈال لیں۔ فرمائیے، ندوہ میں کیا گزری، طلبائے قدیم کا مجمع کیسا تھا۔ اہل بہار نے داد سخاوت دی یا نہیں، آپ کی سیر و سیاحت کے حدود کہاں سے کہاں تک رہے۔ نواب عماد الملک کو یاد دہانی کا خط لکھئے۔ بجٹ ضرور بنوا کر بھیجئے، افسوس ہے کہ اردو اخبارات یہاں کوئی نہیں بھیجتا۔ بھائی شوکت اور ان کے

سکرٹری نے وعدہ کیا تھا مگر آج تک ایفانہ ہوا۔ اگر آپ سے یہ ثواب کا کام انجام پاسکے تو عنایت بے غایت۔

آج کل لندن تمام حق طلب قوموں کا آماجگاہ ہو رہا ہے۔ راہ میں تھے کدستھو نیا اور جارجیا کے ممبروں سے ملاقات ہوئی تھی، آذربائیجان کی اسلامی ری پبلک بھی ان ہی حق طلب و فود میں شامل ہے۔

مصر کے وطن پرست ارکان بھی یورپ اور امریکہ کے درمیان دوڑ رہے ہیں یہاں آکر ایک چیز میں نے بالکل نئی سنی، اور معلوم ہوا کہ پالیٹکس کی دنیا میں اس کا بڑا نظام ہے۔ اور وہ لفظ ”پروپگنڈہ“ ہے۔ یعنی تم اپنے مقصد کے لحاظ سے سچ یا جھوٹ جو بات تمام دنیا کو منوانا چاہتے ہو، اس کو اخبارات، اشتہارات، جلسوں اور ایجنٹوں کے ذریعہ سے اس قدر ہر جگہ پھیلا دو کہ اس گنبدِ مینا کے نیچے ہر گوشہ اور ہر کونہ سے وہی ایک صدا سنائی دے اور چند روز بعد وہ تاریخی واقعہ بن جائے اور تمام مہذب قوموں کو اس کا یقین ہو جائے۔ خواص کو کتابوں میں اور عوام کو ناٹکوں اور تھیٹروں میں وہی تماشے دکھائے جائیں معلوم ہوا کہ یورپ میں طلبِ حقوق کا یہی ذریعہ ہے، اور تمام قوموں نے باری باری اس کو آزمایا ہے، لیکن کس پر؟ غریب ترکوں پر، یونان نے یہی کیا، سرویا اور بلغیریا نے بھی یہی کیا۔ اب یہی نسخہ ارمنی آزما رہا ہے۔ جہاز پر قدم رکھنے کے ساتھ جس سے گفتگو پیش آئی ہے وہ ارمنی پروپگنڈے کا مسحور نظر آیا، کوئی امریکہ کا رسالہ پیش کرتا ہے، کوئی امریکہ کے مشن کی رپورٹ کا حوالہ دیتا ہے، اوکشن آف سول یعنی روح کا نیلام ایک نامک لکھا گیا ہے جو یہاں تمام تھیٹروں میں کھیلا جاتا ہے، اور جس میں ترکوں کے مظالم اور ارمنوں کی بیکسی کی خون آلود داستان ہے میں چند صفحوں سے زیادہ اس کتاب کو نہ پڑھ سکا۔ یہاں کے اخبارات میں ان کے اُجرتی مضامین اور اعلانات اس طرح شائع ہوتے ہیں کہ اب بہت کم اخبارات گزشتہ بیانات کی تردید

کے لئے جگہ نکال سکتے ہیں، اخبارات میں منطومی دوا دخواہی کی ایک درخواست ارمینوں کی طرف سے شائع کی گئی، کہ اس کی خانہ پری کر کے لوگ اپنے اپنے حلقہ کے ممبران پارلیمنٹ کے پاس بھیجیں۔ ترکوں کے شدید دشمنوں میں ایک بزرگ لارڈ برائٹس، ہاؤس آف لارڈز کے ممبر ہیں۔ میں ان کے دیدار سے مشرف ہوا، انھوں نے تقریباً تین چار سو صفحوں کی ایک کتاب مرتب کی ہے، اور جو گورنمنٹ برطانیہ کی طرف سے شائع کی گئی ہے۔ اس میں مشنریوں کی اور بعض اخبارات اور بعض دیگر ذرائع کی ان شہادتوں کو جمع کیا ہے، جس کی بنا پر ترکوں کو ستم گری کا مورد بنایا گیا ہے۔ اور ارمینوں کی معصومی و بے چارگی و بے گناہی پایہ ثبوت کو پہنچائی گئی ہے۔

یونانی انگلش انجن قائم ہے، جس کی طرف سے رسائل اور مضامین کا انبار لگ رہا ہے۔ جس میں یہ نظام تیار کیا جا رہا ہے کہ یونان ڈیڑھ ہزار برس پہلے ایشائے کوچک اور دیگر مشرقی ممالک میں جس طرح حکمران تھا، اس کو پھر اسی طرح حکمران کر دیا جائے۔ سمرنا کا قبضہ اس سفر کی پہلی منزل ہے۔ خدا جانے ہندوستان کا کیا حال ہو، یہاں تو ایک مستقل نظام کا رد پیش ہے۔

۲۶، لندن، ۲۳ اپریل ۱۹۲۶ء

برادر عزیز، سلام شوق!

عفو طلب ہوں کہ پچھلے ہفتہ میں کوئی خط نہیں لکھ سکا۔ سبب یہ کہ جس دن ڈاک جاتی ہے اسی کی شب کو پیرس سے واپس آنا ہوا۔ دوسرے دن ماہ کی خستگی کام کی فرصت نہ دے سکی۔ اور دل کے ایک گوشہ میں چپکے سے یہ بھی ایک خیال تھا کہ دو ہفتے آپ ناغہ دے گئے، میرٹھ اور لکھنؤ کے لطف سفر میں مصروف رہے اور واپسی

میں دارالسلطنت ضرور نزول اجلال ہوا ہوگا۔ اس لئے میں ضعیف الطبع آدمی دوستوں کا انتقام ایک ہفتہ سے لے سکا۔ بہر حال اب کچھ آپ بھی احوال وطن سنائیے کہ ہم غریب لیا تو آپ ہی جیسے اربابِ کرم کے کاغذ کے ٹکڑوں پر جلتے ہیں۔ اس ہفتہ میں نے متعدد اشخاص کو صرف ان کی دل چسپی کی باتیں لکھیں۔ آپ کو میں لطیف تر تحفہ نذر کرنا چاہتا ہوں، ایک لطیفہ سنئے یا نامہ عبرت پڑھیے کہ ہم مسلمان گو تمام دنیا میں پھیلے ہیں جب تک کھانے پینے کو تھا اور عیش و راحت کی زندگی تھی، مزہ سے خواب غفلت میں استراحت فرماتے رہے، لیکن جب ادھر ادھر سے طمانچے لگنے شروع ہوئے، مصائب و آلام کا ہجوم ہوا، تو چونکے، بیدار ہوئے، ادھر ادھر تا کا، اب ہر جماعت اپنی جگہ پر یہی سمجھی کہ خوب ہوا اور خدا کا شکر ہے کہ ہم اُٹھ بیٹھے۔ لیکن افسوس کہ ہمارے دوسرے مسلمان جو دور دور ملکوں میں ہیں، اب تک محو خواب، نا آشناے احساس، مبتلائے جہالت ہیں۔ دینی اور حوادثِ حاضرہ کے فہم و تدبیر سے عاری ہیں، اس لئے ہر سرزمین کے اسلامی ملک میں شادی و غم کی ایک عجیب متضاد کیفیت ہے۔ لیکن اب جیسے جیسے ایک دوسرے سے ملنے کا موقع ملتا جاتا ہے انہیں تعجب ہوتا ہے کہ ایسے یہ تو ہماری ہی طرح بیدار ہیں، اُن کے دلوں میں تو وہی احساسات پیدا ہیں جن کو ہم محسوس کر رہے ہیں، حوادثِ زمانہ کے لطمے ان کو بھی مصائبِ حاضرہ سے آگاہ کر چکے ہیں، مراکش والوں کو ہرے سے یہی خبر تھی کہ ہندوستان کی سرزمین میں بھی نور اسلام شعاع افگن ہے۔ وہاں بھی کچھ مسلمانوں کا وجود ہے۔ خود ہم کو چین کی اسلامی آبادی کا علم کب ہوا۔ اور اب بھی صحیح تعداد اور دیگر حالات معلوم نہیں، ملایا کے تین کروڑ اور نائیجیریا کے ڈیڑھ کروڑ مسلمانوں سے اب بھی عام مسلمان آگاہ نہیں، فلپائن اور مدغاسکر میں اسلام کا نشان ہم نے نہیں ہمارے دشمنوں نے پایا۔

بہر حال لندن میں نہیں مگر فرانس جا کر آنکھیں کھل گئیں۔ حقیقت میں وہ

اس وقت اُمّ البسلا دہے، بھانت بھانت کے آدمی وہاں موجود ہیں اور آج کل کی سیاہی دُنیا نے پیرس میں ڈیلی گیشنوں اور وفدوں کا، ہجوم لگا دیا ہے، پیرس کی لطف آمیز پالیسی ہر وفد اور ہڈیلی گیشن کو اپنی طرف مائل کر رہی ہے۔ انگلینڈ کی خستہ بہت کم لوگوں کو انگلش چینل کے عبور کرنے کی ہمت دلاتی ہے۔

مختلف ملکوں اور مختلف سلطنتوں کے مسلمانوں سے مل کر یہ بات اچھی طرح پورے یقین کے ساتھ منہ بشین ہو گئی کہ مسلمانوں کو قعرِ مذلت سے نکلنے کے لئے ان حوادث اور مصائب کے پُر تنبیہ وجود کی ضرورت تھی، اس لئے ان مسلمانوں کا احساس جو غیر حکومت میں رہتے ہیں بہت تیز ہے، کیونکہ ان کے مصائب شدید ہیں لیکن مسرت کی بات یہ ہے کہ اب ہر جگہ امید اور توقع کی روشنی نظر آتی ہے۔ مجھے اتنے ملکوں کے مسلمانوں سے ملنے کا موقع ملا۔ ترکی، شام، مصر، ٹیونس، روس، چین، ملایا، ہر جگہ ترقی کے آثار، خیالات کی بلندی، احساسات کی بیداری، دست بردِ زمانہ کا علم، جدید آلاتِ عمل، جدید علم و فن، جدید تدبیر و سیاست سے آگاہی، اسلامیت کا ورد، قومیت کا وجدان، اتحادِ عام کی پُر زور خواہش، دوست و دشمن کی تمیز، دشمنوں سے کامل عداوت اور دوسرے ملکوں کے اسلامی بھائیوں کی تلاش جو جستجو پیدا ہے

ایں بہ بیداری ست یارب یا بہ خواب

مجھے یقین کامل ہو گیا کہ دنیا ابھی ایک بار اور پلٹا لے گی۔ آپ خوش ہوں، توفقات اور زیادہ پیدا کریں۔ موجودہ حوادث ایک بادل ہے، جس کے پیچھے خوشی و مسرت کی بجلیاں چمک رہی ہیں۔ نوجوان مسلمان ایک نوجوان اسلام پیدا کریں گے، پُرانی دیواریں گر گئیں، گر جانے دیجئے۔ تیرے برس کی پہلی مضبوط بنیادوں پر نئی دیواریں قائم ہو رہی ہیں۔ والسلام۔

۲۵ لندن، ۸ البرٹ ہال مینشن، ۲۸ اپریل ۱۹۲۰ء

سلام نیاز و محبت

۴۴

عنایت نامہ مورخہ ۲۷ مارچ یہاں ۲۲ - اپریل کو پہنچا۔ یاد آوری کا شکریہ، آپ محمد علی صاحب کی تمام لندن تقریروں کو پسند کرتے ہیں، یہ کیا بولاجی ہے؟ اختلاف مقاصد کے ساتھ یہ اتحاد مذاق! مگر واقعہ یہ ہے کہ نہ صرف آپ لکچر یہاں کے معتبر انگریز تک ان کا لوہا ملتا ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ خاکسار بھی اپنے درجہ میں پہنچا نہیں، سعدی پاشا زلفلول مع وفد مصری، نوری سعید پاشا مع وفد شامی و حجازی اور دیگر اہل تونس میری عربی دانی کا بھی لوہا مان گئے (اما بنعمہ ربک فحدث) میری عربی گفتگو پر ان کو تعجب ہوا اور فرمایا کہ تم ہم سے بھی اچھی عربی بولتے ہو۔ ولا فخر، لوگ کہتے تھے کہ عربی تقریر و تحریر پر تمہاری محنت ضائع ہوئی، لیکن بمبئی چھوڑنے کے بعد میں دیکھتا ہوں کہ انگریزی کے بعد اس نے بڑے وقتوں میں کام دیا۔ فرانس میں تین تاتاری قازانی مسلمانوں سے ملاقات ہوئی جو قازان کی اسلامی ری پبلک کے سفراء تھے، تینوں خاصی عربی بولتے تھے۔

۱۳ سے ۲۰ تک ہمارا وفد پیرس میں مصروف کار رہا۔ وہاں جو کچھ گزری اُس کے حوالہ قلم کر کے کی اجازت نہیں تاہم اتنا سمجھ لیجئے کہ موجودہ حالت سے وہ مطمئن نہیں، اور وہ بھی اپنے کو اسی سنگمر کا مظلوم سمجھتے ہیں جس کے ہم گلہ مند ہیں۔

وہ فلسفہ امن جس کی تبلیغ آپ ہندوستان میں کرنا چاہتے ہیں غریب ہندوستان کو چھوڑیے انگلینڈ میں آکر اس کی تبلیغ کیجئے۔ اب تک میں نے انگلینڈ میں کسی شخص کی زبان سے امن کا نام نہیں سنا۔ لیبر پارٹی ہے جس کی نسبت جنٹلن ہے کہ وہ آپ کی ہم خیال ہے۔ مسٹر لینسبری جو یہاں کی لیبر پارٹی کے ممبر اور ڈپٹی ہیرلڈ کے ایڈیٹر ہیں وہ ۲۲ اپریل کے جلسہ خلافت کے پریسیڈنٹ تھے۔ اپنی افتخاری

تقریر میں بیشک انھوں نے بھی ظاہر کیا کہ وہ امن و سلامتی کے طالب ہیں، لیکن جیسا کہ ایک فرینچ مین موسیو کوکونیونے مجھ سے کہا کہ انگلینڈ کی لیبر پارٹی باوجود سوشلسٹ ہونے کے نیشنلزم کی اسپرٹ سے خالی نہیں اور اس کا تجربہ وفد خلافت اور لیبر پارٹی کے متعدد مکالموں میں نمایاں نظر آیا۔ ہندوستان اور مصر کا سوال ان کے لئے بھی اسی قدر تلخ ہے جس قدر انگریز ٹوریوں کے لئے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ ”مستبد“ (کنسرویٹو اور لیبرل) ان کو غلامی کا درجہ دیتے ہیں، اور یہ احرار (لیبر) ”دوست“ سمجھنا چاہتے ہیں مگر ان کو اپنے سے علیحدہ کرنے پر کوئی راضی نہیں۔ خلافت کے مذکورہ بالا جلسہ میں محمد علی صاحب نے ایک موقع پر اپنے لئے ”فیلو سبجکٹ“ (ہم رعایا) استعمال کیا۔ لیننبری نے زانو پر ہاتھ مار کر کہا کہ یہ کیا کہتے ہو ”فیلو سبجکٹ“، (ہم شہری کہو) کیونکہ سوشلسٹ کسی قوم کو رعایا نہیں سمجھتے، محمد علی صاحب نے ہنس کر کہا اگر مسٹر لیننبری بھی پانچ برس قید ہو سکتے تو ایسی تعلیم نہ دیتے۔

بہر حال پیرس جا کر بے شک میں نے دیکھا کہ ”امن طلب و امن خواہ“ افراد کی ایک خاصی تعداد وہاں ہے۔ موسیو لانگے جو وہاں کی سوشلسٹ پارٹی کے لیڈر اور سوشلسٹ اخبار ہالولر کے ایڈیٹر ہیں۔ ایک محبت مجسم انسان ہیں، فرانس کے سوشلسٹ انگلینڈ کے لیبرس کی طرح ”تنگ خیال“ نہیں، وہ نیشنل کے بجائے انٹرنیشنل ہیں۔ فرانس میں ایک خاتون میڈوزل پور دوسے باتیں کر رہا تھا کہ میری زبان سے ”لڑائی“ کا لفظ نکلا، اس نے کہا لڑائی کا لفظ کیوں بولتے ہو۔ میں تو امن کی متلاشی ہوں۔ یورپ کے متعدد ملکوں میں سے انگلینڈ میں نہیں بلکہ فرانس میں میں نے بیگوراد اس کے فلسفہ امن کی تھیوری کی مدح سنی۔ فرانس کے متعدد پیوٹیوں سے ملاقات ہوئی۔ جن میں ایک ہندوستان کے ڈیپوٹی بھی تھے، سب کو امن کا طالب پایا۔ موسیو کیلار فیرے ایک مشہور فرینچ اہل قلم سے ملاقات ہوئی۔ اس نے جس لطف و محبت، تواضع اور انسانی ہمدردی سے

باتیں کہیں اور اس کے لفظ لفظ اور ایک ایک ادا سے جس انسانیت اور عالمگیر اخوت کا اظہار ہو رہا تھا قلم عاجز ہے کہ اس کی تصویر کشی کر سکے۔ اس نے کہا میں کتھولک ہوں، میں سمجھ سکتا ہوں کہ مسئلہ خلافت تمہارے دل سے کس طرح لگا ہو گا۔ اس نے کہا اگر فرانس تمہارے خلاف انگلینڈ سے متحد ہے تو میں اکیلا فرانس سے لڑوں گا وہ گو فرینچ میں باتیں کر رہا تھا ڈاکٹر نہاد شاد ایک ترک انگریزی میں ان کی ترجمانی کر رہے تھے یا ہم مرحوم غالب کی طرح

واہ ری تقدیر کی لذت کہ جو اس نے کہا

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

ترجمہ سے پہلے مطلب مفہوم ہو جاتا تھا، محمد علی صاحب جو باوجود ظاہری ڈیل ڈول کے ذرا موقع پا کے فوراً آنسو ٹپکا دیتے ہیں اس وقت بھی آمادہ ہکا تھے۔ مگر خیریت گزری۔ ہم لوگ جب اس کے گھر سے نکلے تو گو حضرت اکٹھویں منزل پر تھے، لیکن کھڑکی سے جھانک کر سڑک پر چلنے والے غریب الدیار ہندوستانیوں کو سلام کر رہے تھے۔

اور تو اور ترک جو ہمیشہ جفا گرا اور رستم پیشہ سمجھے گئے، عجائبات فرانس میں یہ ہے کہ یہاں ایک ترک سوشیا لسط سے بھی ملاقات ہوئی۔ بیچارے نہایت نیک اور غریب مزاج ہیں۔ ڈاکٹر توفیق بہزاد نام ہے۔ ایک فرینچ اخبار میں اپنا ایک مضمون "اسلام اور سوشلزم" دکھایا۔

www.KitaboSunnat.com

موسیولانگے سے میں نے کہا، آج نہیں بلکہ آج سے دس سال پہلے میں نے

د اسلام اور سوشلزم پر ایک مضمون لکھا ہے۔

۳ مئی کو کیمزج کے مسلمان طلبہ نے دعوت دی ہے، اور اکثر مختلف البلاڈ مسلمانوں کو بلایا ہے، آج شب کو اڈنبرا جانا ہے۔ وہاں سے مانچسٹر۔ دونوں جگہ ہماری طرف سے جلسے۔ اس کے لئے جو اشتہار دیا ہے اس پر جامع دہلی کا نقشہ بنا ہے۔

۵ مئی کو پھر پیرس، ترکی ڈیلیگیٹوں سے پہلے پہنچنا ہے۔

پرسوں مسٹر مانیٹگو سے ۶ بجے شام کو انڈیا آفس میں ملاقات ہوئی۔ نہایت
ہمدردی سے گفتگو کی۔ اور اپنی نسبت کہا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اور رہوں گا۔ اور
فرمایا وہ دن دور نہیں جب میری جگہ کوئی مسلمان سکریٹری آف اسیسٹ ہو۔ زیادہ سے
زیادہ ۶ برس کی دیر ہے۔ فرمایا کہ اگر ایرانی انگلش معاہدہ کے طریقہ پر عراق میں کارروائی ہو۔
تو پسند کرو گے، سید حسن صاحب نے کہا کہ ہم ہندوستانی تو سمجھتے ہیں کہ ایران ختم ہو چکا۔
وزیر ہند نے کہا کہ نہیں نہیں، یہ غلطی ہے۔ تم چند سال میں دیکھو گے کہ ایران اپنے پاؤں پر
کھڑا ہو گا۔ محمد علی صاحب نے بر محل کہا کہ کھڑا ہو گا مگر دوسروں کو ڈھکیل نہیں سکے گا۔
مجھے ایک مثال بھی دیجئے جہاں کوئی یورپین طاقت جا کر واپس آئی ہو، فرمایا مگر ہنس کر
”یسور، ہیلو گولینڈ“ یعنی گویا یہ ظرافت تھی، ایک بات انھوں نے تسلیم کی کہ آج کل کسی
ایسے مسلمان یا ہندو سے ملاقات نہیں ہوئی جو ہندوستان سے آیا ہو اور اس نے یہ نہیں
بیان کیا ہو کہ مسئلہ خلافت پر تمام ہندو مسلمان متفق ہیں اور شدید جوش و خروش پیدا ہے۔
آخر میں میں نے عرض کیا کہ مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی کی نسبت کچھ عرض
کرنا چاہتا ہوں، جو مالطہ میں بے قصور نظر بند ہیں۔ حالانکہ لفظ پالٹیکس کا ان کی
ذات کی نسبت اطلاق ان کی تحقیق ہے، وہی جواب دیا جو صوبہ متحدہ کی کونسل میں
مل چکا ہے کہ برٹش گورنمنٹ نے نہیں بلکہ عرب گورنمنٹ نے ان کو قید کیا ہے، میں نے
عرض کیا کہ یہ عجب تماشا ہے، مستند عرب ارکان حکومت سے جب ہم لوگوں نے پوچھا
تو انھوں نے اس سے انکار کیا۔ محمد علی صاحب نے خوب کہا کہ ”اگر عرب گورنمنٹ ان
کو پسند نہیں کرتی تھی تو ہندوستان کے سپرد کر دیتی، مالطہ تو اس کے حدود و مقبوضات
میں نہیں“ مسٹر مانیٹگو نے اپنی سکریٹری کی طرف اشارہ کیا کہ اس کی یادداشت لکھ
لو، سو اگھنڈ تک گفتگو رہی۔ محمد علی و سید حسین صاحب صفائی اور دلیری
سے باتیں کرتے رہے۔

یہاں لندن میں ایک بزرگ پروفیسر لیون ایم اے ہیں جن کی ایک علمی انجمن ہے۔ وہ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں مصطفیٰ اسلامی نام ہے سلطان عبدالحمید کے مصاحبوں میں تھے۔ ان کو اپنا دوست کہتے ہیں آدمی صاحب لیاقت ہیں۔ اس انجمن کا نام اور اس کے مقاصد ان دو دعوتی رفحوں سے معلوم ہوں گے جو میرے نام آئے ہیں۔ مجھے بھی داخلہ کی دعوت دی، لیکن میں نے پسند نہ کیا۔

میں نے آپ کا خاصہ وقت لیا۔ رخصت ہوتا ہوں۔ ایک مختصر مضمون آپ کے معارف کے لئے پیش کش ہے۔ والسلام

۲۵ لندن، البرٹ ہال مینشن، ۲۸ اپریل ۱۹۲۰ء

عم محترم، السلام علیکم،

ع، ح

اس ہفتے میں لکھنے کو تو بہت سی باتیں ہیں، یہاں کے دو جلسے، اخبارات کی چھ میگوئیاں، پیرس کی ادنیٰ ادنیٰ ملاقاتیں، ان کی ہمدردیاں، وہاں کامیاب جلسہ، مگر بسا افسانہ کہ درجن نئی گنجد، سب سے آخری واقعہ پریسوں کی شام کو مسٹر مائیگو سے سو اگھنٹہ کی ملاقات ہے، جس کی تفصیل کو بھی سو اگھنٹہ ہی چاہیئے۔

شاید کسی پچھلے خط میں جنرل لوری سعید پاشا اور جنرل حداد پاشا اور جید سترم بے نائبین امیر فیصل کی ملاقات کا حال لکھ چکا ہوں۔ پیرس میں خدیو عباس حلمی پاشا کے بھائی پرنس محمد علی کی ملاقات نہایت دلچسپ رہی۔ خود انھوں نے بلوایا، تیسرے دن ہمارے وفد نے بھی ان کو دن کے کھانے کی دعوت دی۔ مصری وفد نے ۱۶ اپریل کو پیرس میں ہمارے وفد کو ڈنر دیا۔ سعد پاشا نا غلول سے مل کر طبیعت بہت خوش ہوئی۔ زیادہ تر وہ مجھ ہی سے عربی میں باتیں کرتے رہے۔ خلافت اور جزیرۃ العرب کے مسئلہ میں وہ دل حلق سے شریک لیکن انھوں نے کھلے دل سے بار بار مصریوں کی طرف سے معذرت مانگی اور ایسے اسباب بتائے جن کی بنا پر مصالح اسلام اسی کے مستحق ہیں کہ وہ زبان سے خاموش رہیں،

تونس مسلمانوں سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ عبدالعزیز ثعالبی ان کے لیڈر ہیں۔ اور پاس شدہ لیڈر یعنی جلاوطنی اٹھا چکے ہیں، ملنے کے بعد میں نے پہچانا اور انھوں نے بھی پہچانا کہ ۱۹۱۳ء میں بلقان کے زمانہ میں ان سے کلکتہ میں ملاقات ہوئی تھی۔ تونس الحمد للہ کہ مصر کے قدم بقدم چل رہا ہے۔ وہاں کی عربی زبان اچھی ہے۔ جدید ترقی کے آثار نمایاں ہیں، وہاں کا جامع زیتون عربی کا سب سے بڑا مدرسہ ہے۔ ایک ہزار طالب علم اور ۴۰۰ کے قریب مدرس ہیں، پیرس میں فریخ تعلیم کے تونسوی طالب علم ملے۔ بعض قانون، بعض ڈاکٹری پڑھتے تھے۔ پیرس میں میں نے عربی میں تقریر کی، اس کا فریخ ترجمہ ایک تونسوی مسلمان ڈاکٹر قرطبی نے سنایا، ان کے اجداد قرطبہ کے رہنے والے تھے۔

وہاں تاریخی مسلمانوں سے مل کر ان کی جدید ترقی کے حالات معلوم ہوئے۔ دو چینی مسلمان طالب علموں سے ملاقات ہوئی۔ ایک ملائی طالب علم سے لندن میں ملا۔ پیرس کے قیام کا ایک مختصر روزنامہ ذیل میں آپ کے لئے لکھتا ہوں :-

۱۳ اپریل ۸ بجے صبح کو لندن سے روانہ ہو کر ۴ بجے شام کو پیرس آئے، اسٹیشن پر ڈاکٹر نہاد رشاد سے ملاقات اور ہوٹل رجبینا میں قیام۔

۱۴ اپریل: میدموزل پورود (کارکن اسلامک بیورو پیرس) اور موسیو کوکو نیر (زبردست محب ترک) اور موسیو لانگے (ایڈیٹر پاپولر ویڈیو فریخ سوشیالیسٹ پارٹی) کی ملاقات،

۱۵ اپریل: موسیو پاتھے، ڈیپوٹی پیرس، احمد رضا بے سابق پریسیڈنٹ ٹرکس پارلیمنٹ کی ملاقات، رات کو ہوٹل میں فرانسیسی ہمدردوں کا جلسہ مشاورت، ایک کیتھولک عیسائی کی ہمدردی، ایک چینی کی ہمدردی۔

۱۶ اپریل: موسیو میلے ایڈیٹر طان (مشہور روزانہ فریخ اخبار) اور چیف آف دی کینیٹ آف منسٹری کے نائب سے ملاقات، مصری وفد یعنی سعد پاشا زاغلول، محمد پاشا محمود

اور احمد باسل پاشا کے ساتھ ڈنٹر اور متعلقہ مسائل پر گفتگو۔

۱۷-۱۸ اپریل: موسیو پرتی ویارڈ تان ارکان وزارت خارجہ ایشیا، فرانس سے ملاقات گفتگو، موسیو لانگے سے دوبارہ ملاقات۔

۱۸-۱۹ اپریل:- خدیو عباس علمی پاشا سابق خدیو مصر کے بھائی پرنس محمد علی سے ملاقات، اور پنج اور ہندوستان و مصر خلافت کے مسائل پر گفتگو، روسی قازانی، اسلامی وفد سے ملاقات، جن کے ارکان کچ نام صدری مقصود اف، محمود فواد توقعاروف، غیاصل سحاقوف ہیں۔ یہ روسیہ مسلمانی ادارہ ملیہ کے ممبر ہیں۔ میرالونسی مسلمانوں کے یہاں جانا،

۱۹-۲۰ اپریل:- موسیو بلیوژان ڈیپوٹی (ممبر) فرسخ انڈیا سے ملاقات، ان کے پاس سلطان مراکش کا عطیہ تمغہ دیکھا۔ ان کی ماں ہندوستان ہی میں پیدا ہوئی تھیں، ان کا وعدہ اعانت، نیز موسیو کیلار فیرے فرسخ اہل قلم سے ملاقات، ان کی ہمدی کا لطف کبھی نہ بھولے گا، نیز ملاقات ڈاکٹر توفیق نوزاد ترک سوشیالسٹ

۲۰-۲۱ اپریل:- مجلس مدافعت مصالح فرانس و ترکی طرف سے جلسہ خلافت۔

۲۱-۲۲ اپریل:- لندن کو واپسی۔

آج شب کو اڈنبرا، وہاں سے ۲۱ کو منچسٹر، ۲۲ مئی کو کیمبرج، ۵ مئی کو پھر پیرس جانا ہے۔ ان تمام ملاقات میں ہمارے جلسے ہیں۔

اس بھاگ دوڑ میں ایک چھوٹا سا مضمون محاربت کے لئے لکھ کر بھیج دیا ہے۔ اس وقت محمد علی صاحب ہمارے سامنے گرسی پر بیٹھ و فدا اور مانٹلیگو کے مکالمہ کی کاپی کی تصحیح کر رہے ہیں۔ آگے آتشدان روشن ہے۔

۲۹ لندن، ۶ مئی ۱۹۲۰ء

مخدوم معظم، ادام اللہ بقارہ

ع ب مولانا عبد الباقی ننگی محلی کے نام

محکم دوزی یونس فرخانی علی بن علی السلام علیکم ورحمۃ اللہ والہامانہ شرف صدور بخشا، گذشتہ ہفتہ کی ڈاکتے مولوی بولنس کے

ذریعہ سے کچھ پیام بھیجا تھا، امید ہے کہ پہنچا ہوگا۔

الحمد للہ کہ وفد شب و روز کام میں مشغول ہے۔ جس طریقہ سے اور جس تدبیر سے کامیابی کی راہ نظر آتی ہے اُدھر متوجہ ہو جاتا ہے۔ جب سے یہاں آنا ہوا، ایک دو بجے شب سے پہلے کبھی کوئی بستر پر نہیں گیا، اخبارات میں مضامین لکھنا، معترضین کے جوابات تحریر کرنا، لوگوں سے ملنا، شہروں کا دورہ کرنا، وزراء پر اثر ڈالنے کی تدبیریں اختیار کرنا، ترکوں کی نسبت بدگمانیاں دُور کرنا، ترک و عرب کو باہم ملانا، دوسرے اسلامی ملکوں کے مسلمانوں کے خیالات دریافت کرنا، یہی سب صورتیں وفد کے سامنے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کام انجام پایا اور پارہا ہے۔

سٹراماٹیکو صحت پاکر جب سے آئے ہیں، دو دفعہ وہ مل چکے ہیں، ایک دفعہ ۲۶ اپریل کو پورے وفد سے انھوں نے ملاقات کی۔ اور دیر تک طرفین میں گفتگو کا سلسلہ جاری رہا، میں نے صرف مولانا محمود حسن کے معاملے کو پیش کیا، پوری گفتگو لکھ لی گئی ہے۔ مگر اشاعت کی اجازت انھوں نے نہیں دی۔ پھر چند روز بعد غالباً ہم رمی کو انھوں نے محمد علی صاحب کو تنہا بلایا اور بہت کچھ شیریں کلامی سے کام لیا، لیکن ہمارا شیریں جگہ سے نہ ہٹا۔ انھوں نے پہلی ملاقات میں فرمایا کہ اگر عراق کا معاملہ ایران و انگلستان کے معاہدہ کی طرح طے ہو تو منظور ہے۔ سید حسین و محمد علی صاحب نے کہا کہ ایران کے معاہدے کے معنی ہم ایران کے خاتمے کے سمجھتے ہیں۔ ہم مسلمان مقامات مقدسہ میں کسی نوع اور کسی حیثیت کی حکم برداری یا حمایت یا حفاظت کسی صورت کو تسلیم نہیں کر سکتے ہیں۔

مظالم ارمینیا کی نسبت وفد نے جو طریقہ اختیار کیا ہے بعض اخبارات سے اور آپ نے مولوی ابوالکلام صاحب کے جن تار کی نقل بھیجی ہے اس سے معلوم ہوا کہ بعض صاحبزادوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ سب سے پہلے ایک ضروری تمہید عرض کر لوں

جس طرح آج تمام عالم تین برطانیہ کے سایہ میں جی رہا ہے، اسی طرح تمام دنیا کے جو اس خمہ ان برقی عصبات اور رگوں سے اپنا علم و وجدان حاصل کرتے ہیں، جو ریوٹر کی تاروں کی صورت میں جسم زمین کی سطح پر پھیلے ہوئے ہیں۔ یہاں آکر تو سب سے پہلی بات مجھے تسلیم کرنی پڑی کہ تقریباً سو برس سے دنیا کی تاریخ کا کوئی اعتبار نہیں، بڑے سے بڑے مضمون یا تقریر میں سے اس طرح چند باتیں ادھر ادھر کی حسب مدعا چھانٹ لی جاتی ہیں کہ قائل و متکلم کو اس سے ایک ذرہ تعلق نہیں ہوتا۔

دوسرے دن وہی بات ریوٹر کے الہامی ذرائع سے تمام دنیا میں اس طرح پھیل جاتی ہے کہ آپ اس کی تردید سے قطعاً عاجز ہیں۔ کوئی کیا کر سکتا ہے اور کس طرح اپنا جواب تمام دنیا کو سنا سکتا ہے، محمد علی صاحب نے دو کنگ میں تقریر کی، تقریر یقیناً پُر جوش تھی۔ اس کا خلاصہ لندن کے اخبارات میں یہ چھپا۔

”محمد علی کی دھکی انگلینڈ کو“ محمد علی نے کہا ہے کہ اگر انگلینڈ اسلام کو کچلنا چاہتا ہے تو اسلام انگلینڈ کو کچل ڈالے گا۔ اگر انگلینڈ اب خلیفہ سے لڑا تو مسلمانان ہند خلیفہ کی فوج میں داخل ہوں گے“ وغیر ذلک، انگلستان میں رہ کر انگلستان سے کام محض غیظ و غضب سے نہیں لیا جاسکتا۔ بلکہ دانشمندانہ طریق عمل سے لیا جاسکتا ہے۔ بغیر اس کے اپنے ضعف و کمزوری کا کوئی پہلو بھی دکھایا جائے۔ ہم نے اب تک پوری قوت اور ساتھ ہی پورے حزم و احتیاط کے ساتھ اپنے تمام مذہبی احکام یہاں کی حکومت اور جمہور کے سامنے پیش کر دیئے اور کر رہے ہیں۔ اور کسی حکم کے ظاہر کرنے میں کسی قسم کا خوف نہ پس و پیش نہیں کیا۔ جس حسن اسلوب سے جو بات یہاں کے حالات کے مناسب معلوم ہوئی کی گئی۔ ہمارے نمایندوں نے تحریر و تقریر کے ذریعہ سے اپنے مدعا کو جس زور و قوت سے بیان کیا، شاید اب تک کوئی مسئلہ ان کے سامنے ہندوستان کے تعلق سے بیان نہ کیا گیا ہوگا، وندا، وفد کے اعتدال و میانہ روی کی ادبیری زبان سے مدح کر کے

اور ہندوستان تک اس تعریف کو پہنچا کر ایک کھیل کھیلنا چاہتے ہیں کہ ہمارے پُر جوش مسلمان بدگمان ہوں۔ اس صحرا میں ایک ایک قدم پھونک کر رکھنا اور ایک ایک کانٹے کو دیکھ کر چلنا چاہیے۔ غالباً آپ میرا مطلب سمجھے ہوں۔ خدا ان کی پالیسی سے دنیا کو محفوظ رکھے۔
 وفد نے خلافت اور جزیرۃ العرب کے متعلق اسلام کے جو احکام تھے ان میں سے ہر ایک کو کہا اور بتایا، علمائے ہندوستان کے جو فتاویٰ اور دستخط آپ نے جمع کئے تھے اور میں نے اپنے ساتھ لے لئے تھے وہ بھی سامنے رکھ دیئے لیکن وزیر اعظم صاحب نے بجز کھڑے کھڑے شکریہ کے ان کی طرف توجہ بھی نہیں کی۔ ہاتھ بھی ان کے لینے کو نہیں بڑھایا۔

ارمینیا کی کیفیت یہ ہے کہ امریکہ اور انگلستان کے جو مشنری ایشیائے کوچک میں مقیم تھے ان کا ہاتھ اس کے اندر کام کر رہا ہے، انگلستان کے ارباب سیاست نے ان مفروضہ مظالم کو اپنی سیاسی اغراض کے لئے مناسب سمجھا۔ اس لئے اخبارات و رسائل، تصنیفات، مضامین اور تقریروں کے ذریعہ سے اس طرح ان مظالم کا شہرہ تمام کر رہا ہے کہ آپ نے ترکوں کے متعلق ایک حرف بھی زبان سے نکالا کہ جواب میں ارمینیا کا لفظ مخاطب کی زبان سے نکلا۔ ہماری طویل سے طویل بہتر سے بہتر اور مدلل سے مدلل تقریر و مضمون کا جواب ارمینیا کا مختصر لفظ سمجھا جاتا ہے۔ ہم نے بمبئی میں جوں ہی جہاز پر قدم رکھا اور انگریزوں اور امریکیوں سے گفتگو پیش آئی، ارمینیا کے مظالم کی داستان انہوں نے شروع کر دی، ہم ایسے ملک میں ہیں جہاں اخبارات و جرائد متلو کا درجہ رکھتے ہیں جس زمانے میں یہاں قسطنطنیہ کا مسئلہ پیش تھا روزانہ قتل عام کی خبریں کوچر و بازار میں شائع ہوا کرتی تھیں۔ عین اس شب کو جب پارلیمنٹ میں قسطنطنیہ کی بحث جاری تھی اور ہم لوگ بھی اسی وقت وہاں پہنچے تھے، ایک ممبر صاحب نے دورانِ مباحثہ ہی میں جیب سے ایک تار نکال

کر پڑھا کہ ترکوں نے کئی ہزار آرمینیوں کا قتل عام مرعش میں کیا۔ ارمنی جو یہاں مقیم ہیں ان میں ایک سے ایک مفتری ہے، مدت سے وہ انگلینڈ میں مقیم ہیں، آرمینیا کی صورت بھی نہیں دیکھی ہے مگر قتل عام کی چشم دید شہادت وہ اخبارات میں چھپواتے ہیں، جلسوں میں بیان کرتے ہیں۔ ”آکشن آف سوس“ (روحوں کا نیلام) ایک افسانہ امریکہ میں ارمنوں نے لکھا کر چھپوایا ہے، جس کے تمام مرقع (فلم) مصنوعی طور سے کلو فورنیا میں لے گئے ہیں۔ وہ آج کل امریکہ اور انگلستان کے تحفیروں اور نامکوں میں کیصلا اور دکھایا جاتا ہے جس میں ظالم ترک، خوں خوار تلواروں سے بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو قتل کرتے نظر آتے ہیں۔ چند مہینوں میں اس کتاب کی ہزار ہا کاپیاں فروخت ہوئی ہیں۔ جونہ میرے پاس ہے وہ شاہد چند مہینوں کے اندر چوتھا ایڈیشن ہے۔

ایک اور کتاب سرگزشت نعیم بے لکھی گئی ہے، جس میں ایک ترک عہدہ دار اپنی نیک نیتی سے آرمینیوں کی تائید کرتا ہے اور اصل فرامین کے نام سے ان کے فوٹو طرکی خط میں دیتا ہے۔ آرمینیا کے قتل عام کے بارے طلعت اور انور بے کے احکام شائع کرتا ہے، تصویریں دیتا ہے کہ کس طرح ترک آرمینیوں پر ظلم کر رہے ہیں۔ واقعات گھڑتا ہے اور یہ کتاب بطور ایک سند کے پیش کی جاتی ہے کہ دیکھو اس میں طلعت اور انور بے کے اصلی فرمان موجود ہیں۔

ہمارے جلسوں میں آرمینی شریک ہوتے ہیں اور اپنے مفروضہ واقعات سنا کر حاضرین کو برا فروخت کرتے ہیں۔ یہاں کے اخبارات ان کے ایک ایک حرف کو شائع کرتے ہیں۔ اور ہمارے جوابات پر ایک نظر بھی ڈالنا گناہ سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ اجرت لے کر بھی ان کو ہمارا کوئی مضمون چھاپنا گوارا نہیں۔ یہ حالت ہے جس میں ہم لوگ مبتلا ہیں۔ خود گورنمنٹ نے ۵۰۰ صفحے کی ایک کتاب ”سیاہ“ (بلیک بک)

آرمینیوں کے قتل عام کی شہادتوں پر مشتمل اپنی طرف سے شائع کی ہے۔ وزیر اعظم سے جب ملاقات ہوئی تو انھوں نے بھی اسی قتل عام کے قصے کو شروع کیا۔ حالانکہ ان تمام ارباب سیاست کو اندرونی واقعات اچھی طرح معلوم ہیں کہ آرمینیوں نے دوران جنگ میں کیا کیا شرارتیں کی ہیں اور بغاوتوں اور لڑائیوں کے قتل کا نام، قتل عام کس طرح رکھا جاتا ہے، اس بنا پر بہترین طریقہ یہی سمجھا گیا کہ قتل عام کے پورے واقعات کی از آغاز تا انجام تحقیقات کی جائے۔ اتفاق سے خود ترکی نے عین اسی زمانے میں امریکہ سے خواہش ظاہر کی کہ وہ بے غرضانہ ان واقعات کی تحقیقات کرے اس سے ہم کو اور بہت ہوئی، ہم نے کہا کہ ایک بین الاقوامی کمیشن جس میں ہماری خلافت کا فرانس کے ممبر بھی شریک ہوں، مقرر کیا جائے جو نا طرفدارانہ ان کی تحقیقات کرے۔ وفد نے اس چیلنج کا اعلان کیا۔ اخبارات میں تنازع چھپوائے، وزیر اعظم کے پاس تار بھیجے، تقریروں میں مطالبہ کیا، جلسوں میں اس کو پیش کیا۔ آرمینیوں کے سامنے بھرے مجمعوں میں چیلنج دیا، لیکن ایک نے بھی قبول نہیں کیا۔ اس سے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ تمام داستان محض ساختہ و پرداختہ اور بے اصل ہے۔ اور یہاں کے بعض اخبارات پر اس لا جوابی سے اچھا اثر پڑا ہے اور انھوں نے اس منصفانہ مطالبہ کی تائید کی ہے۔

محمد علی صاحب کا بیان ہے ہندوستان میں وزیر اعظم کی ملاقات کی نسبت چھپا ہے۔ وہ سرتاپا محرف ہے اور سن کر آپ حیرت کریں گے کہ کس طرح یہ بیان تیار کیا گیا۔ ہماری پوری تقریر میں سے جو کئی صفحات میں ہے، ایک فقرہ کہیں کا ایک فقرہ کہیں کا اپنے مطلب کا لے لیا ہے۔ اور خود اپنا جواب من وعن شائع کر دیا ہے۔ اس طرح تو کوئی قرآن کو بھی نفوذ باللہ طلسم ہو شرابا بنانا چاہے تو بنا سکتا ہے۔ وزیر اعظم سے ہماری ملاقات ۱۹ مارچ کو ہوئی۔ طرفین کا حرف حرف مختصر نو لیسوں نے قلمبند کیا۔ ملاقات کے بعد سکرٹری نے اس بیان کے نقل کی درخواست کی گئی۔ فرمایا اہل بھیجوں گا، کل بھی گذرا، پرسوں بھی

گذرا، جب زیادہ تقاضا کیا گیا تو فرمایا کہ ہم کو نقل ملے گی، جب ہندوستان میں بیان شائع ہو چکے گا۔ چنانچہ جب وہ اپنے مطلب کے مطابق ہندوستان بیان بھیج چکے تو اس کی کاپی عنایت کی، دو سکر دن ڈاک کے ذریعہ سے ہم نے پورا مفصل بیان شوکت علی صاحب کے نام بھیج دیا جو غالباً ہندوستان ۱۵ اپریل تک پہنچا ہو گا۔ پورے بیان کے پڑھنے سے معلوم ہو گا کہ وفد کا کیا بیان تھا۔ اور کس طرح اس کو بگاڑا گیا ہے سمجھتا ہوں کہ ہر ہفتے ہمارے یہاں سے جو کاغذات، واقعات کی روداد اور خط و کتابت کی نقل ہندوستان مولوی شوکت علی صاحب کے نام دفتر خلافت میں بھیجی جاتی ہے۔ وہ ترجمہ ہو کر اردو میں شائع نہیں ہوتی، ”مسلم اوٹ لک“ میں ہر ہفتہ وفد کے تمام حالات، کاروائیاں، بیانات اور تقریریں شائع ہوتی ہیں، اگر اردو میں ان کے تراجم خاص طور سے شائع ہوں تو بہت مفید ہو گا۔

مولانا ابوالکلام صاحب کی اطلاع کے لئے اگر اس خط کی نقل ان کے پاس بھیج دی جائے تو عنایت ہوگی، یا مناسب سمجھے تو اس کو اخبارات میں دے دیجئے۔ ہاں سٹرمانٹیکو نے ۲۶ اپریل کی ملاقات میں تسلیم کیا کہ آج کل ہندوستان سے مسلمان یا ہندو جو ہندوستانی بھی آیا اور مجھ سے ملا اس نے منفقاً یہ بیان کیا کہ تحریک خلافت ہندوستان میں بہت پُر زور طریقے سے جاری ہے اور ہندو مسلمان متحد ہیں۔ ایک خاص بات خط میں لکھنا بھول گیا۔ اس لئے فوراً اس کا ضمیمہ لکھتا ہوں۔ اس کو بھی پہلے خط میں ملا لیجئے۔

وزیراعظم کی تقریر کے اختتام کے بعد محمد علی صاحب نے ان کا جواب دینا چاہا۔ لیکن انھوں نے جواب سننا نہ چاہا۔ اور فرمایا میں رات بھر نہیں بیٹھا رہ سکتا، محمد علی صاحب نے کہا کہ افسوس ہے، ”مگر انھوں نے پرواہ نہ کی۔ اور چل کھڑے ہوئے ناچار خاموش رہنا پڑا۔ آہ ری غلامی اور محکومی کی ذلت! لیکن اس کے بعد ہی مختلف

جلسوں میں اور مضامین میں ان کی ایک ایک بات کا معقول جواب دیا گیا۔
 آپ وفد کے سوال اور ان کے جواب کو پیش نظر رکھیے تو معلوم ہو گا کہ
 سوال از آسماں و جواب از لسیاں کی مثل ہے۔ ہمارے مطالبات و دلائل مُسننے
 سے پہلے ان کا جواب پہلے سے تیار تھا وہ انھوں نے سنا دیا۔ ہمارے مطالبات و
 دلائل میں سے ایک کو بھی تو انھوں نے نہیں چھوڑا۔ ریلوے کے ذریعہ سے دُنیا کے
 گوشے گوشے میں وزیر اعظم کا جواب بتفصیل شائع کیا گیا۔ لیکن ہمارے مطالبات
 زبردستی اسی ناقص صورت میں یہاں بھی اور ہندوستان میں بھی چھاپے گئے....
 اذ جب تمام دُنیا میں اس کی تشہیر ہو چکی تو اس کی کاپی ہمارے ہاتھ میں دی گئی۔
 اعوذ باللہ من القوى الجائرة۔

۳ لندن البرٹ ہال مینشن، ۴ مئی ۱۹۲۰ء

برادر والا قدر! سلام محبت،

آپ کا خط مورخہ ۱۵۔ اپریل ۲۹ اپریل کو ملا۔ دیکھ چکا ہوں حالات سے بریڑ تھا۔
 دارالمصنفین کی خصوصاً اور ہندوستان کی عموماً کیفیت معلوم ہوئی۔ آپ کی اس قلمی
 زحمت کشی کا شکریہ! اردو اخبارات سے یہ تو معلوم ہوا کہ لکھنؤ کے کاتبوں نے ہڑتال
 کر دی ہے۔ اس کا اثر آپ کے پریس تک تو کہیں متعدی نہ ہو گا، نہیں معلوم مثنیٰ سید
 صاحب نے سیرۃ عائشہ کی بقیہ کاپیاں بھی بھیجیں یا نہیں؟

ڈاکخانہ کا چک اور سیرۃ دوم کا دیباچہ بند بیچہ ریسٹری بھیج چکا ہوں
 مولانا ابوالکلام سیرۃ کی جلد بندی کا وعدہ کرتے ہیں تو سبحان اللہ، لیکن پہلے اُن
 سے تفسیر ابوالکلام کا تو تقاضا کیجئے، اس کی تاخیر تو اب حد انتظار سے باہر ہے۔

میرٹھ کانفرنس میں آپ کے احساسات نے حیاتِ تازہ پائی۔ الحمد للہ آپ نے

مولانا ابوالکلام کے ان مساعی جمیلہ کی تشریح کی ہے جو وہ ہندوستان میں کر رہے ہیں۔

تو اس کے جوڑ پر مجھے حق تھا کہ میں محمد علی صاحب کی اس سعی مشکور کی تفصیل کرتا جو وہ اس ملک کر رہے ہیں لیکن اس لئے نہیں کرتا کہ مجھے یقین ہے کہ آپ کو تو اس پر ایمان بالغیب ہو گا ہی۔

وزیر اعظم کے مکالمے میں مفروضہ مظالم آرمینیا کے متعلق وفد نے جو کچھ کہا اول تو نہایت بے ربط، بے ترتیب اور مخصوص غلط انداز طریق سے اس کا خلاصہ ہندوستان بھیجا گیا، ثانیاً جو کچھ برائے مصالح کہا گیا وہ ایسا تیر تھا جو پورا نشانہ پر بیٹھا، چونکہ یہ واقعات محض مفروضہ اور بے لوث ہیں اس لئے بین الاقوامی تحقیقات کے نام سے وہ لرز گئے، اب وفد کی ملاقات و مکالمہ کی پوری کیفیت وہاں اخبارات میں چھپ گئی ہوگی۔ اس لئے اس کی تفصیل نہیں کرتا، تمام ملک انگلستان میں جس کے پاس جیسے جس سے ملے جس سے تذکرہ کیجئے، سب سے پہلے وہ آرمینیا کے قتل عام کو لے کر بیٹھتا ہے اور تمام مطالبات کو اس لئے نامنظور کرتا ہے کہ ترک ایسے سنگرم ہیں، اس کا جواب آپ بجز اس کے اور کیا دیں گے کہ یہ غلط ہے چل کر اس کی تحقیقات کر لو، اس پر کوئی راضی نہیں۔

اس ہفتہ وفد نے اڈنبرا، منچسٹر اور کیمز میں دورہ کیا، ہر جگہ جلسہ کیا، لوگوں سے ملاقاتیں کیں، بجز لیبر پارٹی کے ممبروں کے نہ تو کوئی جلسہ میں آتا ہے نہ ہمدردی کرتا ہے۔ اخبارات کا یہ حال ہے کہ وہ ایک سال سے مظالم آرمینیا اور مطالبات یونان کے ترانے بلند کیا کرتے تھے۔ وہ اب اپنے گزشتہ اعلانات سے بغیر کسی بڑی طمع کے ہٹ نہیں سکتے۔ منچسٹر میں منچسٹر گارجین بڑا مشہور اخبار ہے وہ اس سے پہلے نہ ہر اگل چکا ہے۔ اب محمد علی صاحب اور میں اس کے دفتر میں پہنچے، گفتگو کی تو حضرت کو اس کی بھی فرصت نہیں کہ جلسہ میں شرکت کریں، لے دے کے بیچارہ مزدوری پیشہ غریب لوگ ہیں، وہ ساتھ دیتے ہیں، لیکن ان کا ساتھ دینا عملاً کچھ زیادہ فائدہ مند نہیں۔

ہندوستان میں بیٹھ کر یورپ کی جمہوریت اور آزادی و حریت کے بڑے قصبے سنے جاتے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ عملاً یہاں بھی اربابِ حکومت اسی درجہ مستبد ہیں جس درجہ مشرق میں۔ عوام کو صرف یہ اختیار ہے کہ ممبر منتخب کریں۔ ممبروں کو اختیار ہے کہ وزیر کو منتخب کریں۔ اس کے بعد نہ تو عملاً عوام کو ممبروں پر اور نہ ممبروں کو وزیر پر کوئی اختیار ہے۔ فرانس جو ری پبلک کہلاتا ہے وہاں کی حالت انگلینڈ سے بھی بدتر ہے۔ عوام کو حکومت کی پالیسی میں ایک ذرہ دخل نہیں، اب سمجھ میں آیا کہ یہاں سوشلزم کے برگ و بار پیدا کرنے کے کیا اسباب ہیں۔ یہاں کے امیر و غریب طبقہ میں معاشرۃً اس درجہ بُد ہے، جس قدر خداؤ بندہ میں، ۲۲ اپریل کو لندن میں لیبر پارٹی کی طرف سے ہمارا جلسہ تھا۔ اس میں اتفاقاً لفظ ”عایاً و ر بادشاہ“ پر ایک دلچپ لطیفہ کسی مقرر نے کہا۔ ایک مزدور پیشہ نے کہا ہمارا بادشاہ کوئی نہیں، اگر ہے تو لینن (دولتِ شرم کا لیڈر) ہے۔“ اڈنبرا میں ۲۹ اپریل کو ہمارا جلسہ تھا، تقریروں کے آخر میں یہاں دستور ہے کہ حاضرین رفع شکوک کے سوالات کرتے ہیں۔ ان سوالات میں سے بعض ہندوستان کے تعلق سے ہندوستان کے متعلق کئے گئے۔ ایک مزدور نے اٹھ کر کہا کہ موجودہ برٹش گورنمنٹ ہندوستان کے ساتھ کیا بھلائی کر سکتی ہے جب کہ خود انگلینڈ میں مزدور طبقہ کے ساتھ وہ کچھ نہیں کرتی۔“ یکم مئی کو لندن میں مزدور پیشہ لوگوں کا ایک بہت بڑا جلوس نکلا۔ سب کے ہاتھوں میں سُرخ پھول، گلے میں سُرخ ٹائی، جیب میں سُرخ رومال اور کئی سو جھنڈے تھے۔ ہانڈ پارک جا کر جو یہاں کا سب سے بڑا باغ ہے جلوس ختم ہوا۔ بارہ پلیٹ فارم مقررہوں کے لئے بنائے گئے تھے، میں خود تو شریک نہ تھا لیکن میرے ایک دوست کہتے تھے کہ ان میں کوئی حقیقی جوش نہ تھا اور بنائے معلومات میری ذاتی رائے یہ ہے کہ انگریزوں میں نیشنل اپرٹ اس قدر ہے کہ انٹرنیشنل احساس ان میں بہت مشکل سے پیدا ہو سکتا ہے۔ البتہ فرانس کی آہ و ہوا میں اس کے قبول کی پوری

صلاحیت موجود ہے۔

کل، مئی کو پیرس کی طرف روانگی ہے۔

۲۱ لندن، البرٹ ہال مینشن، ۵ مئی ۱۹۲۰ء

مکرم تسلیم تیار!

ع، ت

میں نے پچھلی ڈاک میں آپ کے نام انڈیا آفس لائبریری کی اردو کتابوں پر ایک مضمون لکھ کر بھیجا ہے۔ پہنچا ہوگا۔ اس میں قلمی کتابوں کا تذکرہ نہیں ہے کیونکہ اس کی کوئی فہرست مرتب نہیں تاہم میں نے پروفیسر اسٹوری (جو پہلے علیگڑھ میں تھے اب وہ یہاں اسسٹنٹ لائبریرین ہیں) سے کہہ دیا تھا کہ پروفیسر بلومہارٹ سے جو ان قلمی اردو کتابوں کے انچارج میں ملنا چاہتا ہوں۔ پروفیسر اسٹوری کا خط انچسٹر میں ملا کہ وہ مئی کو ملیں گے، اتفاق سے واپسی جلدی ہوئی اور ہم کو حسب وعدہ انڈیا آفس جاکر بلومہارٹ صاحب سے ملاقات ہوئی، دیکھ کر سخت تعجب ہوا، بہت بوڑھے آدمی، ۸۰ سے کم عمر نہ ہوگی۔ بالکل سن سفید اور پیری سے خمیدہ پشت ہیں، ۱۸۷۷ء میں ہندوستان گئے تھے۔ اردو عمدہ، فصیح اور مخارج کے ساتھ بولتے ہیں، برٹش میوزیم میں بھی اردو کا صیغہ ان ہی کے متعلق ہے، بہر حال انہوں نے انڈیا آفس کی اردو قلمی کتابوں کی فہرست کا مسودہ اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا مجھے دیا، یہ فہرست بھی بے ترتیب ہے۔ کوئی خاص ترتیب پیش نظر رکھ کر نہیں لکھی گئی تھی، اس سے کسی چیز کا نکالنا مشکل نظر آیا، بہر حال اتنا معلوم ہوا کہ اردو کی کل ۱۱۳ قلمی کتابیں یہاں ہیں، یہ زیادہ تر دلی سے ہاتھ آئی ہیں، سعادت علی خاں رنگین کی دس بارہ تصنیفات ہیں۔ ہندی کی قلمی کتابیں ۱۱۰ ہیں، ہندی بھی پروفیسر بلومہارٹ ہی سے متعلق ہے۔ پروفیسر موصوف اردو کے بہت مداح ہیں، اردو کو ہندوستان میں درجۃ تعلیم بنانے کے مؤید ہیں۔ ہندی کے مقابلے میں اردو کو ہندوستان میں زیادہ پھیلنے والی قوت تسلیم

کرتے ہیں، ملکی حقوق کے بھی حامی ہیں۔ ان کے مقابلے میں نوجوان اسٹوری بچے اینگلو انڈین ہیں۔

یہجئے ایک ہفتہ کے بعد مجھے اپنے گزشتہ خط کے ایک نظریہ میں تھوڑی ترمیم کرنی پڑی، اڈنبرا میں ہماری طرف سے ۲۹ اپریل کو جلسہ تھا، اس کا صدر وہیں کا ایک شخص تھا جو لیبر پارٹی کا وہاں ممبر ہے۔ میکسٹن نام ہے۔ جلسہ میں ابھی لوگ نہیں آئے تھے۔ میں نے اس سے باتیں شروع کیں کہ آپ اسکاٹ لینڈ کے لئے ہوم رول کی تحریک کو کیسا سمجھتے ہیں۔ اس نے کہا میں نو انٹرنیشنلسٹ ہوں۔ میں اپنے نقطہ نظر سے اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں ہر اس واقعہ کا مخالف ہوں جو قوموں کے درمیان اختلاف و ناگواری پیدا کرے۔ "تقریر صدارت میں اس نے کہا کہ "میں نہ مسلمان ہوں نہ عیسائی، نہ میں میٹر پلیٹ ہوں، میں اس دور امن کا متمنی ہوں جس کا خواب ٹیگور ہم کو دکھاتا ہے۔" محمد علی وسید حسین کی تقریروں کے بعد حاضرین نے مختلف سوالات شروع کئے۔ ایک آرمینی بھی تھا۔ اس نے علی الاعلان اٹھ کر کہا کہ مجھ سے آرمینیوں کے قتل عام کا واقعہ پوچھو، میں خود وہاں موجود تھا، حالانکہ وہ پانچ برس سے اڈنبرا سے باہر بھی نہیں نکلا ہے۔ یہیں کہیں پڑھتا ہے۔ اس سے آپ آرمینیوں کی دروغ بانی کا اندازہ کر سکتے ہیں، بہر حال چونکہ ہمارا تعلق ہندوستان سے ہے، اس مناسبت سے ہندوستان کے متعلق سوالات شروع ہو گئے۔ ایک صاحب نے پوچھا ہندوستان میں فی صدی کتنی تعلیم ہے؟ محمد علی نے جواب دیا شاید نو فی صدی۔ سائل نے کہا جس ملک میں فیصد تعلیم ہو وہ ہوم رول کا مستحق کب ہے؟ محمد علی صاحب نے نہایت ظریفانہ جواب دیا کہ یہ عجیب منطق ہے۔ جب ہم ہندوستانی تعلیم مانگتے ہیں (گو کھلے کے جبری تعلیمی بل کی طرف اشارہ کیا) تو کہا جاتا ہے یہ منظور نہیں۔ جب ہوم رول مانگتے ہیں تو کہا جاتا ہے تم میں تعلیم نہیں۔ اس پر بے ساختہ مجلس میں قہقہہ ہوا۔ ایک درکر (مزدور پیشہ) نے

اٹھ کر کہا ”برٹش حکام ہندوستان کے ساتھ کیا بھلائی کر سکتے ہیں جب کہ خود انکلینڈ کے مزدور پیشہ جماعت کے ساتھ وہ نہیں کر سکتے“

اڈنبرا یونیورسٹی دیکھی، شہر اڈنبرا نہایت خوبصورت ہے۔ مجھے پسند آیا، یہاں کے مسلمان طلبہ نے جس میں ہندوستان اور مصر کے مسلمان طلبہ شریک تھے اپنی اسلامک سوسائٹی کی طرف سے ایک ہوٹل میں جلسہ دعوت دیا، اس میں ۲۵،۲۰ مصری تھے۔ محمد علی وسید حسین نے انگریزی میں اور میں نے مصریوں کے اصرار سے عربی میں تقریر کی۔ انھوں نے بھی عربی ہی میں جواب دیا۔ اور مسئلہ خلافت و جزیرۃ العرب کی بکلیہ تائید کی، شام کو انڈین سوسائٹی کی طرف سے جلسہ ہوا اس میں محمد علی وسید حسین صاحب نے تقریریں کیں۔

اڈنبرا سے ۳۰ کو مانچسٹر گئے، وہاں بھی شام کو جلسہ تھا، یہ مقام تجارتی منڈی ہے۔ اور اس لئے یہاں یونانی و آرمینی لوگوں کی خاصی تعداد ہے۔ ہارنمن صاحب صدر تھے۔ مسز نائیدو بھی آگئی تھیں۔ سب نے تقریریں کیں۔ مجھے بھی حاضرین کے اصرار سے زبردستی بولنا پڑا۔ تقریروں ہی کے اندر آرمینیوں نے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی اور اس کے بعد آخر جلسہ میں جب سوالات پوچھنے کی نوبت آئی تو اس بدتمیزی اور جہالت اور اظہار غیظ و غضب سے کام لیا کہ حاضرین پر ان کا بہت برا اثر پڑا۔ لوگ ان کے نکالنے کو اٹھ کھڑے ہوئے۔ بمشکل روکا گیا۔ ہم لوگوں نے یہاں ایک عجیب مہتمم ان کے لئے ایجاد کیا ہے۔ یعنی قتل عام کی ان ساری داستانوں کی جو ترکوں کی طرف منسوب کی جاتی ہیں تحقیقات کے لئے ایک بین الاقوامی کمیشن کا تقریر جس میں خلافت کا نفرنس کے نمائندے شریک ہوں۔ چونکہ ان داستانوں کے اکثر ابواب ساختہ و پرداختہ ہیں۔ اس لئے اس اعلان کو قبول کرنے کے لئے ان میں سے کوئی آمادہ نہیں یہاں کے تمام اخبارات بلکہ خود لائڈ جارج اور اڈنبرا اور مانچسٹر میں دیکھا کہ خود انہی بھی

اس ہتھیار کے سامنے سپر ڈال دیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کہاں تک ان واقعات کی اصلیت ہے ؟

کیمزج دیکھا، آپ کے معارف کے صفحات میں بھی اور انگلینڈ کی سرزمین پر بھی، پروفیسر براؤن سے ملاقات ہوئی۔ بڑی مہربانی سے ملے، برابر مجھ سے ازراہ تملطف باتیں کرتے رہے۔ فارسی زبان میں گفتگو رہی۔ ان کو ایران سے بے حد محبت ہے۔ تاریخ جہاں کشاکش کی دو جلدیں مجھے ہدیہ دیں اور یادگاری دستخط بھی اس پر ثبت کئے۔ ترکوں کی نسبت ان کا خیال تھا کہ یورپ کے اہل سیاست نے نوجوان ترکوں کو کام کرنے کا موقع نہیں دیا۔ تونس اور الجزائر کے مسلمانوں کی نسبت کہتے تھے کہ فرانس ان کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کرتا۔ ایک فارسی کا اخبار ہدیہ دیا۔ اس کا نام ”کاوہ“ ہے۔ درخش کاویانی تو آپ کو یاد ہی ہوگا، اس سے وہ لیا گیا ہے۔ یہ اس شخص کا نام تھا جس نے ضحاک کی ظالمانہ سلطنت کا ایران میں خاتمہ کر دیا تھا۔ یہ اخبار برلن سے نکلتا ہے۔ سید حسن تقی زادہ ایک ایرانی اس کا ایڈیٹر ہے۔ زمانہ جنگ میں یہ سیاسی تھا، اب علمی و ادبی و اجتماعی ہو گیا ہے، تاہم سیاست کی چاشنی رکھتا ہے، اس کی سیاسی رائیں مجھے پسند نہ آئیں۔ تمدن یورپ کی نسبت اس کی رائے بالکل وہی ہے جو آج سے ۵۰ برس پہلے ہندوستان کی تھی کہ صرف اس تمدن کو اختیار کر لینا ہی ہماری تمام بیماریوں کا علاج ہے۔ چنانچہ ایک مضمون میں ارشاد ہے ”فرنگی مآب شوید و لبس“

پرسوں ہمارا قافلہ پھر دوبارہ انگلستان کو عبور کر کے پیرس جائے گا، ترکی ڈیلی گیٹ آج کل میں پہنچنے والے ہیں۔ مسٹر مائیکو نے ۲۶ اپریل کو دوسری ملاقات کی تھی، کل پھر خاص محمد علی صاحب کو بلا کر دیر تک باتیں کیں، جن کی تفصیل کی اجازت نہیں، میری ذاتی رائے تو مائیکو صاحب کی نسبت یہ ہوتی ہے کہ وہ باتیں میٹھی کرتے

ہیں اور بس۔“

اگلے سہفتے میں معارف کے لئے ایک اور چھوٹا سا مضمون بھیجوں گا۔

۳۲ لندن ۶ مئی ۱۹۲۰ء

عم محترم، السلام علیکم،

ع

پلاؤ مبارک! یہاں تو ابلا کچا آلو اور مچھلی بس یہی دو چیزیں مدار زندگی ہیں، آپ کا سفر صرف بانکی پور تک محدود رہا۔ بکسر اور عظیم گڈھ آخر محروم ہی رہا۔ بھائی داؤد صاحب کا ”مرض مبارک“ تو اب سالانہ عرس ہو گیا۔

میری زایدانہ اور نیک سرشت زندگی کی سند آپ کو ہمد میں ملی ہوگی، خدا ہمارے دوست احسان قدوائی کا بھلا کرے کہ انھوں نے میری نسبت چند فقرے لکھ کر کم از کم آپ کو تو مطمئن کر دیا ہو گا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہاں کی بد اخلاقی سے متاثر نہ ہونا اولیائے کرام کا کام ہے۔ اور مجھے فخر ہے کہ میں اس حیثیت سے اس طائفہ عالیہ میں داخل ہوں۔

لائڈ جارج کا جواب اور قسطنطنیہ کی حکومت کا طرز عمل دیکھ کر مایوسی کیوں ہوئی؟ اس سے تو اوپر زیادہ جوش پیدا ہونا چاہیئے تھا۔ قسطنطنیہ کی حکومت ٹرکی نہیں ہے۔ ٹرکی آج کل اناطولیا میں ہے۔ سلطان کی حیثیت اسیر یا سفورس سے زیادہ نہیں، اب مایوسی کی بجائے تازہ جوش و غیرت سے ہم کو اپنا کام انجام دینا چاہیئے، اگر یہ مصالحہ جنگ بار بھی گئے تب بھی مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ ہم کو

۳۰ یعنی سالانہ خارشٹ۔

۳۱ احسان الرحمن صاحب قدوائی بیرسٹر لکھنؤ، جو لندن میں تھے واپس جا کر ”ہمد“

میں دفتر کے ممبروں کی نسبت ایک دھچپ مضمون لکھا تھا ۱۲۔

دنیا کے اسلام میں زیرِ خاکستری آتش جوالہ نظر آتی ہے۔ عرب اور ایران کے سوا ہر جگہ بیداری اور موجودہ سیاسی شطرنج کی چالوں سے پوری آگاہی ہے۔ تونس کے مسلمان اخباروں نے فرانس کے سوشلسٹ تحریک میں اپنی شرکت کا علانیہ اعلان کر دیا، مصر اپنی آزادی کا دلیری سے مطالبہ کر رہا ہے، ہندوستان امیدوں کا مرکز ہے۔

برلن سے ایک فارسی اخبار کا وہ نکلتا ہے۔ اس کی ایک کاپی پروفیسر برلن نے گیمز میں مجھے دی، پڑھ کر افسوس ہوا کہ ایران ابھی اس منزل میں ہے جہاں ہندوستان ۵۰ برس پہلے تھا۔ یورپ کے تمدن سے اس درجہ مرعوب و متاثر ہے کہ بچا کر بیتدا حمد خان کی اس کے آگے ہستی نہیں۔ ایران کی آزادی کی تدبیر اس کے نزدیک صرف یہ ہے کہ زبان کے علاوہ ہر چیز میں ہم کو یورپین ہو جانا چاہیے، اس کے خاص الفاظ یہ ہیں: "ایران باید ظاہراً و باطناً و جسماً و روحاً فرنگی مآب شود و بس"

سر سید نے کہا تھا کہ ہم کو مذہب کے سوا ہر چیز میں یورپین ہو جانا چاہیے۔ معلوم ہوا کہ مرغِ نو گرفتار کی صدا ہمیشہ ایک ہی طرح کی ہوتی ہے۔

اڈنبرا میں ایک اسلامک سوسائٹی ہے جس میں ہر ملک کے مسلمان طلبہ جو وہاں پڑھتے ہیں شریک ہیں۔ ان کی طرف سے ۲۹ اپریل کو جلسہ دعوت تھا، ۲۵-۳۰ مصری طالب علم بھی تھے۔ محمد علی دستید حسین نے تو انگریزی میں لیکن میں نے ان مصریوں کے اصرار سے عربی میں تقریر کی۔

ایک بات پیرس میں وفدِ مصری سے پوچھنی رہ گئی تھی کہ اگر انگلینڈ نے ان کی آزادی کو تسلیم نہ کیا تو وہ کیا طریقہ اختیار کریں گے۔ میں نے ان طالب علموں سے یہ سوال پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم مقاطعہ (بائیکاٹ) کریں گے۔ یہ سن کر مجھے خوشی ہوئی کہ یہ وہی ہتھیار ہے جس کو ہندوستان کے غریب مسلمان اُسٹھانے کی دھکی دے رہے ہیں۔

آپ نے میری انگریزی ترقی کی نسبت سوال کیا ہے، بایں تو کر لیتا ہوں۔
لیکن ابھی مسلسل تقریر نہیں کر سکتا۔ راستے میں نگہبانوں سے ہمارے خط محفوظ نہیں،
بدگمانی کی انتہا ہے۔ کل پیرس کا عزم ہے۔

۳۳ پیرس، ۱۲ مئی ۱۹۲۰ء

برادر عزیز، سلام محبت!

ع۴

آپ کا خط پڑھ کر تعجب ہوا۔ آج کل ہندوستان سے یہاں ادیہاں سے
ہندوستان کم از کم ۱۵ دن میں ورنہ ایک ماہ میں خط پہنچتا ہے۔ اس لئے کسی خط کا
جواب دو ماہ میں ملنے کی توقع رکھنی چاہیئے۔ آپ کے خطوط و کتب مرحلہ کی تاریخاً
نہرست پڑھی ۱۲ فروری سے ۸ اپریل تک آپ نے جو کچھ بھیجا ہے ان سب کی رسید
قبول فرمائیے، کوئی چیز ضائع نہیں کی۔

ٹرکی کے ارکان وفد ۵ مئی کو یہاں پہنچ گئے۔ ہم لوگ ۸ مئی کو پہنچے۔ کل
۱۱ مئی کو صلحنامہ ترکوں کے حوالہ کیا گیا۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ جو لوگ ٹرکی سے ارکان وفد
بن کر آئے ہیں وہ اس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جو اتحادیوں کے ہم آہنگ ہے۔ کل پیرس کے
ایک اخبار جرنال نے خوب لکھا ہے کہ یہ ٹرکی کے نمایندے نہیں، بلکہ ٹرکی ٹوپیوں
کے لباس میں انگریز چھپ کر آئے ہیں۔ "ترکی ارکان وفد سے ہم لوگ جو برٹش رعایا ہیں،
سب جانتے ہیں کہ نہیں مل سکتے لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دینی اخوت، اتحاد حیات
ملی اور معرفت قلبی مرحمت فرمائی ہے۔ وہ ہر مشکل وقت میں ہماری معین و مددگار ہے۔
یہی ہماری بے تار کی تار برقی پیام رساں ہے، جس سے چشمِ زدن میں ایک کی بات
دوسرا سمجھ سکتا ہے۔ ہفتوں اور مہینوں میں جن تجا دینر کا انبار یورپ کے ارباب

سیاست لگا سکے ہیں، ایک مسلمان کی تیز زبانی اس کو لمحوں میں جلا کر خاک کر سکتی ہے۔ ہندوستان کی موجودہ حالت سے کون ناواقف ہے۔ آپ مسرور ہوں کہ توفیق محمدیوں کے ساتھ ہم ٹوا ہے اور وہ ہم سے جدا نہیں، اللہ کی مہربانی درکار ہے۔

اس عہد نامہ کی مفصل کاپی ہمارے ہاتھ میں ہے کہ اگر یہ اسی صورت میں تسلیم کر لیا گیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کی دنیا کا خاتمہ ہو گیا، مصر، سوڈان، یمن، مراکو، طرابلس، تھریس، سمرنا، ارضِ روم، شام، عراق، کردستان اور حجاز پر دشمنوں کا قبضہ، تمام مسلمانانِ دنیا نے قبول کر لیا۔ ادا بقی ٹرکی کی حالت مصر یا حیدرآباد کی سی ہو جائے گی، مقامات مقدسہ برٹش اقتدار میں آجائیں گے۔ کیا اس ننگ کو پیروانِ محمد ماننے کو تیار ہیں؟ سیاست کے پردہ میں مذہبی تعصب کا کھیل کھیلنا جارہا ہے۔ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ گودونوں مل کر ہمارا خاتمہ چاہتے ہیں۔ اور یروشلم پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں، لیکن خود دونوں متحد نہیں، انگلش پروٹسٹنٹ اور فرینچ اور اٹالین کیتھولک میں سطح کے نیچے اختلاف کی صفیں قائم ہیں، کیتھولک ہمارے ساتھ ہو سکتے ہیں کیونکہ ان کو یقین ہے پروٹسٹنٹ علم کے زیر سایہ کیتھولک زندہ نہیں رہ سکتے۔

۳۷ پیرس ۱۲ مئی ۱۹۲۰ء

عجم محترم، السلام علیکم

عجم

آپ کو میرے خطوط ہفتہ وار مل رہے ہوں گے، اس لئے پچھلے خط میں جو دراشکایت کی تلخی ہے وہ دور ہو گئی ہوگی، میں بحمد اللہ بخیریت ہوں۔

۳۸ اس سے مراد توفیق پاشا ہیں جو اس وقت ترکی ارکانِ صلح کے صدر ہو کر آئے تھے۔ ۱۲۔

۳۹ محمدیوں سے مقصود محمد علی اور ان کے ساتھی ہیں ۱۲۔

کل ۱۲ مئی کو وہ یوم موعود تھا، جب ترکوں کو صلح نامہ حوالہ کیا گیا۔ دفعات صلح کی تفصیل مولانا عبدالباری صاحب کو لکھ کر بھیجی ہے۔ اخبارات سے بہت کم دفعات کی اصلی شکل نظر آ سکتی ہے۔ حاصل یہ کہ کل سے ٹرکی کا نام صفحہ عالم سے مٹ گیا، خلافت کا چراغ گل ہو گیا۔ اور مقامات مقدسہ یونین جیک کے زیر سایہ آ گئے۔ آہ، ثم آہ ! اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ساری تجویز لائڈ جارج کے پُر فریب دماغ اور فرانس اٹلی کی مجبورانہ خاموشی کا نتیجہ ہے، انگریزی اخبارات تمام تر اس عہد نامہ صلح کو انصاف و عدل بتا رہے ہیں، لیکن فرانس کے شریف اخبارات اور نیک دل اہل قلم اس کو فرانس کا نامہ سیاہ اور انگلش پالیسی کا ظلم مجسم علانیہ لکھ رہے ہیں۔ اور کہہ رہے ہیں ایک فریخ اخبار نے لکھا کہ ”فرانس کی سر زمین میں صلح کی اس مجلس انعقاد اس کی مودیہ کا باعث ہے“

ہم کو یقین ہے کہ اہل عزت ترک اس سنگ کو کبھی گوارا نہ کریں گے۔ اور نہ اس وسیع دنیا میں کوئی مسلمان ہستی ہے جو اس کو قبول کرنے کو آمادہ ہو۔ لائڈ جارج کی اس پالیسی نے برٹش شہنشاہی کی عمارت میں خود خنہ پیدا کر دیا اور تاریخ بتاتی ہے اور قرآن حال نظر آتے ہیں کہ اس عہدِ استم کا عنقریب خاتمہ ہو جائے گا۔ اسلام کی زندگی کا اب نیا دور شروع ہو گا۔ اور اس کے لئے اب حیات خود دشمن اپنی کوششوں سے مہیا کر رہے ہیں، محمد علی نے شاید اسی موقع کے لئے یہ شعر کہا تھا

قتل حسین اصل میں مرگِ یزید ہے

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

بلا خوف و خطر اب نئے راتے پر نئے رہنماؤں کے زیر رہبری اسلام کا قافلہ راہِ پیر ہو گا۔ غم و افسوس کو دلوں سے دُور کیجئے اور زندگی کا ایک نیا پیمانہ باندھیے۔

علامات و آثار اگر موسم کا پتہ دے سکتے ہیں تو یقین کیجئے کہ فتح و نصرت کا موسم عنقریب شروع ہوگا، ناامیدی امید کا دیباچہ اور خاتمہ نئے آغاز کا مطلع ہے۔ تمام اخبارات متفقاً لکھتے ہیں کہ ”جن ترکوں کے سامنے یہ عہد نامہ پیش کیا گیا ہے وہ قبول و انکار کی صلاحیت نہیں رکھتے“

۲۵ اپریل ۱۹۲۰ء

ع ب مولانا ادا اللہ مجدد کم

السلام علیکم! آخر وہ یوم موعود آ پہنچا جس کا انتظار تھا، کل ۱۲ مئی کو ۴ بجے صلح کا عہد نامہ ترک ارکان وفد کے حوالہ کر دیا گیا۔ ایک مہینے کی مہلت جواب کے لئے دی گئی ہے۔ عہد نامہ کا نسخہ فل اسکیپ سائز کے ۲۵ یا ۲۶ صفحات پر مشتمل ہے جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

- ۱۔ تھریس مع گیلی پولی یعنی کل یورپین ٹرکی یونان کے حوالہ کیا جائے۔
- ۲۔ سمرنا یونان کو دیا جائے۔
- ۳۔ آرمینیا اور کردستان کی آزادی۔
- ۴۔ قسطنطنیہ ترکوں کے زیر حکومت، لیکن در دانیال اتحادیوں کے زیر قبضہ ہوگا۔
- ۵۔ عراق اور شام اتحادیوں کے زیر حکمرانی۔
- ۶۔ حجاز شریف حسین کے ماتحت خود مختار اور حاجیوں کو آمد و رفت کی عام اجازت۔
- ۷۔ مقامات مقدسہ زیر حفاظت
- ۸۔ مصر، سوڈان اور قبرص پر انگریزوں کی، مراکش اور ٹیونس پر فرانسیسیوں کی اور طرابلس پر اٹلی کی حمایت ٹرکی تسلیم کرتی ہے اور ان ممالک کے متعلق اپنے سابق معاہدوں کو منسوخ کرتی ہے۔
- ۹۔ روسی بولشویک گورنمنٹ اور جرمنوں کے ساتھ جو اس کے معاہدے ہیں،

وہ کالعدم ہیں۔

۱۰۔ ٹرکی کوئی فوج نہیں رکھ سکتا، مسلح پولیس مع فوج امن کی تعداد ۵۰ ہزار ہوگی، جو اتحادیوں کے زیر نگرانی رہے گی۔

۱۱۔ کوئی جنگی اور ہوائی جہاز اس کے قبضہ میں نہیں رہے گا۔

۱۲۔ فوجی اسکول اور کالج بند کر دیئے جائیں، صرف ایک اسکول ہوگا جس میں نان کمیشنڈ افسر تعلیم پائیں گے۔

۱۳۔ بے تار کی تار برقی اس کے ملک میں نہیں رہے گی، اس کے تمام موجودہ اسٹیشن توڑ دیئے جائیں گے۔

۱۴۔ اتحادیوں کے لئے ٹرکی اپنے فوج سے ہوا بازوں کے لئے اسٹیشن بنائے گا۔

۱۵۔ بغداد ریلوے جو ٹرکی مقبوضات سے گزرے گا وہ اتحادیوں کی زیر نگرانی

رہے گا اور جو اسٹیشن اس کے ملک میں بنیں گے وہ اتحادیوں کے زیر

حکومت ہوں گے۔ اور اس ریلوے کے لئے مزدور ٹرکی مہیا کرے گا۔

۱۶۔ ٹرکی کے تمام مالی و اقتصادی صیغے اتحادیوں کے ہاتھ میں ہوں گے۔

۱۷۔ اتحادیوں کے ڈاک خانے اور تار گھر ٹرکی میں خود ان کے الگ ہوں گے۔

۱۸۔ چھوٹی تعداد کی قومیں مجلس اقوام متحدہ کی زیر نگرانی اور کنیتھولک

سب کی زیر نگرانی رہیں گے۔

۱۹۔ حجاز میں تمام قوموں کو تجارت کی عام آزادی ہوگی۔

۲۰۔ ٹرکی بندرگاہوں میں محصول نہ لے سکے۔

ان شرائط کے معنی ٹرکی کی پابہ زنجیر زندگی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

مقامات مقتدرہ برٹش حکومت کے زیر سایہ ہوں گے۔ اس ننگ کو کون سلمان

گوارا کرے گا، اب تک انگریزوں کی آنکھیں نہیں کھلی ہیں اور واقعات پس پردہ

سے قصداً تغافل برت رہے ہیں۔

فرانس اور اٹلی کے کیتھولک بہت کچھ ہمارے ساتھ ہیں، کیونکہ انگریز پروٹسٹنٹ کے زیر پردہ تعصب اور ٹرکی کے اندر جوان کو مذہبی بے تعصبی حاصل تھی اس کا ان کو اچھی طرح علم ہے۔ ایک طرف اگر لائڈ جارج اپنی توسیع حکومت کے لئے کوشاں ہیں تو چرچ آف انگلینڈ دوسری طرف اس امر کا خواہشمند ہے کہ اس کا دائرہ اقتدار مشرقی عیسائی فرقوں کو اپنے آغوش میں لے لے، کلدان، ارمنی، شامی اور لبنانی عیسائیوں کے ساتھ ہمدردی اسی طمع دینی کا نتیجہ ہے، فرانس شام کا خواہشمند تھا۔ جس کے معنی بیت المقدس کے تھے تاکہ یورپ اور فرانس میں اتحاد ہو جائے، لیکن لائڈ بشب آف کنٹریری کی کوششیں اور لائڈ جارج کی تدبیریں ہندوستانی مسلمانوں کی مالی و فوجی امداد سے فرانس اور یورپ کی کوششوں کو شکست دے چکیں۔ مسلمان باتوں کے ڈھنی، اب تک مشق تقریر میں مصروف ہیں۔ رَبَّنَا اهْدِ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ، ترکی ارکان وفد سے کیونکر ملاقات ہو سکتی؟ لیکن بہر حال توفیق الہی، ”محمدیوں“ کے ساتھ ہے۔ سلطان کے نام ایک طویل برقی عریضہ کل ارسال کیا ہے۔ سب لوگوں کے مشورہ سے یہ طے ہوا کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ خلیفۃ المسیح کو ہماری عقیدت کیشیوں کا علم نہیں ورنہ ان کی ہمت بندھتی، اسلام کی شرم مسلمانوں کے ہاتھ۔ کل ارکان وفد کی طرف سے سلام عقیدت قبول فرمائیے، مولوی ابوالقاسم صاحب بخیریت پہنچ گئے۔ اور سلام عرض کرتے ہیں۔ والسلام۔

۳۵ پیرس ۲۰ مئی ۱۹۲۰ء

عم محترم، السلام علیکم

ع مخ

الحمد للہ۔ بخیریت ہوں۔ کبھی کبھی درد شکم کی شکایت ہو جاتی ہے۔ ایک ترکی

ڈاکٹر نہاد شاہد کا نسخہ زیر استعمال ہے۔ کل سے رمضان شروع ہو گیا، روزہ رکھتا

رات کو پونے ۹ پر افطار اور ۳ پر طلوع صبح۔

آخری تارہ بخوں میں پیرس سے لندن کو واپسی ہوگی، اوائل جون میں آکسفورڈ کا درس ہوگا اور پھر ۸ جون تک پیرس، ترکی اور کالین سلج پیرس میں ٹھہرے ہیں۔ ترکی کی طرف سے صلحنامہ کا جواب تیار ہو رہا ہے۔ لیکن بہترین جواب وہ ہے جو توفیق پاشا کی زبان سے نہیں بلکہ مصطفیٰ کمال پاشا کے دست و بازو سے ملے گا۔ یہ یقین ہے اور کامل یقین ہے کہ ان معاہدات میں پوری ترمیم ہوگی۔

آج کل پیرس دنیا کے وفود کا مرکز ہے۔ صرف اسلامی وفود کو گنیے تو حسب ذیل تعداد ان کی ہوگی :-

- ۱۔ مصری وفد، زیر ریاست سعد پاشا زاغلول و محمد پاشا محمود،
 - ۲۔ شامی و حجازی " " رستم حیدر و نجیب
 - ۳۔ تاتاری و روسی " " صدری مقصوداف و اسماعیل قوف
 - ۴۔ آذربائی جانی " " علی مردان توپچی پاشا
 - ۵۔ خلافت ہندی وفد " " مولانا محمد علی،
 - ۶۔ وفد صلح ترکی " " توفیق پاشا و فخر الدین بے درشید بے و جیل پاشا
- آپ سُن کر خوش ہوں گے کہ ان وفود سے اگر کوئی اور فائدہ نہیں ہوا تو کم از کم مختلف ملکوں کے مسلمان تو یک جا ہو گئے ہیں، میں نہایت خوشی سے ان لوگوں میں سے اکثر سے ملا، خصوصاً مصری و حجازی وفد سے کئی مرتبہ ملا، روسی و تاتاری ممبروں سے بھی ملاقات ہوئی۔

لندن میں بھی شامی و حجازی عربوں کے وفد سے بل کر اچھی طرح تشفی ہو گئی کہ یہ لوگ ہرگز اپنا مقدس ملک دشمنوں کے حوالے نہیں کریں گے۔ لیکن یہ کوشش کرنا کہ ترکوں اور عربوں میں اتحاد ہو جائے ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ گو فریقین میں سے

ہر ایک اپنے فعل پر نادم ہے اور ان عربوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ان کی نسبت عام دنیا کے اسلام کا کیا خیال ہے اور وہ اس سے شرمندہ بھی ہیں لیکن کہتے ہیں کہ اگر اصلی واقعات مسلمانوں کو معلوم ہوں تو وہ ہمیں معذور رکھیں گے تاہم اتنا سمجھ لیجئے کہ صرف مسلمانان ہند ہی نہیں بلکہ دوسرے ممالک کے مسلمان بھی اپنے فرائض اچھی طرح سمجھتے ہیں۔

ترکوں سے مل کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ٹرکی کے علماء اب تک بیدار نہیں۔ بار بار دل چاہتا ہے کہ اگر حکومت ہند اجازت دیتی تو ٹرکی جا کر ند فہ العلماء قائم کرتا، اب تمام ممالک اسلامیہ میں الگ الگ علماء کی انجمنیں قائم کرنا چاہئیں اور سب کو ملا کر پورے عالم اسلامی کے علماء کی ایک انجمن بنانی چاہیئے اور بلا خوف سیاست اس کام کو انجام دینا چاہیئے۔

چین میں اسلامی تعلیم کی حالت یہاں کے بعض چینی مسلمانوں سے مل کر اچھی نہیں معلوم ہوتی ہے۔ سیٹھ چھوٹانی نے مجھ سے اور اور لوگوں سے وعدہ کیا تھا کہ کوئی عالم اگر چین جانا چاہے تو میں اپنے صرف سے بھیجنے کو تیار ہوں۔ ان کو کہنا چاہیئے کہ اپنا وعدہ پورا کریں، موقع ملا تو خط لکھوں گا۔

ہندوستان کے خطوط سے معلوم ہوا کہ مولانا ابوالکلام یوہا کا قصد رکھتے ہیں، میرے خیال میں بلکہ پورے وفد خلافت کے خیال میں ان کا آنا یہاں مناسب نہیں، ان کے لئے اس وقت ہندوستان سے ہلنا اچھا نہیں۔

رات کے اب ڈھائی بجے ہیں سحری کا وقت آگیا ہے، اس لئے رخصت، والسلام،

۳۹ پیرس، ۲۰ مئی ۱۹۲۰ء

م ع ہوٹل ریجینا، محکوم قوم میں پیام امن کی تبلیغ کرنے والے کو سلام، م ع
میرے خط کے سرنامہ پر جو تصویر نظر آتی ہے، یہ جان آف آرک کی ہے،

جس ہوٹل میں ہم مقیم ہیں، اس کے سامنے چوراہے پر اس کا یہ برجی مجسمہ ایک چوتراہ پر نصب ہے جیسا کہ اس تصویر میں دیکھ رہے ہیں۔ چونکہ یہ مجسمہ اس ہوٹل کے سامنے ہے اس لئے یہ اس ہوٹل کا شعار، یعنی مارکہ ہے۔ یہ مہتید و تعارف اس غرض سے ہے کہ آپ نے اخبارات میں پڑھا ہوگا کہ ۱۶ مئی سنہ ۱۹۶۷ء کو پوپ نے جان آف آرک کی موت کے ۵۰۰ برس کے بعد اس کو (ساحرہ کے بجائے) ولیہ تسلیم کیا۔

۱۶ مئی کی صبح کو جب میں بیدار ہوا تو کیا دیکھتا ہوں ؟

بدلتا ہے رنگ آسمان کیسے کیسے

کہ دوکانوں پر آرائشی جھنڈیاں نصب ہیں۔ سامنے کے کیتھولک گرجے میں مذہبی مقدس پرچم لہرا رہے ہیں، جان آف آرک کا برجی اسٹیچو پھولوں سے لدا ہے اور زیارت کرنے والوں کا اس کے آگے ہجوم ہے۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ آج کی صبح سے اس کا شمار پوپ نے ادلیائے الہی میں کیا ہے۔ اس ایک واقعہ سے یہ نتیجہ آسانی سے نکل سکتا ہے کہ یورپ بایں ہمہ حریت و روشن خیالی بلکہ الحاد و بے دینی مذہب کی زنجیروں میں اول کن زنجیروں میں، کس طرح جکڑا ہے۔ لیکن آپ فلسفی ہیں، اس لئے اس واقعہ کو ایک اور نظر سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ یورپ کا مذہب کس طرح سیاست سے دست و گریبان ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ جان آف آرک فرانس کی وہ ہیرو اور شجاع خاتون ہے جو فرانس کو انگریزوں کے ہاتھوں سے نجات دلانے کے لئے نکلی تھی، مذہباً کیتھولک تھی۔ اس نے انگریزوں کو بارہا شکست دی، اور آخر انگریزوں کے ہاتھ گرفتار ہو کر آں پر ساحرہ ہونے کا الزام قائم ہوا اور وہ بے دردی سے آگ میں جلادی گئی، آپ سمجھ سکتے ہیں کہ انگریزوں کے اس فعل شنیع کا فرانس کے قوم پرستوں پر کیا اثر ہوا ہوگا۔ صدیوں سے انگلینڈ پر وٹسٹنٹ ہے اور فرانس اور اطالی کیتھولک ہیں۔ موجودہ جنگ کے بعد خونی منظر پر صلیح کا پردہ پڑ گیا تو یکایک نظر آیا کہ قربانیاں

تو سب سے زیادہ فرانس نے کیس لیکن فتح کے ثمرات زیادہ تر انگلینڈ حاصل کر رہا تھا۔ اور عہد نامہ سان ریمو نے اس کو اچھی طرح واضح کر دیا اور ٹرکی کے عہد نامہ کے مسودہ سے یہ راز اور زیادہ آشکارا ہو گیا۔ مقبوضات ٹرکی کو اپنے دائرہ اختیار میں لانے کے لئے، اس لئے چرچ آف انگلینڈ بے قرار ہے کہ قدیم عیسائی فرقے جو اب تک پوپ کے زیر فرمان اور عثمانی ہلال کے سایہ میں پروٹسٹنٹ حملوں سے محفوظ تھے، وہ اب بے خطر چرچ آف انگلینڈ کی حکومت میں داخل ہو جائیں گے۔ پوپ اس کی اس چال سے بے خبر نہیں، اٹلی میں کیتھولک ممبران پارلیمنٹ کا اختلاف اور سیرنٹے کی وزارت کا خاتمہ اسی کا اثر ہے۔ فرانس کے کیتھولک بھی اس اثر سے رنگین ہیں۔ اس اثنا میں فرانس کی اس ہیرو کو جس نے انگریزوں کے ہاتھ سے جام شہادت پیا، ولایت کا درجہ دینا آپ سمجھے کہ کیا معنی رکھتا ہے۔ گویا فرانس کی رگ احساس پر ایک نشتر رکھا گیا ہے جو ہر سال تازہ ہوتا رہے گا۔

عہد نامہ صلح ترکوں کے حوالہ کر دیا گیا۔ لیکن یہ سب کو یقین ہے کہ کوئی ترک اس کو قبول نہیں کر سکتا۔ قسطنطنیہ سے ایک اخبار ”پیام صباح“ ترکی میں نکلتا ہے، علی کامل ایک بزرگ اس کے ایڈیٹر ہیں، یہ وہ صاحب ہیں جو لارڈ کرورمر کے فرعون کے زمانے میں یعنی جب وہ مصر کے حاکم اعلیٰ تھے تو یہ ان کے مرغِ سیاست کے پروبال تھے، پس سمجھ لیجئے کہ اس شخص کا ضمیر کس درجہ تاریک اور تیرہ ہو گا، اب وہ اس عہد میں قسطنطنیہ کے ادارت خانہ کے مالک ہیں، یہاں کے اخبارات میں ان کو ایک ترک مدبر اعظم کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے، اس تک نے یہ لکھ دیا کہ ”یہ عہد نامہ ناقابل قبول ہے“

یہاں آکر میں نے چند مضامین لکھے ہیں۔ مسئلہ خلافت پر جو مضامین لکھے ہیں وہ مسلم اوٹ لک میں چھپے۔ ایک مضمون ”اسلام اور دنیا“ کے عنوان سے معرضانہ

نیوٹیشن مین لندن میں چھپا تھا، میں نے اس کا جواب لکھا اور وہ اس مفتب کے نمبر میں شائع ہوا ہے۔
 برٹین اینڈ انڈیا ایک نیا چرچہ نکلتا شروع ہوا ہے۔ ایک انگریز خاتون اس کی ایڈیٹر
 ہیں۔ اپریل نمبر میں ”پردہ اور موجودہ نسوانیت ہند“ پر ایک مضمون نکلا تھا، اس کا
 جواب لکھ کر اس کے پاس بھیج دیا ہے۔ معلوم نہیں اس مہینے میں وہ جواب شائع ہو گا یا
 نہیں، ایک جلسے میں میں نے تقریر کی تھی وہ بھی اس نے لے لی تھی کہ رسالہ میں شائع کروں
 گی۔ پیرس میں میں نے عربی میں جو تقریر کی تھی وہ تیونس کے اخبار الصواب میں شائع ہوئی ہے۔
 موسیو لیبان سے ملنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اور خصوصاً یہاں اردو کے
 پروفیسر سے، کیمزج کی مجلس طلبائے ہند میں میں نے ”اردو یا ہندوستانی زبان کی ضرورت“
 پر تقریر کی تھی، اوائل جون میں آکسفورڈ کا قصد ہے۔ آپ کا ”پیام امن“ ہم سپاہیوں
 کے دلوں کو سرد نہیں کر سکتا۔ میں نے جیسا آپ سے زبانی عرض کیا تھا، پھر عرض کرتا
 ہوں کہ آپ کا فلسفہ محکوم قوم کو نہیں، حاکم قوم کو درکار ہے۔
 جو خود ہی مر رہا ہو اس کو گریہ مارا تو کیا مارا

میں آپ کے اس خیال سے قطعاً اختلاف کرتا ہوں کہ پیام امن کے دیباچہ
 میں آپ مذہباً قرآن و حدیث سے اپنے فلسفہ کے اثبات کی کوشش کریں جو مجھ کو
 سنایا ہے وہ آپ بھی سنئے

رفتار اور سمت میں موزج ہوا کی ہے

اس لئے بالکل یہ بانگ بے ہنگام ہو گا۔ دوسرے آپ کی طرف سے لوگوں کو جو
 مذہبی بدگمانی ہے وہ اور زیادہ تیز ہو گی۔ تیسرے میرے خیال میں یہ تحقیق واقعہ
 کے مطابق بھی نہ ہو گی، میں نے یہ کب کہا ہے کہ دشمن کے مکروہ احتیال پر لعنت
 کرتا ہوں۔ میں نے تو یہ کہا کہ وہ باطل کے لئے جن ہتھیاروں سے لڑتے ہیں
 جیف ہے کہ ہم حق کے لئے ان کا استعمال نہ کریں۔ جو قرآن آپ کے زیر مطالعہ ہے

اس میں ڈھونڈھیے گا تو یہ آیت بھی ملے گی :- جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا۔
اور یہ بھی پڑھیے گا اُذِنَ لِلَّذِينَ يُبْقَاتِلُونَ يَأْتِيهِمُ ظُلُمًا۔

”تلخیص الصحاح کی کتاب الفتن جہاں آپ پڑھتے ہیں کتاب الجہاد بھی پڑھیے
ہم غریب مسلمانوں کو آپ امن کی تعلیم کیوں دیتے ہیں، یہ ان کو دیکھئے جن کی طمع
شہنشاہی تمام دنیا میں امن شکن ہو رہی ہے۔

یہاں کی دو انجمنوں میں آج جانا ہوا، ایک انجمن حقوق انسانیت دوسری
انجمن سیر عالم۔ یہ دوسری انجمن شہر سے باہر ایک سنسان باغ کے سایہ میں واقع
ہے۔ مختلف کبج درخت میں مختلف عمارتیں ہیں۔ اسی میں ایک فوٹو گرافی اور دوسری
سینما کی عمارت ہے۔ تیسری عمارت مختصر سے کتب خانہ کی ہے۔ یہاں ہمارے فوٹو
لئے گئے۔ سینما میں میں ان جنگ کے مختلف سماں، دہلی و آگرہ کے تعمیری عجائبات
دکھائے گئے، یہ انجمن اپنے ممبروں کو دنیا کے مختلف ملکوں میں سیر اور مناظر کے
فوٹو لینے کے لئے بھیجتی ہے۔ اس کو دیکھ کر ہم کو دارالمصنفین یاد آگیا، وہی
درختوں کے جنگل، وہی خاموشی اور سکون، والسلام۔

۳۲ لندن ۱۰ جون ۱۹۲۰ء

مخدوم اجل، دام مجددہ السامی،

ب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ والا نامہ نے مشرف کیا، ہم لوگ الحمد للہ
مع الیگز ہیں اور اپنے اشغال و مساعی میں مصروف۔ ۲۹ مئی کو ہمارا قافلہ پریس سے
لندن آیا، لندن میں اگرچہ کوئی خاص کام تو انجام نہیں پایا مگر اتنا ہوا کہ ایک
مرتبہ ہمارے بعض ارکان انڈیا آفس کے ہندوستانی ممبروں سے جا کر ملے اور
ان کو مقصد سمجھائے۔ لارڈ سنہا کو جو مسائل اسلامیہ اور ہندوستان کے نقطہ نظر
کو سمجھانے کے لئے صلح کانفرنس میں نامزد ہوئے تھے، آج تک یہی معلوم نہیں تھا کہ

خلافت کہتے کس کو ہیں اور جزیرۃ العرب کے حدود و احکام کیا ہیں؟ انہیں اقرار کرنا پڑا کہ ہم اب تک ان سے لاعلم تھے۔

یہاں کی موجودہ پالیٹکس یہ ہے کہ بالشویک کو ڈرا کر دھمکا کر اور سمجھا کر اپنے میں شامل کیا جائے، روسی ایجنٹ جو یہاں آکر ٹھہرا ہوا ہے اس کو لائیڈ جارج صاحب بڑے ناز و انداز سے کبھی ہاں اور کبھی نہیں کہہ کر اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔ اور وہ اپنے نزدیک یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان صرف ان ہی کے زور پر اچھلتے ہیں، اس لئے ان کو توڑ لینا چاہیے، حالانکہ وہ سخت غلطی کر رہے ہیں، مسلمانوں کو بالشویکوں سے کوئی تعلق نہیں۔

مصریوں کو بھی آخر چمپکار کر راضی کیا جا رہا ہے۔ کالونیل آفس میں ان باغیوں کو ٹی پارٹی دی جا رہی ہے۔ جن کو گذشتہ زمانہ میں ابھی مالٹا گرفتار کر کے بھیجا گیا تھا۔

خوشی کی بات یہ ہے کہ ٹیونس سے بھی ایک وفد پیرس آ رہا ہے جو اپنے استقلال اور دوسرے مسئلہ خلافت کو حکومت فرانس کے سامنے پیش کرے گا۔ دوسرے ممالک کے مسلمانوں سے یہیں کے مسلمان مجھے زیادہ پسند آئے۔

آج مولوی ابوالقاسم صاحب ایک اور ضرورت سے انڈیا آفس گئے تھے مٹر ٹانگیو نے ان کو بلا کر ملاقات کی۔ اور منجملہ اور باتوں کے ایک یہ بھی فرمایا کہ مجھے مسلمانوں سے بڑی ہمدردی ہے اور میں نے ان کے لئے بڑی کوشش کی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ مگر اب شرائط صلح جب پیش کئے جا چکے اور تصفیہ ہو چکا تو بہتر ہے کہ اب اس

لے مولوی ابوالقاسم صاحب بردوانی (بنگال) پالیٹکس میں سرنیدو ناتھ بنرجی کے رفیق تھے، انگریزی بہت اچھی جانتے تھے، تفریح خوب کرتے تھے افسوس ہے کہ ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو ۶۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔

معاملہ کو ختم کر دو۔ مولوی ابوالقاسم نے کہا کہ اگر تلوں ہی ہے تو کل آپ مسلمانوں کو مسجد جانے سے روک دیں گے۔ اور جب وہ شور و غل کریں گے تو آپ فرمائیں گے کہ خراب تو ہو چکا۔ بہتر ہے کہ اب اس معاملے کو جانے دو، جواب دیا کہ ”نہیں ایسا کہیں ہو سکتا ہے دونوں معاملوں میں بہت فرق ہے“ مولوی ابوالقاسم نے کہا کہ ”اس فرق کا فیصلہ صرف ہم ہی کر سکتے ہیں“ چوتھے دن یعنی، جون کو مولوی صاحب تنہا پھر پیرس گئے ہیں، اور سید حسین صاحب بھی جو آکسفورڈ کی ایک سوسائٹی میں تقریر کرنے کو بھیجے گئے تھے وہاں سے واپس آکر آج پیرس گئے وہاں ایک انجمن حمایت حقوق انسانیت ہے۔ ازراہ انسانیت اس نے اپنے جلسہ میں وفد کو بھی اپنا مسئلہ پیش کرنے کا موقع دیا ہے۔ اور اسی لئے یہ دونوں صاحب گئے ہیں۔

ایک بات سے خوشی ہوئی، اب تک ترک، ترک قوم کی حیثیت سے سلف ڈرمینشن کے اصول پر اتحادیوں کے سامنے اپنا مسئلہ پیش کر رہے تھے، کل قسطنطنیہ کے ایک نامہ نگار کی اطلاع سے معلوم ہوا کہ اب وہ ہمارا نقطہ نظر اچھی طرح سمجھ گئے ہیں، اور خلافت اور اقتدار خلافت کے مسئلہ کو سب سے آگے کر رہے ہیں۔ الحمد للہ، تم الحمد للہ، اگر ترکوں نے حقیقت میں اپنے جواب میں اس مسئلہ کو اس المال کی حیثیت سے پیش کیا تو ہماری کامیابی مسلم ہے۔

افسوس کہ بڑش گورنمنٹ ابھی واقعہ کی تہہ کو نہیں سمجھی اور وہ کچھلے تجربوں کی بنا پر یقین کرتی ہے کہ طے ہو جانے کے بعد یہ جوش خود بخود فرو ہو جائے گا۔ اگر تقسیم بنگال کا جوش ۶ برس تک قائم رہ سکتا ہے تو کیا تقسیم خلافت کا جوش ۶ برس کی عمر بھی نہ پائے گا۔

آپ کے دو خط ایک ہی ہفتہ میں ملے، خدا کا شکر ادا کیا کہ ہندوستان میں اب اس قدر آزادی ہو گئی ہے کہ لوگ دوستوں کو ہفتہ میں دو خط لکھنے لگے ہیں۔ ہندوستان کی کیفیت جو کچھ آپ نے لکھی ہے حوصلہ افزا ہے۔ صرف دو باتوں کی ہمیشہ ضرورت رہی اور اب بھی ضرورت ہے۔ ایک یہ کہ ہمارے جوش و خروش کا طوفان آئی نہ ہو بلکہ اس کو استقلال و استقامت نصیب ہو۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں ہمیشہ کہتا ہوں کہ دفعتاً اظہارِ جوش میں مسلمان تمام دنیا کی قوموں سے آگے ہیں لیکن وہ جوش و خروش جو غور و فکر اور عقل و ہوش کے ساتھ ہوں کا فقدان ہے۔ وہ دریا ہیں جس میں روانی ہے لیکن عمق نہیں۔ اور یہی ہماری ناکامی کا بڑا راز ہے۔ محفل کی تقریروں سے گریبا کر ہم سب کچھ کر سکتے ہیں لیکن خلوت خانے میں بیٹھ کر اور ایک بات پر جم کر ثباتِ عقل و ہوش کے ساتھ کام کرنے کی غیر متزلزل آمادگی نہیں پیدا ہوئی ہے۔

دوسری چیز جو ہم میں نہیں وہ نظم و ترتیب و منیق ہے جس کو ارگنائزیشن کہتے، آپ بھی اپنے خط میں اس کمی کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور بہت کرتے ہیں کہ فیض آباد کی خلافت کانفرنس میں رہنمایانِ قوم کو اس پر سخت لعنت و ملامت کریں گے۔ یہ خیال قوت سے فعل میں بھی آیا۔ آپ کی قوتِ تقریر نے جو نیا جلوہ دیکھا ہے میں بھی اس کے دیکھنے کا مشتاق ہوں۔ خلافت کے کام سے اگر فرست ملی تو یہی جائے جہاں جوشِ ہندوستان کی آزادی میں نمایاں کرنا چاہیے۔ فرانس میں جس صاحبِ فکر سے ملے ہندوستان کی ملکی آزادی کا سوال پہلے کرتا ہے۔ پھر مسئلہ خلافت پر ہماری تقریر سنتا ہے، یورپ میں قوموں کی آزادی کا دلولہ پیدا ہے۔ مزدور پیشہ طبقہ یورپ میں چونکہ خود مبتلائے مصائب ہے اس لئے دوسرے مبتلائے مصائب قوموں سے اسے ہمدردی ہے۔ افسوس ہے کہ

اس جنگ نے فرانس کو نیم مردہ کر دیا ہے اور وہ ہر چیز میں انگریزوں کا محتاج ہو گیا ہے۔
 ورنہ اس وقت اقوام کی آزادی کی راہ میں وہ بڑی خدمت انجام دیتا۔ چونکہ اتحادی سلطنتوں
 نے اپنی عظیم الشان جنگ کا مقصد شہنشاہی و عالمگیری کے خلاف جہاد بنایا تھا اس لیے
 انگلستان کے حیا داروں کو تو نہیں لیکن فرانس کے نازک طبع لوگوں کو اب اس اصول
 انحراف کرتے حقیقت میں شرم آتی ہے۔

صلح ٹرکی کے واقعات تو اخباروں سے معلوم ہوئے ہوں گے لیکن وہ صرف
 سرکاری خلاصہ ہے۔ اصلی صلح نامہ کے شرائط و دفعات ایک اچھی خاصی تصنیف ہے
 جس کے معنی صفحہ کائنات سے ٹرکی کو محو کر دینا ہے۔ ”میشن“ ایک مشہور ہفتہ وار
 صحیح الفکر اخبار ہے جس میں ایک مضمون نگار نے لکھا ہے کہ ”صلح ٹرکی کے معنی انگریزوں
 کو تیل، اہل اٹلی کو کوئلہ اور فرانس کو ریل ہے۔“ ہمیں مستند واقعات کی بنا پر یقین ہے
 کہ کوئی ترک خواہ وہ کیسا ہی خائن ہو کبھی اس صلح نامہ پر دستخط نہیں کر سکتا اور خود
 اتحادیوں کو بھی اس کا یقین ہے اور اسی لئے ناچار اب انھوں نے مصطفیٰ کمال پاشا
 سے گفتگو کا سلسلہ شروع کیا ہے۔

ہم لوگ ۲۸ مئی تک پیرس رہیں گے، اس کے بعد ایک ہفتہ کے لئے لندن،
 اور اسی اشار میں آکسفورڈ، ۷ یا ۸ جون تک پھر پیرس واپس آجائیں گے کہ صلح ٹرکی
 کے وقت موجود رہیں۔ میں تو نہیں، لیکن محمد علی صاحب توفیق پاشا سے بچ کے طور
 پر جا کر دوبار ملے۔ ان سے وہ پہلے بھی جب وہ سفیر لندن تھے مل چکے تھے، اس وقت
 ان کی عمر ۸۰ کے قریب ہے۔ صاحب ایان و صاحب فکر رسا ہیں اور ہر طرح قابل
 اعتماد ہیں۔ انھوں نے بیان کیا کہ اس وفد صلح کی ریاست میں نے سلطان المعظم
 کے حکم سے اسی شرط پر قبول کی ہے کہ شرائط کے قبول و انکار کا اختیار مجھے حاصل ہو
 یمن اور ممبر فخر الدین بے، رشید بے اور جمیل پاشا اس پائلٹس میں مبتلا ہیں

انگریزوں کو خوش کرنے کے ان کی دجوتی سے کچھ مل سکتا ہے، برطانی قفس کا ہر مرغِ نو اسیر پہلے یہی خیال کرتا ہے اور اپنی رہائی کی یہی تدبیر سمجھتا ہے، حالانکہ یہی چیز اس کے بند بند کو زنجیر میں جکڑ دیتی ہے۔

پیرس میں ہمارا کام یہاں کے مختلف اربابِ سیاست، اسلام اور مسلمانوں سے محبت و ہمدردی رکھنے والوں، عام انسانی آزادی کے طلبگاروں سے ملنا جلنا ان کو دعوتوں میں بلانا، اپنے مطالب و اغراض سے آگاہ کرنا ہے۔ شب و روز یہی کام اور یہی شغل ہے۔ مجھے تو فرانیسی نام یاد نہیں رہتے ورنہ ایک ایک کے نام و نشان لکھتا۔ بالشویکوں نے ایران پر جو حملہ کیا ہے کہ انگریزوں کو ملک سے اس لئے باہر کریں کہ ان کی طمع شہنشاہی کو شکست ہو، اس سے انگلینڈ و فرانس کے مزدور پیشہ اخبارات بہت خوشی منا رہے ہیں۔

مولوی عبدالسلام صاحب سے کہئے کہ ان کے موسیو لیبان زندہ ہیں ان سے ملنے جاؤں گا۔ کل وفد کی طرف سے چند پروفیسروں کی دعوت تھی جن میں ایک صاحبِ ارمینوں کے نہایت ہمدرد دوست تھے، وہ میرے سامنے اور مولوی ابوالقاسم کے پہلو میں بیٹھے تھے، سب کسی نہ کسی موضوع پر باتیں کر رہے تھے، میں نے ابوالقاسم سے کہا کہ ان سے ذرا ترس کے قتل عام کی داستان تو بیان کیجئے، انھوں نے وہ سلسلہ گفتگو شروع کیا تو وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہے اور تحریک کی کہ ان حالات کو فریغ نہیں کیوں نہیں لکھتے۔ میں نے کہا کہ ابھی ارمینوں کے قتل عام کی داستان سننے سے فرصت نہیں، اب تو خود اہل یورپ مان چکے ہیں کہ ارمینوں کے قتل عام کے واقعات زیادہ تر خود غرضی سے فرضی مشہور کئے گئے ہیں

آپ نے میرا فوٹو مانگا ہے۔ لندن کے ایک مشہور فوٹو گرافر نے خود اپنی

خوشی سے خط لکھ کر اور اپنے کارخانے میں بلا کر ہمارے فولوٹ لئے ہیں، لندن واپس جا کر بھیج دوں گا، آج پیرس کے مشہور انجمن سیر عالم سے ہم لوگوں کو فولوٹ خاص اس آخری ایجاد کے مطابق ملے ہیں جو بالکل جدید ہے۔ اگر اس فولوٹ کی کاپیاں کچھ اس لئے دیں تو نذر کروں گا۔ مشرقی صورتیں اور مشرقی لباس یہاں کے لئے عجیب ہیں، اس لئے ان کی جدت نمائی کے لئے ہمارا وجود ایک نیا سامان ہے۔

کل ۱۹ مئی سے رمضان شروع ہے، روزہ رکھ رہا ہوں، ۱۸ گھنٹے کا دن ہوتا ہے، آپ کا پُر سامان رمضان یاد آتا ہے۔

پیرس، ۲۷ مئی ۱۹۲۲ء

برادر عزیز، سلمک اللہ تعالیٰ،

پچھلے ہفتہ آپ نے غلطی سے دو خط مجھے لکھ دیئے تھے، اس کی تلافی آپ نے اس ہفتہ اس طرح کی کہ کوئی خط نہ لکھا، تاکہ ہفتہ میں ایک خط کے اوسط سے حساب پورا رہے۔ مجھے وہاں دو دفعہ دردِ شکم کا جو دورہ ہوا تھا وہ یہاں زیادہ تیز ہو گیا، اس کا سبب غذا کی ناموافقت ہے۔ چونکہ گھی یہاں بیسر نہیں آتے مرغن غذا کی یہاں تکلیف نہیں، بلکہ اس کی تکلیف ہے کہ یہاں کی روز و شب کی عام غذا گوشت یا پھلی یا اندلی ہے، یہ تمام چیزیں میرے لئے مضر، غلہ ڈبل روٹی کی شکل میں صرف بطور تعلل کھایا جاتا ہے وہ بھی میرے لئے مفید نہیں۔ میرے لئے صرف ترکاری اور سبزی بتائی گئی ہے، دو روزہ نہ کھاتا ہوں، پرسوں دن بھر شدید دورہ رہا۔ تو بلغ کی تشخیص ہے صحت کی دعا کیجئے۔

چند روز ہوئے کہ توفیق پاشا رئیس وفدِ صلح سے نیاز حاصل ہوا۔ نہایت ضعیف العمر ہیں، ۸۰ کی عمر ہوگی، پیری سے ہاتھوں میں رعشہ ہے، مگر اس لئے بیچھے گئے ہیں کہ سلطانِ معظم کو ان پر اعتماد ہے۔ افسوس کہ فریخ اور ترکی

کے سوا کوئی اور زبان نہیں جانتے، توفیق پاشا کے صاحبزادہ اسماعیل حتیٰ بے موجودہ سلطان کے داماد ہیں۔ ان سے بھی ملنا ہوا۔ وہ بھی فریخ جانتے تھے۔ یانز کی اور خان ٹرکی کے سیفر متیقن طہران نے جو فریخ و ترکی کے ساتھ انگریزی و فارسی بھی جانتے تھے، ہماری ترجمانی کی۔ ع

کَانَ مَا کَانَ فَلَا اَذْکَرَهُ

کل شام کو مختلف ممالک کے مسلمانوں کو وفدِ خلافت نے کھانے پر بلایا تھا، ایران روس اور یونیس کے مسلمان شریک دعوت تھے۔ حجاز و شام کے وفد کو بھی بلایا تھا، مگر انھوں نے معذرت کی کہ اتفاق سے ان کے یہاں آج خود تقریب دعوت ہے۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ ہر ملک کے مسلمان آزادی کے لئے جدوجہد میں مصروف ہیں، اور یورپ کی پالیسی کی چالوں سے پورے طور پر آگاہ ہیں، اسی اشنا میں ایک عجیب لطیفہ ہوا۔ یہ بحث چھڑی کہ یورپ کی سلطنتوں میں سے جو مشرق اور اسلامی ممالک پر حکمران ہیں، سب سے زیادہ اپنی رعایا کے حق میں تنگ دل اور متعصب کون ہے۔ یونانی کہتے تھے ”فرانس“ قازانی بولے کہ ”روس“ ہندی مصر تھے کہ ہم سب آگے ہیں، میں نے کہا کہ یہ بیان کا اختلاف نہیں بلکہ تجربہ کا اختلاف ہے۔ مصر و شام و حجاز کے عرب و فود سے متعدد دفعہ ملاقاتیں ہوئیں، الحمد للہ کہ اختلاف مقاصد نہیں، عبارات ناشتی و حسنک واحد۔

آج پیرس میں ہماری طرف سے جلسہ تھا، وہ تمام فرقے جو اس صلح کے شرائط کو عدل و انصاف کے خلاف سمجھتے ہیں، اس میں شریک تھے، کیا عجیب منظر تھا، ان میں رائلٹ (شاہ پسند) ریڈیکل (اصول پسند) بھی تھے۔ سوشیالٹ (عوام پسند) بھی تھے، مگر آخر الذکر کی بڑی تعداد تھی۔ دشمنوں میں یونانی و ارمنی حضرات بھی تھے۔ شامی و مصری و یونانی عرب بھی تھے، جلسہ نہایت کامیاب رہا، دشمنوں

نے رخنہ اندازی کی بہتری کوششیں کیں، مگر ناکام رہیں۔ پہلے تو ہم لوگوں کو کچھ خوف ہوا کہ برہمنی نہ پیدا ہو جائے۔ مگر بالآخر ہمیں فتح حاصل ہوئی۔ چالاک سے ارمینیوں و ریلوینوں نے مطلوبوں کی فہرست میں عربوں کو بھی داخل کیا۔ مگر ہم لوگوں کے علم کے بغیر دفعہ شامی مصری عربوں نے اٹھ کر سہاری تائید میں تقریریں کیں، تو ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ مجمع میں سٹرلائڈ جارج اور موسیو ونیزیلوس کے نام سے بار بار نفرت کا اظہار ہو رہا تھا، اس ہفتہ ایک فریخ مستشرق موسیو لونی سینال ملنے کے لئے تشریف لائے یہ وہ صاحب ہیں جو امیر فیصل کے بہرکانے کو عرب بھیجے گئے تھے۔ بڑی میٹھی میٹھی باتیں کرتے تھے، بات بات پر قرآن کی آیت پیش کرتے تھے، تصوف کا بھی دعویٰ تھا، مسلمانوں کے تمام واقعات کو تقدیر کے حوالہ کرتے تھے کہ کیا کبجے تقدیر یوں ہی تھی، تقدیر سے چارہ نہیں، مسلمانوں کو تقدیر پر پشاکر رہنا چاہیے، صبر و شکر سے کام لینا چاہیے، اولیاء و انبیاء کا یہی طریقہ تھا۔ دولت و سلطنت آنی جانی چیزیں ہیں۔ اس وقت مجھے ڈاکر اقبال کی مشنوی کا وہ واقعہ یاد آیا، جس میں انھوں نے بھیڑیے اور بکری کا قصہ لکھا ہے۔ مجھے بڑا غصہ آیا اور نہایت ترش و تلخ جواب دیئے۔

ترک پیرس میں شرائط صلح کا جواب تیار کر رہے ہیں، معلوم ہوا ہے کہ ایک ایک دفعہ کا نہایت مسکت و مدلل جواب لکھ رہے ہیں۔

ہم پرسوں ۲۹ کی صبح کو لندن واپس جائیں گے۔ یکم جون کو آکسفورڈ جانا اور ۸ جون تک پھر پیرس واپس آنا ہوگا۔ پرسان احوال کو سلام، ہاں جلسہ میں پولینڈ کے ایک مسلمان سے ملاقات ہوئی، وہ پولینڈ کی طرف سے قسطنطنیہ میں سیفر مقرر ہوئے ہیں۔
۱۲، لندن ۳ جون ۱۹۲۰ء

برادر عزیز سلام شوق

م

خط مورخہ ۲۸ اپریل، ۲۷ مئی کو ملا، یاد آوری کا شکریہ! آپ کے خط سے

نیز جناب شوکت علی صاحب کے والا نامہ سے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ نے حسب دستور اعظم گڈھ اور جوپور میں اس قدر منظم اور مرتب نظام عمل قائم کیا کہ اس سے بہتر نہیں ہو سکتا، آپ کے حسن نظم اور قوت عمل کا ہمیشہ سے معترف ہوں لیکن افسوس اس پر تھا کہ ابھی تک کوئی بڑا کام آپ کے زیر عمل نہیں آیا، جس سے یہ قوت فعلیت میں جلوہ گر ہوئی، الحمد للہ کہ مسئلہ خلافت نے ایک ضرورت پیدا کی ہے۔ اور مسلمانوں کو بتایا ہے کہ دنیا میں ان کے لئے بڑا کام کیا ہے۔ مجھ کو خوشی اور فخر ہے کہ آپ کا دست و بازو اس باریعظم کو پوری طرح اٹھا رہا ہے۔ شوکت علی صاحب نے آپ کی بڑی تعریف محمد علی صاحب کے خط میں لکھی ہے اور لکھا ہے کہ مسعود نے اعظم گڈھ اور جوپور میں اس قدر عمدہ اور باسلیقہ نظام عمل قائم کیا ہے کہ تمام ہندوستان کی مجلس خلافت کے لئے وہ نظیر ہو سکتا ہے۔

ایں کار از تو آید و مرداں چیں کنند

آپ جوپور و فیض آباد کے سفر حج سے واپس آگئے ہوں گے، اخبارات میں وہاں کی کارروائیاں پڑھیں۔

پیرس میں ہمارا دوسرا جلسہ ۲۷ مئی کو ہوا جس کے کچھ حالات پہلے خط میں لکھ چکا ہوں اور اس کی کارروائی کا تاریخ کل لندن سے روانہ کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ اس کو پڑھ کر آپ خوش ہوں گے۔

کل البانی ڈیلیگٹ کے ایک مسلمان ممبر محنت (محمد) کو نرا سے ملاقات ہوئی معلوم ہوا کہ البانیہ میں ۱۰ لاکھ مسلمان ہیں اور ۵ لاکھ عیسائی، ریاست باسے بلقان میں سے ہر ایک یعنی سر دیا، رومانیہ، بلغاریہ ہر ایک کی آزادی اور استقلال یورپ کے نزدیک مسلم ہے اور ان میں سے ہر ایک ریاست اب بڑھ کر حکومت اور سلطنت بن رہی ہے۔ لیکن غریب البانیہ اب تک معرض التوا میں ہے اور یونان، اٹلی اور سر دیا

کی تقسیم کی کشمکش میں ہے۔ حالانکہ اس نے گذشتہ جنگ میں اتحادیوں کا ساتھ بھی دیا، قصوراً، قصوریہ ہے کہ اس کی بڑی آبادی مسلمان ہے۔ اصلی قدیم البانیا میں جیسا کہ البانی مسلمان سے معلوم ہوا ۲۰ لاکھ مسلمان تھے لیکن ۱۰ لاکھ غلاموں کی طرح یونان و سرویا میں تقسیم کر دئے گئے۔ اس پر بھی بدقسمتی سے تعداد کم نہ ہوئی تو ان کے لئے یہ سزا تجویز کی گئی کہ ان کو خود مختاری نہ بخشی جائے گی۔ کچھ دنوں بعض ارکان پارلیمنٹ کے دستخط سے ایک اپیل شائع ہوئی ہے کہ البانیا کے ساتھ انصاف کیا جائے لیکن انصاف کے معنی معلوم ہیں، البانیوں کے عیسائی اور مسلمان آبادی میں باہم نہایت اتحاد ہے اور دونوں اپنے کو ایک ہی قوم سمجھتے ہیں۔

۳ جون کو ہمارا قافلہ آکسفورڈ گیا تھا۔ وہاں کے عجائبات علمیہ دیکھے، متعدد کالجوں کا مشاہدہ کیا، کتب خانے دیکھے، انگلستان چونکہ جزیرہ ہے اس لئے یہاں کے باشندوں کو مجبوراً ملاح ہونا چاہیئے اور اسی لئے انگلستان دنیا کی سب سے بڑی بحری قوت ہے لیکن معلوم ہے کہ یہ قوت بحری اپنی تعلیم کا کہاں سے آغاز کرتی ہے۔ کیمزج اور آکسفورڈ کی یونیورسٹی سے، دونوں جگہ منجملہ درجہ ثلث کے کشتی رانی کا بھی بڑا انتظام ہے۔ اور یہ وہاں کا ایک ضروری حصہ ہے۔ شہر میں فطری و مصنوعی نہریں ہیں۔ جن کے کناروں پر ہر کالج کا اپنا گھاٹ ہے۔ جس میں اس کالج کی کشتیاں پڑی ہیں، ہر کالج کی علیحدہ علامت اور نشان ہے جو کالج کی عمارتوں پر طلبہ کے لباسوں پر کشتیوں کے ہینرمی گھاٹوں پر بنا ہے، طلبہ اپنے وقت کا بڑا حصہ کشتی رانی میں صرف کرتے ہیں۔ سال میں ایک دفعہ لندن آکر کیمزج اور آکسفورڈ کا مقابلہ ہوتا ہے۔ جس زمانے میں ہم لوگ آئے تھے یہ مقابلہ ہو رہا تھا۔ تمام ساحل پر تماشا یوں کا ہجوم رہتا ہے۔ دیکھنے کی ایک گراں فیس ہوتی ہے جو جیت جاتا ہے اس کے محامد و اوصاف ہینوں اخبارات میں مزے لے لے کر گنائے جاتے

ہیں۔ والسلام

۲۳ لندن، ۳ جون ۱۹۲۰ء

عم محترم، السلام علیکم

پچھلے ہفتہ زیارت سے محروم رہا جس کا افسوس ہے۔ پیرس کے عجائبات علمیہ میں سے اس کی دو درس گاہیں دیکھیں، کانج دی فرانس اور سارلون یونیورسٹی کا لا (LAW) کالج، انگلستان میں کیمزچ پہلے دیکھ چکا تھا۔ اس ہفتہ اوکسفورڈ بھی دیکھا، کتب خانوں میں سے انڈیا آفس لائبریری کئی دفعہ گیا۔ برٹش میوزیم صرف ایک دفعہ جانا ہوا۔

الحمد للہ کہ آپ نے میرے مضامین کو مسلم اوٹ لک میں نکلے ہیں پسند کیا، اس دفعہ ہندوستان سے جو اخبارات آئے ہیں ان میں البرید کا پتور کا بھی ایک نمبر ہے جس میں مسلم اوٹ لک سے میرے مضمون ترجمہ کیا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ نہایت غلط ترجمہ ہے، خدا جانے کن صاحب نے یہ عنایت کی ہے۔

”بریٹن اینڈ انڈیا“ یہاں ایک رسالہ نکلتا ہے، اس میں میرے دو مضمون نکلے ہیں ایک ”خلافت“ پر اور ایک ”پردہ اور ہندوستان پر“ یہ ایک انگریز خالون کے جو مدارس میں رہتی تھی اور سزائی بیسٹ کی مربی تھی، جواب میں ہے نیوٹن بیسٹ میں یہاں کا ایک سنجیدہ رسالہ ہے۔ اس میں اسلام اور دنیا کے عنوان سے ایک مناظرہ نکل رہا تھا کہ آیا اسلام دوسری قوموں اور مذہبوں کے ساتھ روادار ہے یا نہیں۔ میں نے ایک جوابی مضمون اس میں لکھا جو مئی کے آخری نمبر میں شائع ہوا اور اسی پر مناظرہ ختم ہو گیا، ان مضامین کے ایک دو نسخے لے کر آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا۔

یہ تو یقین ہے کہ ترک ارکان صلح موجودہ دفعات صلح کو تسلیم نہیں کریں گے۔ لیکن ڈر جو کچھ ہے یہ ہے کہ اتحادیوں کی محض معمولی نمائشی تبدیلی کے بعد وہ اسے تسلیم نہ کر لیں۔ توفیق پاشا کا ماضی جو کچھ ہو مگر موجودہ اور حال تو امید افزا اور تسلی بخش ہے۔

ہندوستان سے اب اور وفود کا یورپ آنا بالکل بے کار ہے۔ اب تو قصہ زمین
برسر زمین ہونا چاہیے۔ پیرس میں دیگر ممالک کے مسلمانوں کے علاوہ پولینڈ کے ایک
مسلمان سے ملاقات ہوئی جو پولینڈ کی طرف سے سیفر ہو کر قسطنطنیہ جا رہا تھا، اور
اتفاق سے اس جہز میں شریک ہو جو ہم لوگوں کی طرف سے پیرس میں، ۲۴ مئی کو ہوا تھا۔
موجودہ البانیہ کی طرف سے بھی ایک وفد اپنی زندگی کے مطالبہ کے لئے یہاں
آیا ہے اس کے ایک ممبر محنت (محمد) نامی سے کل ملاقات ہوئی، ملنے کو آئے تھے،
یہ کہتے تھے کہ قدیم البانیا میں ۲۰ لاکھ مسلمان تھے اور اب موجودہ البانیا میں صرف
دس لاکھ ہیں، باقی ۵ لاکھ عیسائی ہیں۔ یہ سن کر افسوس ہوا کہ کوئی مذہبی مدرسہ ان کے
ہاں نہیں، کچھ یونانی اور سری مارس ہیں، کچھ البانی مدارس ہیں، غالباً یہی حال
رومانیا، سرویا، بلغیریا اور یونان کا ہو گا۔ قسطنطنیہ سے سیاسی انقطاع تعلق کے
بعد وہاں کے عربی دینی مدارس سے بھی ان کا انقطاع ہو گیا ہے۔ مجھے تو اس کی سخت
ضرورت نظر آتی ہے کہ ان ممالک کے مسلمانوں کے لئے عربی و دینی تعلیم کا ہیں ان
کے ملکوں میں کھولی جائیں۔ ان کی زبانوں میں قرآن مجید کے ترجمے ہوں۔ مذہبی
رسائل تالیف پائیں۔ ورنہ اگر آج خبر نہ لی گئی تو کل دو ہی نتیجے ہوں گے یا وہ
عیسائیوں میں جذب ہو جائیں گے یا جاہل و بے دین رہ جائیں گے، درحقیقت
یہ بھی ایک بڑا کام ہے۔

www.KitaboSunnat.com

ادکس فورڈ اور کیمرنج دیکھ کر یہ معلوم ہوا کہ مشرقی و مغربی طرز تعلیم و تربیت
میں کیا فرق ہے، مشرقی طالب علم کا مدعا یہ ہے، یا یوں کہیے کہ مشرقی مدارس کا مقصد
یہ ہے کہ طالب علم زیر درس علوم میں ماہر ہو جائے۔ لیکن مغربی طرز تعلیم کا منشا یہ ہے کہ
طالب علم کے تمام قولے جسمانی و دماغی و اخلاقی میں بالیدگی ہو، علاوہ تعلیم کے
ہو و لعب، ورزش جسمانی، کشتی رانی کی خاصی مشق کرائی جاتی ہے، ان کے یہاں

انجینس اور مجلسیں ہیں جن میں پالٹکس بلکہ انٹرنیشنل پالٹکس پر آزادانہ بحثیں ہوتی ہیں ابھی ابھی ایک انگریز طالب علم جس کو حقیقت میں پروفیسر کہنا چاہیے ملا، دیر تک لٹونم پر گفتگو کرتا رہا اور یہ بتاتا رہا کہ روسی مسلمانوں پر اس کے کیا اثرات ہوں گے۔ موتی اس کا نام ہے۔ اس نے ایک نخب ایشیاٹک ایسوسی ایشن قائم کی ہے جس میں ایشیا کے متعلق ہر حیثیت سے بحث کی جاتی ہے۔ ترکی کے شرائط صلح پر بحث کی جا چکی ہے پچھلے ہفتہ عراق کے مسئلہ پر بحث تھی۔ پروفیسر ٹو امبی ایک بزرگ ہیں جو ترکوں کے شدید دشمن ہیں، گورنمنٹ کی طرف سے آرمینیا کے قتل عام پر جو کتاب ازرق (بلیو بک) لارڈ برائس کے نام سے شائع ہوئی، اس کے مصنف یہی صاحب ہیں۔ آئندہ پروفیسر ممدوح اپنے خیالات عالیہ کی اشاعت کے لئے اوکسفورڈ کی مجلس مذکور میں جانے والے ہیں۔

بہر حال اس سے اندازہ ہو گا کہ ہندوستان کے محکمہ تعلیمات کا یہ اصول کہ پالٹکس کو احاطہ تعلیم کے اندر داخل نہ ہونا چاہیے اور طلبائے ہند سیاست کو شجر ممنوعہ سمجھیں کس حد تک یورپین طریقہ تعلیم کے منافی ہے اور اس روک تھام سے ہمارے محکمہ تعلیم کا مدعا کیا ہے اچھی طرح سمجھ میں آ سکتا ہے۔

اوکسفورڈ میں کل ۱۸، ۱۹ کالج ہیں جن میں طلباء کی تعداد دو دو ہزار ہو گی، ان میں ۵، طلباء ہندوستانی ہیں ان میں سے ۳۰ کے قریب مسلمان ہیں۔ اس سے زیادہ تعداد کیمز میں ہے، کیمز اور اوکسفورڈ دونوں مقامات میں جس قدر کالج ہیں ان کی عمارتیں بالکل قدیم طریقہ کی ہیں اور فخر ان کو ایسی حالت میں باقی رکھا گیا ہے تاکہ ان کی قدامت کا اظہار ہر حیثیت سے ہوتا ہے، یہ وہ قومیں ہیں جو غیروں کی محکومی سے پاک رہی ہیں۔ اس لئے یہ ان کی قدامت کے آثار اب تک نقشِ روزگار ہیں۔ بغداد سے ایک رسالہ اللسان نکلتا ہے۔ اس کو دیکھ کر اور یہ معلوم کر کے

خوشی ہوئی کہ وہاں ایک عظیم الشان درسگاہ کا افتتاح ہو رہا ہے۔ پچھتر ہزار کے قریب اب تک روپیہ جمع ہوا ہے، ترکوں کے زیر حکومت یہ عرب آرام سے سوتے تھے اور جب غیر مل کا جو تہ سر پر نظر آیا۔ تو آنکھیں مل کے اٹھے ہیں۔ مجھے تو یہ نظر آتا ہے کہ مسلمان صرف غیروں کے تھپڑ ہی سے بیدار ہوں گے، البانی مسلمان کہتا تھا کہ اب البانیا کے مسلمان اور عیسائی دونوں ترکوں کو یاد کر کے روتے ہیں۔
تصویریں کچھ اعظم گڑھ بھیجی ہیں، دونوں میں سے ایک آپ اور ایک وجود منظر کے والہ کیجئے، بھائی داؤد صاحب شاید خارشٹ اور آلودوں سے نجات پا چکے ہوں گے۔
والسلام۔

۲۴ لندن ۱۰ جون ۱۹۲۰ء

۴۴

برادر مکرم، سلمک اللہ تعالیٰ،

السلام علیکم، آپ کے دونوں خط پہنچے، شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی کا خطبہ صدارت در حقیقت ان کے عمیق مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ اور یہ بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں میں ان مسائل پر ان سے زیادہ کوئی وسیع معلومات اور حاضر العلم نہیں۔

خطبہ خلافت نبض آبادیں

میں نے غالباً ۱۰ اپریل کو لوگوں کو جو خطوط لکھے تھے ان میں جنرل نوری سعید شاہ اور حداد پاشا نائبین امیر فیصل اور بعض ارکان وفد سے ملاقات کی تفصیل اور اپنا اور ان کا مکالمہ لکھا تھا، لیکن میں نے آپ کے خطوط میں اس کا ذکر نہ پایا بلکہ بعض اُردو اخبار میں یہ لکھا پایا کہ پیرس میں محمد علی صاحب اور جنرل موصوف سے ملاقات ہوئی، حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے۔ ہاں پیرس میں رستم حیدر اور نجیب شفیق حجاز کے ارکان وفد سے البتہ کئی دفعہ ملاقاتیں ہوئیں، جون کو محمد علی صاحب اور ۹ کو حسین صاحب پھر پیرس گئے ہیں کہ وہاں کے ایک جلسہ میں شریک ہوں، ہمارے وفد

کے بقیہ ارکان لندن ہی میں مقیم ہیں۔

آج کل بالشویک سیفر کر لیس اور مسٹر لائڈ جارج سے کچھ چھپ چھپ کر ملاقاتیں ہو رہی ہیں، خبریں تو آپ اخبارات میں پڑھ چکے ہوں گے۔ مسٹر لائڈ جارج کا صاف اور صریح مطلب یہ ہے کہ اگر بالشویک ہماری مشرقی پالیسی اور برطانوی سیاسیات میں دخل اندازی نہ کریں تو ہمیں ان سے کوئی مخالفت نہیں۔ بالشویکوں کے مقابلے میں اس وقت برطانی پالیسی یہ ہے کہ انھیں چین سے بیٹھنے نہ دیا جائے۔ پولینڈ اور یوکرین تو پہلے ان کے مقابلے میں کھڑے کئے گئے تھے۔ اب کریمیا بھی کھڑا کیا جا رہا ہے۔

صاف و صریح مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کی تباہی و بربادی کے لئے، اگر وہ بھی ہماری طرح زار کے عہدِ تنم کی مطابق آمادہ و مستعد ہوں تو ہماری دوستی کا نذرانہ ہے۔ ورنہ تمہیں بھی مسلمانوں کی طرح چین سے بیٹھنے نہ دیا جائے گا۔ ایشیائے وسطیٰ کی جن اسلامی ریاستوں کو تم نے آزاد کیا ہے یا تو انھیں پھر تم اپنا غلام بنا لو یا مجھ اپنی غلامی میں انھیں لینے دو۔ ایران و عراق کو یا تو مسلم ہمیں مضہم کرنے دو یا تم اپنا حصہ لے کر ہم کو اپنا کام کرنے دو۔ آپ سمجھتے ہیں کہ انگلینڈ نے آرمینیا کے لئے اس قدر کیوں زمین و آسمان سرپاٹھا لیا۔ صرف دو سبب سے، ایک تو باکو کے تیل کے لئے دوسرے اس لئے کہ ترکوں اور تاتاریوں اور ترکمانوں کی مسلمان ریاستوں کے درمیان ایک آرمینیا نام دیوار قائم کر دی جائے تاکہ اتحادِ اسلامی کا تخیل پورا نہ ہو سکے۔ ایران کے حدود میں برطانی اور بالشویکوں کی آویزش محض بازیِ طفلانہ ہے، تاکہ پولینڈ کی برطانی سیاست کا جواب ایران کے میدان میں دیا جائے۔ کل کی خبر آپ نے پڑھی ہوگی کہ انزلی کے بعد انگریزوں نے رشت بھی خالی کر دیا۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کو بالشویک یا کسی اور کے بھروسے پر ہرگز کام نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ اپنے پاؤں پر آپ کھڑا ہونا چاہیئے۔ کوئی ان میں مسلمانوں کا سچا ہی خواہ نہیں،

صرف اپنا وجود ان کو آپ مطلوب ہے۔ فرانسیسی حلقہ میں یہ خیال ہے کہ چونکہ برطانیہ یہ چاہتا ہے کہ ایران پر اپنا پورا تصرف جمالے لیکن چونکہ دول اس کے لئے منظوری نہ دیں گے۔ اس لئے بالشویکی جموں کی نمائش کر کے لیگ آف نیشنس سے ایران کی حقانیت کی اجازت حاصل کر لی جائے۔

بعض انگریز ارباب سیاست اخبارات میں لائڈ جارج کی پالیسی پر سخت تنقید کر رہے ہیں۔ کرنل لارنس کا بھی جس نے عربوں کو بغاوت پر آمادہ کیا، خط اخبارات میں لائڈ جارج کی پالیسی کے خلاف شائع ہوا ہے مگر یہ مخالفت اس لئے نہیں کہ یہ ہمارے وعدوں کے خلاف ہے، یا مسلمانوں کے مطالبات یہ ہیں۔ بلکہ اس لئے کہ عراق کی آمدنی کم اور اخراجات زیادہ ہیں اس لئے پڑتا ٹھیک نہیں پڑے گا۔

کل مجھے اپنے ملاپن کے صدقہ میں ایک اسلامی دیور پین نکاح پڑھانا پڑا، یعنی ایک مسلمان نوجوان کا نکاح ایک یورپین لیڈی سے۔ نکاح کے گواہوں میں مرزا عابد علی بیگ بھی تھے۔

الحمد للہ! جسمانی حیثیت سے آج کل صحیح ہوں اور آپ لوگوں کے واپس طلب کرنے کا شب و روز منتظر ہوں۔ یورپ کے مرغزار سے ہمارا وہ صحرا ہی ہمیں محبوب ہے، یہ مجاز اب حقیقت ہے کہ ع

حُب الوطن از ملک سلیمان خوشتر

۴۵ لندن ۱۰ جون ۱۹۲۰ء

ع

عم محترم السلام علیکم

پچھلے ہفتہ میں آپ کا کوئی خط نہیں ملا، آج ہندوستانی ڈاک کا دن ہے۔ شاید آپ کا کوئی خط اس ہفتہ مل سکے۔ الحمد للہ میں بخیریت ہوں، یہاں کے حالات بدستور ہیں، اگر تغیر ہوا ہے تو صرف اس قدر کہ جو پردہ انگلینڈ اور بالشویک روس

کے درمیان حائل تھا، وہ اب اٹھ رہا ہے، انگلستان میں خلافت کے متعلق جس قدر جلسے ہوئے ان میں انگریزوں کی طرف سے گفتار و تعدادِ شرکت کو دیکھ کر میں دل میں کہتا تھا کہ چونکہ براہِ راست ترکی سے انھیں تعلق نہیں، اس لئے ان جلسوں سے انھیں لپٹگی نہیں مگر مئی کے اواخر میں یہاں ہندوستان اور پنجاب کے مصائب اور ہڑتالیوں کے متعلق جلسہ تھا، اس کو دیکھ کر مجھے معلوم ہوا کہ انگریز پبلک کو ہندوستان سے زیادہ ترکی سے تعلق ہے۔ خلافت کے جلسوں میں اس سے کہیں زیادہ گرمی اور انگریز پبلک کی شرکت ہوتی ہے۔ ایک طرف تو بعض سوشیالسٹ پارٹی کے ممبر پلیٹ فام پر کھڑے ہو کر اڈوائز کو گالیاں دے رہے تھے تو دوسری طرف چھت پر کھڑے ہو کر ایک انگریز جماعت اڈوائز کی حمایت میں جلسہ کو درہم برہم کرنا چاہتی تھی۔

پہلے خط میں میں نے لکھا تھا کہ پولینڈ کی طرف سے ایک مسلمان قسطنطنیہ کا سفیر مقرر ہوا ہے۔ آج ان صاحب سے معلوم ہوا کہ امریکہ میں بھی روسی بالشویک سفیر ایک مسلمان رستم بے مقرر ہوا ہے۔ وہ امریکہ کی حالت بیان کرتے تھے کہ وہاں لاکھوں ارمن کا روبرو کرتے ہیں اور انھوں نے وہاں ترکوں کو بے حد بدنام کر رکھا ہے۔

فرانسیسیوں کے متعلق میری رائے بہت بدل رہی ہے۔ میں نے ان کو پرلے درجہ کا منافق سمجھا ہے۔ ہند کے ایک خاص طبقہ کے اخلاق سے ان کا اخلاق بہت ملتا جلتا ہے۔ ظاہری نمائشی اخلاق ان میں بہت ہے۔ دکھائے کی ہمدردی ان کا خاصہ قومی ہے۔ منہ پر ہر قسم کی چکنی چڑی باتیں کریں گے مگر دل میں جو نفاق ہے وہ ظاہر نہ کریں گے۔ دنیا کے حریت طلب اقوام کے بیسیوں وفود ان کی باتوں میں دھوکا کھا کر ان کے سہارے اپنی آزادی کے لئے آخر شماریاں کر رہے ہیں۔ والسلام

سلام علیک، بھیارہ اور اعظم گڑھ کے توام خط کے بعد پھر آپ کا کوئی خط نہیں ملا، چنانچہ یہ ہفتہ بھی خالی گیا اور اس سے پہلے ہفتہ میں بھی مایوسی ہو چکی تھی، کہ صدارتی خطبوں کے پکیٹ اندر سے دفعتاً آپ کے خطوط برآمد ہوئے۔

سیرۃ عائشہؓ کے صفحات پہنچے، اصلاح سنگی اور تصحیح کی شکایت ہے۔ سینین اور علام میں احتیاط کی تاکید فرمائیے۔ میں دو صفحے بھیجتا ہوں، کارکنان مطبع کے ملاحظہ میں گذرانئے،

عربی کتابیں بہت سی خرید لی ہیں اور بہت سی آرہی ہیں، ہاں جناب لندن کی تقویم میں آج رمضان کا آخری دن ہے۔ کل عید ہے۔ صبح کی گاڑی سے کل دوکنگ نماز پڑھنے جائیں گے۔ میرا روزہ شروع سے بڑی شان سے ہوا، مگر دردِ توہین نے اٹھ کے مجھے بٹھادیا، کچھ ادھ کچے روزے ہوئے، آج کا افطار سوا نوپہرے۔ آج کے خط میں، میں آپ کو اپنے گھر کا اور سامنے کے منظر کا نقشہ کھینچتا ہوں۔ ایڈورڈ ہفتم کے باپ پرنس البرٹ کا تو نام آپ نے سنا ہوگا، جس مکان میں ہم لوگ مقیم ہیں اس کا نام البرٹ ہال منیشن ہے۔ البرٹ ہال انگلینڈ کا سب سے بڑا اور مشہور ترین ہال ہے جس میں دس ہزار آدمیوں کی نشست ہے۔ یہ ہال ہمارے مکان کے پیچھے ہے ہال کے ایک طرف میں البرٹ ہال منیشن ہے۔ یعنی عظیم الشان عمارتیں ہیں جن میں سے ہر ایک کے اندر چھ سات منزلیں ہیں۔ میری سکونت چوتھی منزل پر ہے جس کو ۱۱۲ زینے کی مسافت قطع کرتی ہے۔ اگر لفٹ (کل کا زینہ) نہ ہو تو اترنا چڑھنا مشکل ہو جائے۔ البرٹ ہال کے کل فلیٹ (درجہ عمارات) کا نمبر ۵، سے زیادہ ہے۔ ہمارے فلیٹ کا نمبر ۶ ہے، مکان کے سامنے باغ ہے۔ اس باغ میں البرٹ میموریل ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک عظیم الشان چبوترہ پراسٹیجو قائم ہے، چبوترہ کے چاروں طرف گوشوں

پردنیا کے چار بڑے عظم الشیاء، افریقہ، امریکہ اور یورپ کے باشندوں کے مع ان کی
 اقلیمی خصوصیتوں کے مجسمے ہیں، ہندوستان ہاتھی پر سوار ہے، افریقہ اونٹ پر امریکہ بھینس
 پر اور یورپ گائے پر اس باغ کو طے کیجئے تو دوسرا باغ شروع ہوگا، جس کا نام نامی و
 اسم گرامی بانڈ پارک ہے اور جو چار دانگ عالم میں اپنی خصوصیات کے لئے مشہور ہے
 یہاں اکثر اوقات لوگوں کو بے حجاب جلوے نظر آتے ہیں۔ جا بجا میدانوں میں،
 درختوں کی جڑوں میں، کنج باغ میں، جھاڑیوں میں دو دو کرسیاں چھپی ہوئی ملیں گی،
 قرآن کی آیت پاک وَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ کی تفسیر کا عملی مشاہدہ آپ کو یہیں
 ہوگا، اس کے پیچ میں ایک نہر جاری ہے جس میں سیکڑوں کشتیاں پڑی ہیں، ہر کشتی
 کسی مرد یا صنفِ نازک کی انگلیوں سے حرکت کرتی ہوئی کسی نہ کسی جھاڑی کے سایہ
 میں پسپے کر گھنٹوں آرام کرتی ہے اور انواع و اقسام کے لذائذ روحانی کا منظر دکھاتی ہے
 ہر کس و نا کس چلتے پھرتے یہ منظر دیکھ سکتا ہے۔ مگر آپ یہ نہ سمجھئے کہ بد اخلاقی کے ان
 مرتکبوں کی گرفت ملک کی اعلیٰ متمدن حکومت کی طرف سے قانوناً نہیں ہوتی۔ نہیں جناب
 باغ کے صدر دروازے پر آپ کو جلی حرفوں میں یہ قانون تختیوں پر لکھا نظر آئے گا کہ
 پبلک منظر کو شرمناک واقعہ کے عملی مشاہدہ سے متاثر نہ کیا جائے مگر اس قانون کی
 عملی تفسیر یہ ہے کہ ہر ممکن طریق و انداز عمل سے ہر روبرو دعوتِ نظردی جائے۔
 ارضی جنت کے اس احاطہ میں اگر فرشتہ غیب کی جو پہلی آدنا آپ کے کالوں میں
 آئے گی وہ اَعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ ہے۔ انگریزوں کو فخر ہے کہ ان کے اور صرف ان کے
 ملک کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہاں قانوناً فاحشہ کا وجود نہیں، لیکن عملاً ان کو
 یہ بھی فخر حاصل ہے کہ ان کے ملک کا کوئی راستہ، گلی، چوراہا، باغ دریا، غرض ہر وہ
 مقام جہاں کوئی مادی جسم رگنڈر پاسکتا ہو اس شریف طبقہ کے وجود سے محروم نہیں۔
 میں نے روزہ کی حالت میں اس منظر کی تفصیل کی، اس سے روزہ الگ خراب ہوا

اور آپ کے خیالات کو اشتعال دینے کا الگ ترکیب ہوا، خدا آپ کو محفوظ اور مجھے محفوظ رکھے۔ پالیٹکس کا قصہ میں نے اس خط میں نہیں چھیڑا۔ والسلام
۶ جون ۱۹۲۰ء لندن

۱، ظ

عزیزم سلمہ

السلام علیکم، خط ملا، غلطی سے ندوہ کی شرکت کے لئے تمہارا سفر اور کفارہ گناہ کے طور پر گھر پہنچ جانا آج سے بہت دن پہلے معلوم ہو چکا تھا۔
یہ کیا کہتے ہو کہ ہم وزیر اعظم سے مرعوب ہو گئے۔ مرعوبیت اتنی بھی ہوئی ہو جتنی مجھے اپنے بڑے بھائی کے سامنے ہوتی ہے تو کفر۔ اس انگلینڈ میں جہاں بادشاہ بھی رسمی اور قدیم دستورِ عظیم کے سوا کسی عزت کا مستحق نہیں، وزیر اعظم سے رعب کھانا قابلِ مضحکہ تخیل ہے۔ اب تک ارکانِ وفد کے جس قدر بیانات، تقریریں، اودا علانات ہوئے ہیں، ان کا عشرِ عشر بھی آج تک کوئی ہندوستانی یہاں آکر نہ کر سکا۔ اب تک کس ہندوستانی کو ہمت ہوئی تھی کہ انگلینڈ کی سرزمین میں آکر جہاد کی تہدید کرے؟ کس ہندوستانی نے یہ جرأت کی تھی کہ انگلینڈ میں بیٹھ کر غیر بادشاہوں کے نام معروضے بھیجے؟ اب تک کس ہندوستانی نے یہ خطرہ گوارا کیا کہ یورپ کے دیگر وزراء کے سامنے اپنے بیانات پیش کرے؟

مجھے تو یہاں آکر جس بات سے تسکین ہوئی وہ یہ نہیں ہے کہ بڑکی پھر جی اٹھے گا، بلکہ اس سے ہوتی ہے کہ بوڑھے اسلام کے بجائے اب ایک نوجوان اسلام پیدا ہوتا میں دیکھ رہا ہوں، ممالکِ اسلامیہ کی حریتِ طلبی اور آزادی کے لئے سرکف کوششوں کے آثارِ صاف نظر آ رہے ہیں، آج کل لندن میں نوجوان مصر کا وفد استقلالِ مملکت کی سند حاصل کر رہا ہے۔ فرانس میں ٹیونس کا وفد ان ہی اغراض سے مقیم ہے، روس کی خاکستر سے جوئے شعلے (نئی اسلامی ریاستیں) اٹھ رہے ہیں،

وہ بار مخالف کے جھونکوں سے بچھ نہیں سکتے۔

صلح کے انعقاد تک ہم لوگوں کا قیام یہاں ضروری ہے اور آخر وقت تک انشاء اللہ مایوس نہ ہوں گے۔ بلکہ انعقادِ صلح کے بعد بھی ہمارے مطالبات اور ہمارے مساعی آخر وقت تک قائم رہیں گے۔ ہم نے اعلان کیا ہے کہ یا قسطنطنیہ یا دلی، انگریزوں کو یہ دونوں نہیں مل سکتے۔

میں تو یورپ کے طرزِ تمدن سے گہرا گیا ہوں، مصووع کے واقعات میں نے کسی اخبار میں نہیں پڑھے۔ کیا وہاں کسی اخبار میں شائع ہوئے تھے؟ مجھے انتظار تھا۔ یوسف صدیقی (رنگون) سے مجھے ملنا تو یاد آتا ہے، مگر تمہارے خط آنے کے بعد سے ان سے ملنا نہیں ہوا، حافظ عبدالصمد صاحب ندوی نے تو بن باسی لی ہے ان کو مجھے سلام پہنچانے سے کیا مطلب؟

محمود یوسف بھائی میاں کو سلام مسنون، معارف کے لئے یہاں سے کیا لکھوں ایک دو چیزیں لکھی ہیں، کل عید ہے، نماز دو کنگ میں ہوگی۔

ابن خلکان کو بد مذاق شاعر کہنا خود بد مذاقی ہے، ابن خلکان پر میرا ریلو گو طالب علمی کا لکھا ہے مگر اضافہ سے بالاتر ہے۔ والسلام

۲۵ لندن، ۱۶ جون ۱۹۲۰ء

عزم محترم، سلام مسنون

ع

۲۲ مئی کا والا نامہ میرے ہاتھ میں ہے، مجھے تعجب ہے کہ ۱۴ اپریل کے بعد سے میرا کوئی خط آپ کو نہیں ملا، اس کے دو سبب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ فرانس سے خط لکھا تھا، شاید وہاں سے ہندوستان کی ڈاک دیر تک پہنچتی ہو، دوسرا سبب یہ ہے کہ نہ صرف مجھے بلکہ میرے تمام رفقاء کو یقین ہے کہ ہمارے خطوط راستہ میں گھلتے ہیں اور اربابِ مطلب ان کو کام میں لاتے ہیں۔ اس لئے خطوط میں وہی مضامین ہم

لکھتے ہیں جن کو ہم ہر ملا کہہ سکتے ہیں۔ انڈیا آفس یورپ کی سر زمین میں نظم مملکت کے
رخسارہ کا داغ ہے۔ سنا ہے کہ اس کو کسی اخلاقی عیب میں عار نہیں۔

رمضان شریف میں تو یہاں سبھی تشریف لائے تھے، کوئی دو گھنٹے ہوئے کہ
رخصت ہوئے، کل عید ہے اور صبح دو کنگ کی تیاری ہے۔ اور کل ہی ڈاک کا دن ہے
اس لئے ایک دن پہلے ہی خط لکھ کر ڈال جاتا ہوں۔ روزے کچھ رکھے، کچھ نہیں، طبیعت
پیش میں ناساز ہو گئی تھی، اب اس کی قضا یہاں تو کرتا نہیں، ہندوستان پہنچ کر جاڑوں
میں قضا ادا ہوگی۔ یہاں کے ۸ گھنٹوں کے روزے کی قضا نہیں معلوم وہاں کے
۱۲ گھنٹے کے دنوں میں ادا ہو سکتی ہے یا نہیں، مولویوں سے فتویٰ پوچھنا پڑے گا۔

رفیقہ صاحبہ کو اگر تبدیل آب و ہوا کی ضرورت ہے تو میری طلب رضا تو
تریاق از عراق آوردہ شود مارگزیدہ مردہ شود، کا مصداق ہے۔ دو مہینوں کے
جواب انتظار میں کہیں ضرورت فوت نہ ہو جائے۔ آپ تو جانتے ہیں کہ میں ان چیزوں میں
آزاد ہوں، ضرورت و مصلحت طلب رضا پر مقدم ہے۔ والدہ کی اجازت کافی ہے۔ خیر اس
قصہ کو جانے دیجئے۔ سات ہزار میل کے پار بھی آپ اس سے چھٹکارا نہیں لینے دیں گے۔
قصہ زمین بر سر زمین، کبخت اس چھوٹی سی زنجیر کا طول کس قدر ہے، کہاں سے
کہاں پہنچتی ہے۔

اچھا اب مزہ مزہ کی باتیں سنئے! یورپ و ایشیا کے اسلامی اخبارات پڑھیے
تو معلوم ہر گا کہ اس وقت تمام ممالک اسلامیہ میں ایک آگ سی لگی ہوئی ہے۔ آج
ایک اخبار نے ایک کارٹون چھاپا ہے جس میں یہ نقشہ دکھایا ہے کہ انگلینڈ، فرانس اور
اطلی کھڑے ہیں اور ایک بہت بڑا سانپ ان تینوں کے بدن میں چمٹ گیا ہے۔ اس
سانپ کے کسی دھڑ پڑ فیوم لکھا ہے، کسی پر ایران لکھ دیا ہے۔ کہیں بالشوزم
کہیں ٹرکی غرض ایک بلا ہے جو یورپ کو چمٹی ہوئی ہے۔ یہاں اسٹرا ایک کا یہ

حال ہے کہ وہ گویا دن رات کی مساوات ہو گئی ہے۔ اخبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بلا ہندوستان کو بھی لگ گئی ہے۔

ہندوستان کی خبروں کے متعلق جو چیز مجھے سب سے زیادہ خوش آئی، وہ بعض ملازمین سرکاری کی کانفرنس ہے۔ ڈاکخانہ والوں کی کانفرنس، صوبہائے متحدہ کے کلرکوں کی کانفرنس، ریلوے والوں کی کانفرنس، ہر صوبہ میں کلرکوں کی کانفرنس ہونی چاہیے۔ ملازمین سرکاری میں ان ہی کی حالت سب سے زیادہ ردی ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستان کی آئندہ آزادی میں سرکاری ملازموں کی یہ کانفرنسیں الشار اللہ بہت کارگر ثابت ہوں گی۔ انگلستان کی لیبر پارٹی سے مجھے کوئی امید نہیں، آر لینڈ کی حمایت میں بہت زور سے اٹھی مگر چند ہی روز میں بیٹھ گئی۔ پولینڈ کی مخالفت میں بڑا جوش دکھایا۔ مگر شاید ایک ہفتہ سے زیادہ قیام رہا ہو۔ انگریزوں کا دماغ فطرتاً اس قدر تنگ واقع ہو رہا ہے کہ اس میں بین الاقوامی وسعت کی صلاحیت نہیں۔ ان کے دماغ سے قومی غرضی جا ہی نہیں سکتی۔ روسی بالٹوئیکوں سے ان کو بڑی ہمدردی ہے مگر زبانی دتھیری سے آگے نہیں۔ یورپ کی جمہوریت کا رعب تو یہاں آکر فوراً اُتر گیا، یورپ کی جمہوری ترقی کی اصلیت صرف اس قدر ہے کہ ابتدائے ایام میں صرف بادشاہ مالک ہوتا تھا، اس کے بعد زمیندار و تعلقہ دار و نواب مالک ہو گئے تھے جن کو لورینز یا کنسروٹیوز کہتے ہیں۔ اب تمام ترقوت تاجروں، نو دولت مندوں اور سودا گروں کے ہاتھوں میں ہے جن کا نام لبرل ہے۔ ان کی سیاست کا مقصد صرف اپنی تجارت کی رونق اور دولت کا حصول ہے اور بس۔

حالانکہ یہاں کے مزدور و غریب طبقہ کی بے بسی کی وہی کیفیت ہے جو ہمارے یہاں عام طبقہ کی ہے۔ تاہم یہاں کے مزدور و غریب آپ کے یہاں کے متوسطین سے بہتر ہیں، لیکن نسبت تو یہاں سے لگائیے کہ یورپ میں دولت کی یہ کثرت ہے، کہ

اس گرانی کے زمانے میں بھی یہاں کا پونڈ قدر و منزلت میں آپ کے روپے کے برابر
یہاں کا شلنگ آپ کے آنے کے برابر یہاں کا پینس آپ کے پیسوں کے برابر ہے۔
عام بول چال کی زبانوں میں ان سکوں کا نام اس بے وقعتی سے لیا جاتا ہے جیسے روپیہ
آنہ، پانی، کا آپ کے ملک میں۔

طرز لباس، سکونت اور ظاہری نمائش کے لحاظ سے آپ تمیز نہیں کر سکتے کہ امیر
کون ہے اور غریب کون۔ وہ بالکل اور بھرک دار لباس اور آراستہ کمرے آپ
محنت و مزدوری کرنے والوں کے دیکھیں گے کہ وہ آپ کے یہاں اُمرار کو نصیب نہیں۔
ہمارا نوکر ایک پونڈ فی ہفتہ پاتا ہے۔ ہمارے یہاں ٹائپ کرنے والی لڑکی نوکر ہے۔
اس کا کوٹ ڈیڑھ سو دو سو سے کم کا نہ ہو گا۔ ریشمی پائتا بے سے کم تو کسی راستہ چلنے
والی عورت کے پاؤں میں بھی نہ پائیں گے۔ جس طرح بمبئی و کلکتہ کے مکانات آپ کے
ہندوستان میں ہیں، آپ سارے انگلستان کی آبادی کے مکانات تقریباً وہی سمجھ
لیجئے۔ رات کو تھیٹر اور سینما دیکھنے کے لئے ٹکٹ گھر سے لے کر دوڑ تک سڑک پر
لوگوں کی صف دن سے لگی رہتی ہے۔

جو پوشاک یہاں نوکر پہنتے ہیں وہ آپ کے یہاں کے بڑے صاحب لوگ
بنے ہوئے فخر پہنتے ہیں۔ قالین و منجل پاؤں کے تیلے دروازے سے لے کر کمرہ تک
آپ گھر گھر پائیں گے، گھروں کی آرائش و پیرائش مشرقی قصر و ایوان کو مات کرتی
ہے۔ کتر کوئی ہاتھ قیمتی پتھر کی انگوٹھی سے خالی ہو گا۔ ہر بیس پچیس قدم پر یہاں
جوہری کی دکان پائیں گے۔ سونے چاندی کے سامان دیکھیں گے۔ موٹر سے نیچے کوئی پاؤں
نہیں رکھتا۔

سوال یہ ہے کہ دولت کی یہ بہتات آئی کہاں سے؟ کیا ہماری جیبوں سے؟
عرب شاعر متنبی کہتا ہے ”مصابئ قوم عند قوم فواشدا“ یعنی ایک

قوم کی مصیبت کے معنی ہی دوسری قوم کے نعمت کے ہیں۔ ایشیاٹک کرپور آباد ہوا
ہمارے گھر خالی ہوئے ہیں تو یہاں کے گھر بھرے ہیں، ہم ننگے ہوئے ہیں تو یہاں لٹیم و
سنباب کی بہار آئی ہے۔ ہم بھوک سے مرتے ہیں تو یہاں کے ہوٹلوں اور ریسٹورانوں
میں یہ پیل پیل ہے۔ ہمارے گھر غم خانے ہیں، تب یہاں یہ عشرت خانے سجے ہیں پس
اصلی چیز سودیشی ہے اور بس !

رات زیادہ آئی ہے۔ رخصت ہوتا ہوں۔ صبح سویرے اٹھ کر دوکنگ تنک پیل
کا سفر کرنا ہے۔ آپ کے نام ایک سپکیٹ میں دو اخبار بھیجتا ہوں جن میں میرے مضامین
چھپے ہیں۔ والسلام۔

۴۹ لندن، ۱۶ جون ۱۹۲۰ء

سلام محبت !

ع

عنایت نامہ ۲۰ مئی کی رسید قبول فرمائیے، پیام من کی نسبت میری رائے دی
ہے جو پہلے تھی کہ آپ لندن میں مذہب کو ہاتھ نہ لگائیں، خواہ وہ مسئلہ جہاد ہو،
اور صحیفہ الہلال کی طرح آیتوں سے موید ہی کیوں نہ ہو۔

چند روز ہوئے کہ شکسپیر ہٹ میں جو ہندی طلبہ کا مسکن ہے امن کے پیامبر
ٹیگور کی زیارت ہوئی۔ طلبہ نے ان کے اعزاز میں ایک جلسہ کیا تھا جس وقت وہ جلسے میں
آئے تو میرے سامنے عمر خیام کی صورت کھنچ گئی۔ دراز قد، لمبی داڑھی، بڑا زرد کرتہ،
اُچھے ہوئے سر کے بال، ایک سیاہ گول بڑی ٹوپی پہنے۔ جب تک جلسہ ہوتا فرش
پر سر نیچے کئے بیٹھے رہے۔ آخر میں لوگوں نے تقریر اصرار کیا۔ تو نہایت متانت کے
لہجے میں آنکھیں نیچی کئے کئے چند منٹ تک بیٹھے بیٹھے باتیں کیں جس میں یہ اظہار

تھا کہ ”میں شہرت کو جو مجھے بد نصیبی سے حاصل ہو گئی ہے، اپنا دشمن جانتا ہوں میں ایک زاویہ پسند، عزت نشین آدمی تھا۔ عزت کی جگہوں سے بھاگتا ہوں۔ شور و غل کو ناپسند کرتا ہوں“ مجھے تو سراسر بناوٹ معلوم ہوتی تھی۔

الف لیلہ اور بوستان خیال وغیرہ سلسلہ نادرہ کا کتب تصوف ہونا کیا مشکل؟ جب ہمارے قدما رنگتال کو اور ایک اور عارف نحو کی کتاب کافیہ کو اس سے پہلے اسی سلسلے میں داخل کر چکے ہیں۔ ان کتابوں میں یہ روحانی کمال ہو یا نہ ہو لیکن ان بزرگوں میں دماغی کمال یقیناً تھا اور اب پھر ثابت ہو جائے گا کہ یہ کمال اس صدی کے بعض بزرگوں میں بھی موجود ہے۔

کل ایک کتب فروش کی دکان پر گیا تھا۔ اس کی وسعت کو دیکھ کر حیران ہو گیا، یہ بڑش میوزم کے سامنے واقع ہے، ہر موضوع ہر سبجکٹ اور ہر مبحث کی کتابوں کا الگ صیفہ اور الگ عملہ تھا۔ مشرقی زبانوں اور کتابوں کا الگ، نقشوں کا الگ، تاریخ کا الگ، غرض ایک ایک علم و فن کا الگ، عمر خیام کی رباعیات کا ایک نسخہ دیکھا۔ جس کے ایک ایک صفحے پر ایک ایک انگریزی ترجمہ کی رباعی اور مقابل کے صفحہ پر رباعی کی مادی تصویر گویا رباعی کے مفہوم کو تصویر سے مجسم کیا ہے۔

رعیت دیکھا، زمانہ دیکھا، خلافت دیکھا، حریت دیکھا، بندے ماترم دیکھا، اور سب پنچوں کے بیچ میں زمیندار دیکھا، وہی پیچ و خم، وہی تال سراب دیکھتا ہوں کہ ہندوستان کی دنیا بدل گئی، مگر بیچ بتائیے کہ کاغذ کی تہ میں بھی کچھ ہے۔

معارف میں اتحاد مذاہب کی انجمن پر آپ کا نوٹ پڑھا۔ کیا واقعی آپ سمجھتے

۱۔ مکتوب الیہ کی رائے تھی کہ یہ کتابیں تصوف میں ہیں اور یہ داستان حقیقت مجاز کے رنگ میں ہے ۱۲۔ مثلاً یہ سب اس زمانے کے ہندوستانی اخبارات کے نام ہیں جن میں سے بعض اب بھی نکل رہے ہیں۔ ”س“

ہیں کہ یورپ میں اس تخیل کا کوئی عمیق اثر ہے۔ میں تو ان تمام سلسلوں کا ایک ہی سرشتہ جانتا ہوں کہ مشرق کو ان منتروں کے ذریعہ سے اور خفت تم کرنا، یہ ہیں وہ جن کی نسبت حضرت سعدی نے فرمایا ہے ”یکے دزد باشد دگر پردہ دار“

لائڈ جارج وکرزن و برائس وغیرہم کو اُدھر اشارہ ہے کہ تم جوتے لگاؤ اُدھر یہ دوست بن کر سر سہلاتے ہیں کہ جانے دیجئے، انتقام کا خیال دل میں نہ لائیے، ان کو مارنے دیجئے، آپ اپنا ہاتھ نہ اٹھائیے۔ اتحاد دینی کیجئے، اتحاد انسانی کیجئے، ان کے کینوں کو خاطر میں نہ لائیے، آپ محبت کا برتاؤ کیجئے۔ لیکن ہم تو مسلمان ہیں جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا کا قانون جانتے ہیں، ان کو کیوں نہ منتر پڑھ کر پھونکنے، جن کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ”تمہارے ایک گال پر کوئی تھپڑ مارے تو دوسرا گال بھی پھیر دو۔“ انجن اتحاد دینی قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے، انجن قتل دروغ گویاں قائم کرنے کی ضرورت ہے۔

اب میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ جس عظیم الشان مجلس کا آپ نے ذکر فرمایا ہے اس قسم کی متعدد دوسری انجمنیں یہاں قائم ہیں، ایک دوسری انجن ”اتحاد مشرق و مغرب“ ہے۔ میرے پاس اس کے قواعد و مقاصد آئے ہیں، آپ کے لئے بھیجتا ہوں۔

ٹرکی کے معاہدات کی نظر ثانی تو یقیناً ہوگی، لیکن سوال یہ ہے کہ اس کی نظر ثانی بھی کیا ہوگی، کہیں ایک دو بسوے زمین کی رعایت اور کہیں دو چار آدمیوں کی کمی بیشی کر دی جائے گی، پورا نقشہ یہ ہے کہ ٹرکی کو مٹا کر یونان جدید کو یونان قدیم کے طرز پر پورے ایشیائے کوچک پر قابض کر دیا جائے، وہ تمام کابینے اور مادی دولت کے ذخیرے جن پر ملک کی زندگی کی بقا ہوتی ہے، وہ بھی ایک کر کے ”دول عظمیٰ“ میں تقسیم کر دیئے گئے۔

مجھے تعجب آتا ہے کہ یورپ کے ”پیغمبران امن و داعیان صلح“ اپنی دعوت و

نشر کے فرض کو یورپ کے بجائے مشرق میں انجام دینے کی کیوں ضرورت سمجھتے ہیں؟ ان اتحاد کی دعوت پہلے لائڈ جارج وکرزن کی کیبنٹ میں دینا چاہیے تب عبدالمجید اور سید علیا کے جھوپڑوں میں۔ دہارٹ ہال اور دونک اسٹریٹ میں یہ صد گونجی چاہیے، تب شبلی منزل اور خاتون منزل میں۔ ورنہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ کچھ لوگ ہمارے خون اور پٹھوں کو تلواروں سے کاٹنا چاہتے ہیں۔ کچھ اپنے وعظ و پند سے ہمارے احساسات و جذبات کو مخد کرنا چاہتے ہیں کہ ہم اس قطع و برید کی تکلیف کو محسوس نہ کریں۔ غرض دونوں اپنے اپنے قاعدے سے ایک ہی منزل مقصود کا غم رکھتے ہیں اور وہ ہماری جسمانی و روحانی فنا، اذک ما امنت بہ۔ آپ کے نام ایک پکیٹ میں دو رسالے بھیجتا ہوں، مہمون ہوں گا اگر ”نیو اسٹیشن“ کے مضمون کا ترجمہ معارف کے تراجم میں دے دیجیے۔ والسلام۔

۵ لندن ۳۰ جون ۱۹۲۰ء

عہد محترم! السلام علیکم، پچھلے ہفتہ کی خاموشی اختیاری نہیں اضطراری تھی۔ عہد درد شکم جو حقیقت میں دردِ جگر ہے، اس کا حملہ پچھلے ہفتے ۱۹ جون کو ذرا سخت پڑ گیا۔ ڈاکٹروں کو بلوا کے دکھایا۔ اسپیشلسٹ کو دکھایا، سب یہ کہتے ہیں کہ یہ گال بلیڈر (صفرا کی پتھری) میں کسک رہا ہے اور اس کا علاج بجز اس کے کہ آپریشن سے اس کو نکالا جائے ناممکن ہے۔ یوں لیپ پوت دواسے ہوتی رہی مگر درد کا حملہ ایک دم نہیں جاسکتا۔ آپریشن کے نام ”ایک ہندوستانی“ کو جو ڈر ہو سکتا ہے وہ آپ سمجھ سکتے ہیں آپریشن کرانے کی ہمت نہیں ہوتی۔ فرانس کے ایک ترک ڈاکٹر نہاد رشاد نے جو دوست ہیں لکھا ہے کہ پیرس آکر آپریشن کراؤ۔ یہاں ڈاکٹر اچھے ہوتے ہیں۔ دیکھئے کیا ہو خیال

۲ دفتر وزارت خانہ لندن

۱۲ انڈیا آفس کا مقام

۳ مکتوب الیسی کی قیام گاہ ۱۲

۴ کاتب کا مستقر ۱۲

یہ ہوتا ہے کہ اگر زندگی میں آپریشن کرنا ہی ہے تو اس سے اچھا موقع کب ملے گا، اور لندن و پیرس سے بڑھ کر سرجن کہاں ملیں گے، کل صاحبزادہ آفتاب احمد خاں دیکھنے آئے تھے بمنسرو جینی نابید و بھی عیادت کو آئی تھیں۔ سب کی یہی رائے ہوئی ہے کہ ہمت کر کے کر گذرو۔ مگر ان ڈھارسوں پر بھی آپ جانے کہ ہندوستانی کا دل کتنا بہر حال بالفعل تو اچھا ہوں اور کوشش جہاں تک ہوگی یہی کروں گا کہ آپریشن ٹل سکے تو اچھا ہے۔ آگے خدا کی مرضی۔

محمد علی صاحب مع ہمراہیوں کے فرانس ہیں۔ میں اس علالت کے سبب سے نہیں گیا۔ آج فرانس سے خبر آئی ہے کہ سلطان اعظم نے ارادہ سینہ (اپنا خط) بھیجا ہے کہ وہ داماد فرید پاشا پر اعتماد نہیں کرتے اور جو کچھ داماد کہیں گے اس کے ذمہ دار سلطان نہیں۔

۵۵ پیرس، ۸ جولائی ۱۹۲۰ء

برادر عزیز، السلام علیکم،

گذشتہ خط میں میری علالت کی خبر سن کر آپ کو اضطراب ہوا ہوگا، لیکن الحمد للہ کہ اب میں اچھا ہوں جس طرح اعظم گڑھ واقع شبلی منزل (شبلی منزل واقع اعظم گڑھ نہیں) میں کھاتا پیتا، چلتا پھرتا تھا، اب پھر کھاتا پیتا اور چلتا پھرتا ہوں۔ انگریز ڈاکٹر سب آپریشن کی رائے دیتے ہیں لیکن ڈاکٹر شاد نے مجھے لندن سے زبردستی پیرس بلوایا ہے کہ انگریز ڈاکٹروں پر اعتبار نہیں۔ تم یہاں آؤ اور فریخ ڈاکٹروں کو دکھاؤ۔ رات اکھوں نے بغور دیکھا اور رائے دی کہ آپریشن کی مطلق ضرورت نہیں، دوا اور پرہیز سے صحت کلی ہو سکتی ہے۔ اور آج یا کل امراض کبدی کے کسی ماہر ڈاکٹر کو دکھانے کا وعدہ کیا ہے۔ اس کے بعد آخری رائے قائم کی جائے گی۔ پرسوں شام کو یہاں پیرس آیا ہوں۔

یہاں ٹیونس کے مسلمانوں میں ایک صاحب دل شیخ عبدالعزیز ثعالبی ہیں
 روشن خیال عالم اور صاحب نظر مسلمان ہیں۔ ہندوستان کا اور تمام بلاد اسلامیہ
 کا سفر کیا ہے۔ یہ ۱۹۱۲ء میں ہندوستان بھی آئے تھے۔ اور مجھ سے اہلال کے
 دفتر میں کلکتہ میں ملاقات ہوئی تھی۔ آج کل وہ یہاں مقیم ہیں۔ ہم لوگوں سے بھی
 اکثر ملتے جلتے ہیں۔ فرانس کی گورنمنٹ نے بیچارہ کی خانہ تلاشی لی اور ٹیونس کے
 اخبارات کے دفاتر میں ان کے مضامین کی خانہ تلاشی لی گئی۔ رات میرا آنا سن
 کر ملنے آئے تھے، گورنمنٹ نے ان پر تین الزام قائم کئے۔ بالشویک سے مراسلت
 برلن سے خط و کتابت اور آخری یہ کہ ہندوستانی مسلمانوں سے میل جول۔ ٹیونس
 کے مسلمانوں نے پارلیمنٹ کا اعلان کر دیا ہے۔ اور ان کا ایک وفد ان ہی مطالبات
 کے لئے یہاں آیا ہوا ہے۔

ٹرکی کا معاملہ اب مصطفیٰ کمال پاشا کے زور بازو پر آکر رک گیا۔ اور یورپ
 کے ارباب میاست اب ترکی دیونان کی کشتی کا موازنہ کر رہے ہیں جس طرف پہلہ
 جھکے گا ادھر ہی رخ پلٹے گا۔

کتا ہیں چار سو کی خرید لیں اور آپ کے نام اعظم گڑھ بھجوائی ہیں لیکن کتابوں
 کی فرمائش ان چار سو سے کہیں زیادہ ہے۔ اس لئے اسی قدر اور روپیہ کی ضرورت
 پڑے گی۔ مشین کے متعلق ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ والسلام۔

۵۲ ہوٹل ویکرام، پیرس ۱۶ جولائی ۱۹۲۰ء

قاصد امن کو سلام،

ع

۱۱ جون کا والا نامہ ۱۲ جولائی کو ملا۔ میں نے آپ کو اگر دلائل نقلیہ سے مرعوب
 کرنا چاہا تو آپ مجھے براہین عقلیہ سے دبانا چاہتے ہیں۔ آپ کو تو اب قرآن مجید کی
 آیتوں پر اس قدر عبور ہو گیا ہے کہ آپ سے باتیں کرتے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال

مجھے یہ خوشی ہوئی کہ آپ کو قرآن مجید کے کسی نوع کے معجزہ ہونے کا یقین تو آیا آپ کو اگر میرے قرآنی استدلال سے تسکین نہیں ہوئی تو مجھے بھی آپ کے فلسفیانہ استدلال سے تسلی نہیں ہوئی۔ آپ فرماتے ہیں کہ تم انگریز کو برا کہتے ہو اور میں انگریزیت کو، تم شیطان کو لعنت کرتے ہو میں شیطنیت کو۔ یہ تفریق میری سمجھ میں نہیں آئی۔ انگریز میں اگر انگریزیت اور شیطان میں اگر شیطنیت نہ ہو تو اس کو کیوں برا کہے شیطنیت نہ ہو تو شیطان شیطان نہیں، میں اس وجود کو برا کہتا ہوں جو شیطنیت سے معمور ہے اور آپ نفس شیطنیت کو۔ یہ تو ایک نزاع لفظی ہے۔

میرا کبر حسین صاحب کا فلسفہ اپنی صنعت تضاد میں ممتاز ہے۔ وہ کیا چاہتے ہیں، اور کیا کہتے ہیں، میں تو ان کے فلسفہ کے اب معنی یہ سمجھنے لگا ہوں کہ ”احوالِ رواں جو کچھ ہوں ان کی مذمت و تنقید۔“

ہمارے خواجہ حسن نظامی صاحب میں جہاں اور کچھ ہے وہاں ”اخبار بازی“ کا بھی ذوق ہے۔ نظام المشائخ سے لے کر اب تک وہ کسی رسالہ یا اخبار کو زیادہ دن تک نباہ نہ سکے۔ ایک مہینہ ہوا ان کو میں نے ایک کچپ خط لکھا ہے۔ انھوں نے اخبار ”رعیت“ میں زاغلول پاشا کو عیسائی لکھا تھا، میں نے زاغلول پاشا سے اس لطیفہ کا ذکر کیا، وہ دیر تک منہ بستے رہے۔ بھائی وہ مسلمان ہیں اور مفتی عبدہ اور ازہر کے شاگرد ہیں۔ ۱۴ جولائی فرانس کی عیدِ حریت کا دن ہے۔ ان کے خیال میں یہ وہ دن ہے جب ”دُنیا“ نے ”عدالت“، ”اخوت“، ”مساداتِ پائی“، ”دبیعِ دنیائے“، ”مختصرِ فرانس“ مراد ہے۔ بہر حال پرسوں اور کل یہاں حریت کا جشن تھا۔ تمام شہر بقمہ لور تھا، عمارتیں جھنڈیوں سے آراستہ تھیں، ہر چوراسے پر باجے بج رہے تھے جس کے چاروں طرف صد ہا انسانی جوڑوں کا پڑا تھا۔ باجہ کے تال سر پر ایک ایک مرد اور ایک ایک عورت کے پاؤں میں خود بخود جنبش ہونے لگتی تھی۔ سینہ سے سینہ لگ جاتا تھا۔

اور علی الحیان ایک ساتھ قص فاستفانہ شروع ہو جاتا تھا۔ کسی کا نشہ اسی حالت میں تیز ہو گیا تو مراقبہ سے بڑھ کر ملائیمہ، پھر ملائسمہ، آخر... تک نوبت پہنچ جاتی تھی تمام شہر کے چوراہے اسی منظر سے معمور تھے۔

مجھے درد شکم کا دورہ ہوتا رہتا ہے۔ پچھلا دورہ سخت پڑ گیا۔ گال بلیڈر کی تجویز ہے۔ مضمحل ہو گیا ہوں۔ والسلام

۵۳ پرس ہوٹل ویکرام، ۱۱ جولائی ۱۹۲۰ء

مہاجر وطن کا سلام لیجئے،

۴۷

طبیعت پچھلے دورہ کے حملہ سے اب بحال ہوتی جاتی ہے۔ گوہندوستان کے مقابلہ میں یہاں بہت دُبلّا ہوں، خصوصاً اخیر حملہ نے بہت تھکا دیا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہاں کی آب و ہوا بھی بدن کی فریبی کی تہ کچھ نہ کچھ اتار دیتی ہے۔ ادھر دو تین ہفتہ کے خطوط میں اپنی ہی بیٹی دُہرا رہا ہوں کہ جگ بیٹی کی فرصت نہیں۔ ڈاکٹر ارشاد نہاد کے اصرار پر میں میریں آیا۔ چند روز ہوئے کہ وہ یہاں کے مشہور ڈاکٹر کے پاس لے گئے اس نے دیکھا بھالا اور رائے دی کہ آپریشن کی ضرورت نہیں۔ اس نے کہا کہ میں خود سترہ برس ہوئے کہ اس مرض میں مبتلا ہوا، اور ہم حملے اس درد کے سہے لیکن بلا آپریشن صحیح و تن درست ہو گیا۔ اس نے رائے دی کہ دو ہفتہ کے لئے ویشی چلے جاؤ۔ ویشی فرانس میں ایک صحت بخش مقام ہے، وہاں معدنی پانی ہے جو معدہ و جگر کے لئے اکیسر ہے اور خاص طور پر ان امراض کا وہاں علاج ہوتا ہے، چنانچہ اس بنا پر میرا ارادہ چند روز میں وہاں جانے کا ہے۔

مہاجرین سندھ کے مؤثر منظر نے یہاں کے حلقوں میں بھی تعجب پیدا کر دیا ہے۔

انگریزی اخبارات میں یہ خبریں شائع ہوئی ہیں، اب کل کے اخبارات میں ہاؤس آف کمانس کی رپورٹ شائع ہوئی۔ جس میں خلافت کی تحریک کو بزور دبانے، مٹر گاندھی کی آزادی محدود کرنے، چھوٹانی اور دیگر کارکنانِ خلافت کو ڈرانے کی تقریریں اور سوالات و جوابات ہوئے، مانیٹنگو صاحب نے فرمایا کہ میں ان باتوں کو حکومت برطانیہ کے ان ارکان پر جو ہندوستان میں امن قائم رکھنے کے ذمہ دار ہیں، چھوڑتا ہوں۔

ریلوٹ کے تاروں میں شاید یہ خبر آپ کو پہلے ہی مل چکی ہوگی،

اس ہفتہ ٹیونس، مصر، شام اور عراق کے اربابِ فہم و عقل سے ملاقات ہوئی اور طبیعت خوش ہوئی۔ وَالسُّكُوتُ تَارَةً أَفْصَحُ مِنَ النَّطْقِ۔

حجاز کے عرب وفد سے اس دفعہ پھر ملنے گیا، چونکہ ہندوستانی مسلمانوں کے دلوں میں عربوں کی طرف سے سخت غصہ ہے، اس لئے ناممکن ہے کہ پہلی ملاقات میں کوئی غیور مسلمان اپنی گفتگو میں اعتدال قائم رکھ سکے۔ خود میرا پہلی ملاقات میں یہ حال ہوا تھا۔ لیکن بعد کو خیال ہوا کہ اب اس سے کیا فائدہ ہے۔ اب تو بھلائی اسی میں ہے کہ اخلاص و محبت کے ساتھ معاملات کے عواقب و نتائج سے انہیں خبردار کیا جائے۔ چنانچہ بعد کو ان سے یہی دتیرہ اختیار کیا۔

جناب شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی، ساہیوال کے غم و غصہ کھانے کے بعد ابھی پہلی دفعہ ہم لوگوں کے ساتھ ان سے جا کر ملے۔ بس جاتے ہی برس پڑے، بڑی کوشش سے ان کو روکا مگر وہ کسی طرح نہ رکے۔ دو گھنٹے تک بحث رہی وہ اسبابِ مصالح اور وجوہ بیان کرتے رہے۔ اور یہ اعتراضات کرتے تھے۔ مجھ سے بدگمان نہ ہونی چاہیے گا، اگر میں یہ کہوں کہ اب مجھے عربوں سے ہمدردی ہو چلی ہے۔

ٹرکی کا معاملہ اس خط کے پہنچنے سے پہلے سر بہ مہر ہو چکے گا۔ تاہم اس وقت کی پولیشن یہ ہے کہ انا طویب کے ترک جواب قوم و مملکت ہیں۔ ان شرائط کی تسلیم

اعتراف کے لئے تیار نہیں، قسطنطنیہ کی حکومت جو اتحادیوں کی توپوں کی زد میں ہے وہ معذور و مجبور ہے۔

مہربانی کر کے سیرت جلد اول قسم اعلیٰ کا ایک نسخہ ہدیہ اس پتہ سے بھیج دیجئے۔
 ”پروفیسر مارگو لیو تھادوکس فورڈ“ والسلام۔

۵۴ پیس، ہوٹل دیگرام، ۱۸ جولائی ۱۹۲۰ء

ہندی مسافر سلام کرتا ہے۔

۷۴

اس ہفتہ میں نے اپنے کو ایک فریخ ڈاکٹر کو دکھایا۔ اس نے کہا کہ آپریشن کی کوئی ضرورت نہیں۔ ویشی یہاں ایک مقام ہے جہاں کے قدرتی چشموں کا پانی معدہ و جگر کے امراض کے لئے مفید ہے۔ اس نے تاکید کی کہ دو ہفتہ وہاں جا کر قیام کروا میدہے کہ اب اس پرحمل کروں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اب واپسی کی جلدی ہے۔

ٹرکی کا معاملہ اب صرف مصطفیٰ کمال کے زور بازو پر موقوف ہے۔ یہاں عربوں سے اکثر طاقتیں ہوئیں۔ ان کے بیانات بھی سنے۔ یورپ کی تعلیم نے تمام اقوام عالم کے کانوں میں قومی و جنسی تفریق کا جو منتر پھونک دیا ہے وہ اب کسی رُوسھر سے اُتر نہیں سکتا۔ گو اتحادِ اسلامی کے خواب سب کو نظر آتے ہیں اور کوئی دل اسلام کے انجام کی فکر سے خالی نہیں، لیکن ساتھ ہی اب کوئی قوم کسی دوسری قوم کی ماتحتی قبول کرنے کے لئے بھی تیار نہیں، عرب ممبروں نے رائے دی ہے کہ مسلمانان ہند کے لئے بہترین صورت یہ ہے کہ اپنے مطالبات کے ساتھ ایک وفد شریف کے پاس بھیجیں۔ جو مسئلہ خلافت اور دیگر مسائل کو ان کے سامنے پیش کرے، عربوں کو شکایت ہے کہ ہندوستان کے مسلمان ہم سے خفا اور برہم ہیں اور ہماری دستیگری سے بے پروا ہیں۔ ان کو قسطنطنیہ اور تھریس کی دھن ہے لیکن بلادِ مقدسہ کی کوئی فکر نہیں۔ ہم نے کہا اول تو یہ کہ ہمارے آپ ہی نے اپنے پاؤں پر ماری ہے اس کے علاوہ برا عراض غلط ہے۔ ہمارے یہ رسالے اور کاغذات ہیں بلجیے او

بڑھئے، کعبہ کو چھوڑ کر ہم کو اور کونسا آستانہ مل سکتا ہے۔ ابھی ایک فرتخ مہمان
مع میم صاحبہ کے ملاقات کو آگئے۔ اس لئے خط کو مجبوراً ختم کرتا ہوں۔
۵۵ ویشی (ملک فرانس، ہوٹل دو دو ہون اینڈ سوئے ہوٹل،

۱۲ جولائی ۱۹۱۰ء برادرِ سلمہ ۴۳

حب تحریر سابق کل ۲۱ جولائی کو تین ہفتوں کے لئے میں ویشی آیا ہوں۔ یہ
معدہ وجہ کے بیماروں کے لئے خاص صحت گاہ ہے۔ گرمی کے تین چار مہینوں میں یہ
نہایت آباد رہتا ہے۔ پھر یہاں خاک اُڑتی ہے۔ آج کل یہ بہار پر ہے۔ پیرس سے سات
گھنٹوں کی مسافت پر ہے۔ یہاں چند قدرتی معدنی چشمے ہیں جن کا پانی معدہ وجہ
کی بیماریوں کے لئے آبِ حیات ہے۔ ان چشموں کو گورنمنٹ نے خوشنما قبوں کے سایہ میں
کر دیا ہے۔ ان پر پتھر کے کنگرے بنا کر چاروں طرف لگا دیئے ہیں جن سے پانی نکلتا ہے
چاروں طرف لوہے کی تیلیوں کا کٹھن ہے جن میں چھوٹی چھوٹی ہزاروں کیلیں جڑی ہیں
ہر کیل میں ایک گلاس لٹکا ہے۔ گلاسوں پر نمبر پڑے ہیں۔ کٹھرے کے نیچے پانی پلانے
والیاں کھڑی رہتی ہیں۔ چاروں طرف صبح و شام ہزاروں آدمیوں کا میلہ لگا رہتا ہے۔
پانی شور اور گرم ہے۔ سعدی کہتے ہیں سہ

ہر کجا چشمہ بود شیریں مردم و مورد مرغ گرد آئند

مگر یہاں چشمہ ہائے شور کے گرد مردم و مورد مرغ کا مجمع ہے۔ البتہ ان
شور چشموں کی تقریب سے زندہ اور رواں شیریں چشمے ”ہر جگہ چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔
فَلْبَارِكُ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ۔

مسافروں کے اس عارضی شہر میں دماغی، علمی، تفریح گاہ سے لے کر جسمانی عیش و
عشرت گاہ تک پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں اور یہی فرانسیسی تمدن کے خصائص ہیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ ہندوستان میں ہر سفر کے بعد میرا بیمار بڑا ضرور تھا۔ یہاں

متواتر سفر ہے۔ صبح کہیں شام کہیں۔ بار بار کی تبدیل آب و ہوا۔ اختلاف غذا، شب بیداری اور درد شکم (یاد رہے جگر کہیے) کے بار بار حملے سے اس قدر خستہ ہو گیا ہوں اور خصوصاً درد کے آخری حملے نے تو یک گونہ مجھے بالوس کر دیا تھا۔ میں نے آپ لوگوں کو قصداً اپنی پوری کیفیت سے آگاہ نہیں کیا کہ اضطراب ہو گا۔ بہر حال یہ حقیر زندگی گو قوم اور ملک و ملت کی ملکیت ہو چکی ہو۔ اور شخصی ملکیت سے نکل چکی ہو۔ تاہم ابھی ذات کی محبت اس قدر باقی ہے کہ باسانی اس کو ہاتھ سے دینے پر نفس راضی نہیں۔

میں یہ لکھ چکا ہوں کہ انگریز ڈاکٹر آپریشن کو کہتے ہیں لیکن فریخ ڈاکٹروں کی رائے آپریشن کی نہیں۔ وہ اس کو قابل علاج سمجھتے ہیں اور اس کے لئے دیشی کے قیام کا مشورہ دیا ہے۔ یہاں کا پانی وہ کہتے ہیں کہ خاص طور پر مفید ہے۔ دعا کیجئے کہ خدا صحت کامل دے۔ اور اس منہوس مرض سے نجات بخشے۔

ترک و عرب کے ہنگاموں سے اب عرب کی آنکھیں کھلی ہیں اور ان کو یورپ کے سیاسی وعدوں کی طفل تسلی کی حقیقت نظر آتی ہے۔ لیکن اب جب کہ پانی سر سے گزر چکا۔ دیشی میں البحر یا کے بہت سے مسلمان ہیں بل ایک ترک پر وہ ترکی ٹوپوں اور عربی جوتوں میں نظر آئے، ملاقات کی جرأت نہ کی۔

کل ریل کا واقعہ سنئے، مجھے تو یقین نہیں کہ یورپ آکر راستہ یا نادانستہ کوئی شے نہ ہی تو شبہہ حرام سے بچ سکتا ہے۔ یہاں سوز کے گوشت کے باریک باریک ٹکڑے کھانوں میں محض خوشبو کے لئے یا محض تبرک کے لئے ڈالے جاتے ہیں۔ ہوٹل میں جا کر خالسا ماں کو سب سے پہلے یہ فرمائش کرنی پڑی کہ اس شے کا کوئی جز کسی کھانے میں شامل نہ ہو، میں فریخ نہیں جانتا۔ ایک فریخ دوست سے کاغذ پر یہ لکھوا لیا کہ یہ چیز کھانے میں نہ ہو۔ جب خالسا ماں آیا تو یہ کاغذ اس کے حوالہ کیا۔ میں یہاں گوشت بھی نہیں کھاتا، آخر صرف آلو اور انڈے ملے۔ اتفاق سے جو انڈے کو الٹا ہوں

تو نیچے کی سطح میں نہایت باریک باریک کاغذی ... لگا ہوا ہے۔ مجھے غصہ بے انتہا آیا۔ اور خالسا مال کو انگریزی میں جو چاہا کہا، اور لوگ جو پاس بیٹھے تھے ان میں سے کوئی انگریزی نہیں جانتا تھا۔ خالسا مال اپنے ”حلال و پاک“ کھانے میں کوئی عیب نہیں پاتا تھا۔ لیکن مجھے کس قدر تعجب ہوا جب میرے پہلو کے ایک فریخ مین نے عربی میں مجھ سے کہا تم خفا کیوں ہو، کیا چاہتے ہو، میں نے مڑ کر شکریہ کے ساتھ عرض کیا کہ اللہ! مجھے اس سوز سے بچائیے، تب جا کر لوگوں نے سمجھا اور میری جان بچی۔ استغفر اللہ من بلاد کفر مجھے تو اب منٹ منٹ یہاں بار ہے۔ والسلام

۵۶ ویشی، ۲۴ جولائی ۱۹۲۰ء

عزیم الدیار کی طرف سے سلام نیاز قبول ہو، ع
میں جیسا کہ پہلے لکھ چکا ہوں، فریخ ڈاکٹر ماہر امراض معدہ و جگر کی تجویز کے مطابق دو تین ہفتوں کے لئے ویشی آیا ہوں۔ یہ پیرس سے سات گھنٹوں کی راہ پر واقع ہے اور یہ مخصوص معدہ و جگر کے بیماروں کی صحت گاہ ہے۔ یہاں گرم معدنی چشمے واقع ہیں اور انہی سے اس شہر کی آبادی ہے۔ انہی چشموں کا پانی مختلف درجہ و مقدار میں بیماروں کے حسب حال ڈاکٹر تجویز کرتا ہے اور انہی چشموں کے مختلف درجوں کی حرارت کے پانی میں روزانہ صبح کو غسل کرنا پڑتا ہے۔ میرے لئے دو دفعہ صبح کو ایک چشمہ کا پانی، اور تین دفعہ شام کو دوسرے چشمہ کا پانی اور ۳۶ درجے کے گرم پانی میں غسل تجویز ہوا ہے۔ ڈاکٹر رشاد کے دوست ڈاکٹر بینے میرے معالج ہیں۔

پانی پینے کے چشموں کو نہایت خوبصورتی سے قبہ نما سائبانوں کے اندر کر دیا ہے۔ اور چوترا بنا کر چاروں طرف پائپ لگا دے ہیں۔ اس کے اوپر چاروں طرف کھڑے ہیں، کھڑوں میں نمبردار کیلوں کا کھونٹیاں لگی ہیں جن میں ہر شخص کا الگ الگ گلاس نمبر سے دکھارہتا ہے۔ لوگ کھڑوں کے چاروں طرف کھڑے

رہتے ہیں۔ کھڑوں کے اُدھر پانی پلانے والیاں کھڑی رہتی ہیں۔

نہانے کے لئے ایک بہت بڑی بلند عالی شان عمارت بنی ہے، جس میں ایک طرف عملہ رہتا ہے۔ دوسری طرف صف بہ صف مختلف اقسام و مدارج کے غسلخانے اور حمام مع تمام ضروریات غسل کے بنے ہیں۔ چشمہ کا پانی پائپ کے ذریعہ سے ٹپ میں آکر گرتا ہے۔ ٹپ میں ایک حرارت نما آلہ پڑا رہتا ہے۔ ہر حمام پر ایک آدمی مقرر ہے۔ اس غسل میں مختلف اشخاص کے لئے مختلف طریقہ غسل اور اوقات غسل ہیں۔ میرے لئے یہ ہے کہ ۲ منٹ تک حوض میں پڑے رہو۔ حوض (ٹپ) کے پاس ہی زنجیر میں گھنٹی لٹکتی ہے۔ وقت پورا ہوا ہاتھ بڑھا کر گھنٹی بجائی۔ فوراً حمامی آگ میں گرم کئے ہوئے دو جٹے لے کر آتا ہے اور اس کو سر سے پاؤں تک ڈال کر پانی خشک کر دیتا ہے۔

اب یہ دیکھیے کہ ایک ان چشموں کے خاطر یہاں عظیم الشان کاروبار کھپلا ہوا ہے ہزاروں آدمی باہر سے آتے ہیں ان کے لئے چھوٹے بڑے ہوٹل چاہیے، قہوہ خانے چاہئیں، اخبارات چاہئیں۔ لائبریری چاہیے۔ تھیٹر اور سینما چاہیے، دواخانے چاہئیں، معدہ و جگر کے ماہر ڈاکٹر چاہئیں۔ خصوصاً پانی پینے کے گلاس چاہئیں۔ باغ و چمن چاہیے۔ یہ تمام چیزیں ان چشموں کی خاطر یہاں موجود ہیں۔

ان کو دیکھ کر مجھے اپنے وطن (بہار) کا راجگیریہ یاد آیا، جہاں مختلف امراض کے قدرتی چشمے موجود ہیں۔ مگر ان کے لئے بجز قدرتی سامانوں کے انسانوں کے مصنوعی اسباب راحت کا کوئی شاہدہ موجود نہیں، اگر یہ چشمے یورپ میں ہوتے تو یہ صحت جہانی اور سامان تجارت و دولت کے سرچشمے ہوتے، لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا ملک ہندوستان بھی ایک متمدن یورپین سلطنت کے زیر سایہ ہے۔ کیا یہ سچ ہے؟

انگلیڈ میں پبلک عراق پر برطانوی قبضہ کے خلاف ہے کہ جو روپیہ عراق کی آراستگی میں صرف ہوگا۔ وہ انگلیڈ کی ترقی و حفظان صحت میں صرف ہو۔ کیا ہندوستان کا بھی

کوئی دعویٰ ہے، انگلینڈ کی لیبر پارٹی کا یہ زبردست مطالبہ ہے، لیکن ہندوستان جہاں حفظانِ صحت کا کوئی سامان نہیں وہاں کی امپریل پارٹی کے ذہن میں بھی اس مطالبہ کا خطور نہیں ہو سکتا۔ اور

عجب تر این کہ برمنت بسیار ہم دارد

امید ہے کہ فولو جس کا اس قدر سخت مطالبہ ہے، آپ تک پہنچ گیا ہوگا، میں ہندوستان کی جلد واپسی کی کوشش کر رہا ہوں، یہاں سے نکلا اور چلا۔

لندن اور پیرس میں دارالمصنفین کے لئے یورپ کی مطبوعات کمی سو روپیوں کی خریدی ہیں۔ پیرس میں بعض نادر مطبوعات ملیں، خصوصاً اسپین اور پیرس کی چھپی ہوئی۔ جلد صحت اور واپسی کا طالب،

۵۲ پیرس، ہوٹل دیگرام، ۲۸ جولائی ۱۹۲۰ء

عہد محترم، السلام علیکم

احمد لٹہ میں بخیریت ہوں اور کسی طرح کی شکایت نہیں۔ پچھلے خط میں اپنی علالت کی تشخیص کا مفصل حال لکھ چکا ہوں۔ کئی انگریز ڈاکٹروں نے میرا معائنہ کیا۔ سب کی رائے یہ ہے کہ آپریشن کے بغیر کلی صحت ناممکن ہے۔ میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ پیرس میں ڈاکٹر رشاد مجھے بللا رہے ہیں۔ چنانچہ انہی کے اصرار پر میں پرسوں آیا انھوں نے بغور مجھے دیکھا اور ان کی رائے ہے کہ آپریشن کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انگریز ڈاکٹروں کی دماغی قابلیت پر مجھے اعتبار نہیں، اگر فریج ڈاکٹر بھی آپریشن کا مشورہ دیں تو میں مانوں گا چنانچہ انھوں نے طے کیا ہے کہ امراض کبدی کا جو سب سے بڑا ماہر ادراپیشلسٹ ہے۔ اس کو آج یا کل چل کے دکھا دیں گے۔ اب اس کی رائے پر انحصار ہے۔

مولوی قاسم صاحب اگر یہاں کے ہوٹلوں کی زندگی پر رشک کرتے ہیں تو لبیم اللہ چندہ کر کے ان کو یہاں بھیج دیجئے۔ اگر عدن سے حضرت واپس نہ ہو جائیں تو میرا ذمہ،

کیا بات ہے کہ دو ہفتہ سے آپ کا کوئی خط نہیں آیا ہے۔ میرے خطوط اور کاتب پر تو پہرے ہو سکتے ہیں اور ہوں گے لیکن آپ لوگوں کے معصوم خطوط میں تعویق کی کوئی وجہ نہیں۔ ہاں یہاں ٹیونس کے ایک مسلمان ڈاکٹر ڈاکٹر قرطبی ہیں (اس قرطبہ کی طرف یہ نسبت ہے جس کو یاد کر کے آپ لوگ روتے ہیں، ان کا خاندان وہیں کا باشندہ تھا)۔ ان بے چارہ نے بھی بڑی محنت سے دیکھا اور نیک مشورے دیے۔

قرطبہ کی مناسبت سے یاد آیا ہے، اڈنبرا جب گیا تھا تو وہاں مصر کے ایک مسلمان طالب علم سے ملا تھا، ان کا خاندانی نام نصیری تھا۔ نصیری عموماً وہ شیعہ کہلاتے ہیں جو حضرت علیؑ کی الوہیت کے قائل ہیں۔ اور جو شام کے حدود میں آباد ہیں لیکن ان کا تعارف کرتے ہوئے دوسرے مصری طالب علم نے کہا کہ یہ وہ نصیری نہیں ہیں بلکہ یہ طارق فاتح اندلس کے آقا موسیٰ بن نصیر کی طرف منسوب ہیں۔ اور اس لئے یہ اندلس کی بادشاہی کے مدعی ہیں۔ اس شخص کا واقعی یہ تخیل تھا۔

ٹیونس کے مسلمانوں نے دستوری حکومت کا اعلان کیا ہے۔ خدا ان کی مدد کرے۔ گذشتہ مہینہ سوئزرلینڈ میں تمام دنیا کی عورتوں کی کانگریس تھی۔ آپ کے ہندوستان کی طرف سے مسز سروجی نائیڈو چند ہندوستانی خواتین کو لے کر گئی تھیں، وہ کہتی تھیں کہ دوسرے ممالک کی دو تین مسلمان عورتیں بھی شریک ہوتی تھیں، ایک کریمیا کی تاتاری خاتون تھی، ایک ترکی خاتون تھی ایک اور کہیں کی تھی۔ ان لوگوں نے نہایت پُر زور تقریریں کیں اور یورپ کے مظالم اور اسلام کی بخشش عام اور عورتوں کے تحفظ حقوق کی تفصیل کی۔ مسز نائیڈو ان کی بہت مداح تھیں۔

اٹلی نے علانیہ ترکوں کے ساتھ اپنی ہمدردی کا اعلان کر دیا مگر افسوس ہے کہ انھوں نے اس کا ساتھ نہیں دیا جو سب سے بڑی اسلامی حکومت کا اپنے کو مالک بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ”ہم تو ترکوں کے ساتھ مہربانی کرنے کو تیار ہیں لیکن کیا کریں

اتحادی ہمارا ساتھ نہیں دیتے۔ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ۔

احبابِ وطن کو سلامِ محبت - والسلام

۵۸ کاسینو، ولشی، یکم اگست ۱۹۲۰ء

السلام علی مبلغ السلام،

ع

ادھر حیدر ہفتوں سے میں جناب کے علم کدہ میں حاضر رہا۔ معافی کا خواستگار ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ میں یکا یک سخت بیمار ہو گیا۔ میرے پیٹ میں ہندوستان میں ایک دو دفعہ درد ہوا تھا جو ریاحی سمجھا گیا۔ مگر جہاز پر قدم رکھنے کے ساتھ وہ ماہانہ دورہ کی شکل اختیار کرتا گیا۔ یہاں تک کہ پچھلا دورہ ۱۹ جون کو اس قدر سخت پڑا کہ میں مایوس ہو چلا اور اس سکرات کے عالم میں تمام مقدس ادعیہ، ماثورات اور کلمات طیبات میں سے ایک مرد آزادؔ کا یہ شعر زبان پر تھا۔

مارا دیارِ غیر میں مجھ کو وطن سے دور رکھ لی مرے خدائے مری بکسی کی شرم
بارے علاج۔ تسکین ہوئی، گال بلیڈر، نام ایک بیماری تجویز ہوئی اور صرف آپریشن اس کا علاج بتایا گیا۔ تین چار انگریز ڈاکٹروں کی یہی رائے ہوئی مگر ہم لوگوں کے کرم فرما ترک ڈاکٹر نہاد رشاد نے جو پیرس کے اخبار ایکو دی اسلام (صدائے اسلام) کے ایڈیٹر ہیں، باصرار کہا کہ آپریشن کے بغیر علاج ہو سکتا ہے۔ اور اس سلسلے میں انھوں نے یہ خوب کہا کہ ہندوستان میں انگریز ڈاکٹروں کا کتنا ہی اعتبار ہو لیکن دنیا میں کوئی اُن کو ڈاکٹر تسلیم نہیں کر سکتا۔ وہ کہتے ہیں کہ انگریز اور امریکن ڈاکٹر محض بوچر ہیں۔ ان کو کو چیر پھاڑ کے سوا کچھ نظر آتا۔ فریخ ڈاکٹروں کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

وہ خود مجھے لے کر امراض معدہ و جگر کے ایک فریخ ماہر کے پاس گئے۔ اس نے دیکھا تو صلاح دی کہ آپریشن کی ضرورت نہیں اور طبی رائے میں ڈاکٹر رشاد کی پوری تائید کی بہر حال ان لوگوں کے مشورہ سے چند روز کے لئے ویشی میں قیام ہے۔

اس نے خود اپنی بیٹی ہوئی ایک عجیب دھچپ کہانی سنائی اور کہا کہ میں اور ایک امریکن ڈاکٹر ایک ساتھ کام کرتے تھے، مجھے (یعنی اس فریخ ڈاکٹر کو) کبھی کبھی پیٹ کے درد کا دورہ پڑنے لگا۔ امریکن ڈاکٹر نے اصرار کیا کہ لاؤ آپریشن کر دوں، جلد صحت ہو جائے گی۔ لیکن میں ہمیشہ انکار کرتا رہا۔ آخر اچھا ہو گیا۔ اب اتفاق دیکھئے کہ اسی قسم کے پیٹ کا درد کا دورہ اس امریکن ڈاکٹر کو پڑا۔ تو میں نے کہا لاؤ آپریشن کر دوں، جلد صحت ہو جائے گی۔ تب وہ ہنسنا اور کہنے لگا کہ آپریشن اپنے لئے نہیں دوسروں کے لئے ہے۔“

آپ نے اپنے عنایت نامے میں اپنے مذہب کی جو تفصیل کی ہے مجھے اس سے قطعاً اختلاف نہیں۔ دنیا میں امن و سلامتی کے دور کا خواہاں مسلمانوں سے بڑھ کر کون ہوگا، کمزور قوموں کے لئے تو یہ آواز نوید حیات ہے لیکن میرا یہ کہنا ہے کہ اس آب حیات کی حالت ستمگر، جفا پیشہ، اپنی قوت و طاقت پر مغرور اور امن و سلامتی کو اپنی تلواروں سے وابستہ سمجھنے والی قوموں کو ہے۔ آپ غریب ہندوستان کی اسپرٹ کو اس امن و سلامتی کے عطف سے کیا فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ ہاں یہ ہوگا کہ اس میں زندگی کی جو کچھ بھی رُوح ہے اس کا بھی خاتمہ ہو جائے۔

جو خود ہی مر رہا ہے اس کو گر مارا تو کیا مارا

میری قسمت میں ہندوستان کے ہیروؤں سے بھی ملاقات وطن سے دُور ہی
مقدّر تھی، لندن میں ٹیگور کا شرف دیدار نصیب ہوا اور پیرس میں ڈاکٹر لوہس سے

شرف نیاز حاصل ہوا۔ ۲۰ جولائی کو پیرس کے عجائب خانہ تاریخی طبعی (میوزیم آف
 نیچرل ہسٹری) میں ڈاکٹر موصوف کا کچھ تھا۔ یہ عجائب خانہ ایک وسیع عمارت ہے جس کے
 اندر نباتات و حجریات کا مجموعہ عجائبات ہے۔ میں نے اس کو بالکل سرسری دیکھا۔ کیونکہ
 یہ میری دل بستگی کی چیز نہ تھی۔ ڈاکٹر لوس کا لیکچر طبعاً نباتات کے قوائے احساس پر تھا۔
 حاضرین میں فرانسیسیوں کے ساتھ ہندوستانی طلبہ کا بھی مجمع تھا۔ برقی روشنی کا عکس
 سامنے کی دیوار پر ڈال کر اپنے ایجاد کردہ نازک و لطیف آلات کے ذریعے سے نباتات
 کی نہایت ہی خفیف حرکت کا نقش دکھا رہے تھے۔ مسائل کو سمجھاتے تھے۔ وہ فریق نہیں
 جانتے۔ انگریزی میں تقریر کر رہے تھے، ایک فریق پروفیسران کی انگریزی تقریر کا لفظی ترجمہ
 فریق میں سناتا جاتا تھا۔ تقریر کے بعد چند پروفیسروں نے موصوف کی تعریف کی، اس
 کے بعد ہندوستانیوں نے ان کو اسٹیج پر جالیا۔ اور وہ اس ہالہ کا چاند بن کر ہمارے
 درمیان کھڑے ہو گئے۔ ایک دوست نے میرا تعارف کرایا۔ انھوں نے کہا کہ مسلمان مالوس
 نہ ہوں۔ ترقی امید کے سہارے چلتی ہے۔ پھر کہا کہ میں بھی ایشیا ہی کی خدمت کر رہا ہوں۔
 اور بتاتا ہوں کہ ایشیا کا دماغ بھی خدا کے عطیوں سے محروم نہیں۔ میں چاہتا ہوں
 کہ چند ہندوستانی ادھر بھی توجہ کریں۔ ڈرتا ہوں کہ میرے بعد یورپ یہ کہے کہ بوس
 ایک مستثنیٰ ایشیائی تھا۔

پیرس میں میں نے عربی کی چند نادار کتابیں دارالمصنفین کے لئے خریدی ہیں۔ اکثر
 تاریخ و جغرافیہ سے متعلق ہیں۔ ان میں آپ کے کام کی کوئی چیز نہیں۔ یعنی فلسفہ کی کوئی کتاب
 نہیں۔ ہیئت پر ایک دو کتابیں ملیں۔

جس مقام سے میں آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں۔ یہ اس شہر کا جو عارضی طور سے مقیم ہیں
 آباد ہو جاتا ہے کلب ہے، یہ ایک وسیع باغ و عمارت ہے۔ جس میں مختلف مقامات پر کئی
 ہزار کرسیاں پڑی ہیں۔ جس کے ممبر ہی ان پر بیٹھ سکتے ہیں۔ اب آپ سنئے کہ یہ تمام کرسیاں

شروع سے آخر تک ہمیشہ معمول رہتی ہیں۔ اس کے ایک گوشے میں تھیٹر ہے، دوسرے گوشے میں ریٹوران ہے۔ ایک کمرے میں اخبارات ہیں جن کو لوگ پڑھ رہے ہیں۔ اس کے مقابل کے بازوؤں کے کمروں میں میز و کرسی اور پیچ میں خط لکھنے کے لئے لفافے، کاغذ اور دوات قلم ہیں۔ اور یہ دونوں کمرے لکھنے والوں سے بھرے ہیں، سامنے لائبریری ہے۔ اور لائبریری کے سامنے ہی قمار خانہ ہے۔ جہاں تمام دن فرانس کے شرفار بیٹھے جوا کھیلتے رہتے ہیں۔ کھیلنے والوں کے چاروں طرف تماشائی ہیں۔ باغ کی ایک روش پر "لذت شب" کے سودا گروں کا بازار ہے۔ تماشاً خود محو خرام ہے اور تماشائی زر بجیب چکر کاٹ رہے ہیں۔ ایک اور طرف رقص و سرود کا سامان ہے۔ یہ مجموعی ینرنگی و بولبولی اور ایک ہی دسترخوان پر صاف بہ صاف مختلف الوان طعام، فرنیچ تمدن کی خصوصیت ہے کیا آپ ہندوستان میں بھی یہی نقشہ چاہتے ہیں۔

افسوس کہ میں "اہل تجربہ" میں سے نہیں، ورنہ کچھ "ینچرل میوزیم" کی ہسٹری بھی سناتا۔ دُور سے دیکھتا ہوں اور سہم جاتا ہوں کہ یورپ کے علم کا سایہ جس زمین پر پڑا وہ اسی رنگ میں رنگ جاتا ہے۔ فلسطین اور عراق انگریزی برکات کے ظلِ بکریوں میں، اور ملکِ شام "رندلم بزل" فرانس کے زیر سایہ انھیں سعادتوں سے مالا مال ہوگا۔ اب آپ سُنیں گے کہ بیت المقدس میں، مقام خلیل میں، خالقِ بغداد میں مدفنِ بلال میں، موطنِ حسن بصری میں، مقتلِ حسین میں کس قدر قمار خانے، کس قدر قہوہ خانے، کس قدر دار الفواحش قائم ہوئے ہیں، تھیٹروں اور سینماؤں کے لئے ان مقامات مقدسہ کے کون کون سے موزوں قطعے منتخب ہوتے ہیں۔ ترکوں کے عہدِ حکومت میں یہ چیزیں قانوناً منع تھیں۔ کیونکہ وہ جفاکار وحشی تھے۔ ادب اب تو آزادی کا دور دورہ ہے۔

یورپ ہم کو اخلاقی آزادی بخشتا ہے، کیوں؟ تاکہ ہم سیاسی آزادی کے

قابل نہ رہیں۔ ورنہ وہ کون سی آزادی ہے جو مغربی اقوام کے تحت مشرقی قوموں کو نصیب ہے۔ یہاں انگریزوں کے مسلمانوں سے بکثرت ملاقاتیں ہوئیں۔ وہ اپنی آزادی کی وہ دردناک کہانی سناتے ہیں کہ آپ اپنے امن کا فسانہ ان کے سامنے بھول جائیں۔ اب میرے پانی پینے کا وقت آگیا۔ ۳۱۔ لئے خط تمام کرتا ہوں اور جا کر اپنی نال چشمہ کا گرم اور شور پانی پیتا ہوں۔ سلام رخصت،

۵۹ دیشی ۲ اگست ۱۹۲۰ء

پرسن احوال اسلام محبت،

ع ۶

آج یہاں آئے ہوئے ۱۳ دن اور علاج کئے ۱۱ دن ہوئے۔ ڈاکٹر نے اس اشنا میں تین دفعہ دیکھا۔ وہ کہتا ہے کہ تم ترقی کر رہے ہو۔ لیکن مجھے کچھ اچھا بُرا ابھی محسوس نہیں ہوتا۔ اس قدر کافی ہے کہ درد نہیں اٹھا۔

کوئی بیس دن سے آپ لوگوں کا کوئی خط نہیں ملا۔ کیونکہ میری نام ڈاک لندن کے مستقر (۸ البرٹ ہال مینشن) میں پڑی ہوگی۔ میں نے منگوائی ہے۔ مگر اب تک آئی نہیں، اس لئے آپ کے خط کی رسید محض غائبانہ حسن ظن کی بنا پر دیتا ہوں۔ فرانس میں لوگ عموماً انگریزی نہیں جانتے، پیرس کے ہوٹلوں میں ویسٹر (خاندان) البتہ جانتے ہیں۔ مگر اس لئے نہیں جانتے کہ وہ انگریزوں کی زبان ہے۔ بلکہ اس لئے کہ وہ ان امریکیوں کی زبان ہے جو لاکھوں کی تعداد میں ہر سال یہاں لطف و عیش اور سیر و تفریح کے لئے آیا کرتے ہیں۔ اس جنگ کے بعد انہی امریکیوں کے طفیل میں انگریزی نے بھی یورپ کی سیاسی دنیا میں فزینج کے بعد دوسرے درجہ کی حیثیت حاصل کر لی ہے لیکن دیشی جہاں میں ہوں ایک قصبہ ہے۔ یہاں کے ویسٹر انگریزی نہیں جانتے اور میں فزینج نہیں جانتا۔ اس کی کیسی مشکل ہے۔ کیا عرض کروں لیکن خدا سب کا کارساز ہے۔ اس لئے غیب سے ایک سامان پیدا کر دیا۔ مارشس

بحر ہند میں ایک جزیرہ ہے جہاں کی شکر بہت مشہور ہے۔ یہ پہلے فرنگ مقبوضہ تھا مگر نپولین کے زمانے میں انگریزوں نے اس کو لے لیا۔ یہاں ہندوستانی بکثرت جا کر آباد ہو گئے ہیں۔ ۳۶ میل کا جزیرہ ہے اور قریب ۳ لاکھ کے آبادی ہے۔ جس میں ایک ثلث سے زیادہ ہندوستانی ہیں اور ہندوستانیوں میں ایک ثلث مسلمان ہیں۔ یہاں کی زبان ایک نئی اردو ہے جو فرنگ اور انگلش، مدفا سگری اور ہندوستانی سے مرکب ہے۔ وہاں تعلیم فرنگ اور انگریزی دونوں میں ہوتی ہے۔ بہر حال مارلشس کے چار پانچ ہندوستانی طالب علم جن میں ایک مسلمان ہے۔ عبدالغفور جیتو نام۔ یہ لوگ فرانس میں ڈاکٹری پڑھتے ہیں اور وہ اتفاق سے ویشی میں مقیم تھے۔ ایک فرنگ لیڈی جو ہم لوگوں کی ملاقات کے بعد ہندوستانی پالیٹکس میں بہت حصہ لے رہی ہیں۔ وہ ان مارلشس کے ہندوستانیوں اور ہم ہندوستان کے ہندوستانیوں دونوں سے واقف تھیں۔ انھوں نے میرے ویشی جانے کا حال سنا۔ تو کہا کہ نہایت مناسب ہے۔ آج کل چند اور ہندوستانی بھی وہاں مقیم ہیں۔ چنانچہ ان سے خط و کتابت کر کے ویشی آیا اور انہی کے ساتھ ٹھہرا۔ بیچارے یہ لوگ بڑے ملنسار ہیں۔ انھوں نے بڑی محبت اور خاطر داری کا برتاؤ کیا ان کے اجداد ہندوستان چھوڑ کر مارلشس آئے تھے۔ مگر یہ اب تک ہندوستان پر جان دیتے ہیں۔ اور اسی کو اپنا وطن سمجھتے ہیں۔ ان کی وجہ سے زبان کی مشکلات بالکل حل ہو گئیں لیکن افسوس کہ کل رات وہ یہاں سے چلے گئے۔ اور اب میرا زبان داں یہاں کوئی نہیں رہا۔ جس سے بات کی جائے۔ غریب غالب نے اسی دن کے لئے یہ شعر کہہ رکھا تھا۔

www.KitaboSunnat.com

کہہ رکھا تھا۔

بیاورید گرایجا بود سخندانے غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد

لیکن تسلی یہ ہے کہ یہاں الجزائر کے بکثرت عرب آئے ہوئے ہیں جن کی مغربی عربی میرے فہم سے گویا باہر ہے۔ مگر ان میں کے تعلیم یافتہ فصیح عربی بھی بولتے ہیں۔

ایک ان میں نائب القاضی بھی ہیں۔ یعنی عالم ہیں اور فترخ بھی عمدہ جانتے ہیں، انہی لوگوں سے دوستی بڑھاؤں گا۔ یہ لوگ بے چارے فترخ حکومت کے بیدار شاکی ہیں۔ آجکل وہاں پریس کو آزادی مطلق نہیں، اس لئے ان دنوں وہاں نہ کوئی عربی اخبار ہے اور نہ کوئی انجمن ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ لوگ زبردستی فوج میں داخل کئے جاتے ہیں۔

چند روز ہوئے کہ ایک مراکشی مسلمان امیر سے ملاقات ہوئی۔ یہ فترخ بھی جانتے ہیں۔ تنہا ہی نام ہے۔ وفد خلافت کے حالات اخبارات میں پڑھ چکے تھے۔ پہلے تو یہ باتیں کرتے ہوئے ڈرے، میں نے پوچھا کہ مراکش کی کیا حالت ہے؟ بولے اخبارات سے ظاہر ہے۔ میں نے ذرا سمیت بندھائی تو پھر اگل پڑے۔ سچ کہتا ہوں کہ اسلام ایک ایسا رشتہ اخوت ہے جو ایک لمحہ میں مشرق کو مغرب سے ملا دیتا ہے۔

پرسوں یکا یک ایک ترک محمد سالم بے سے ملاقات ہو گئی۔ ترک کی ٹوپی شناسائی کا ذریعہ بنی۔ وہ بھی علاج ہی کی غرض سے آئے ہیں قسطنطنیہ کے رہنے والے ہیں۔ ٹرکش پارلیمنٹ کے ممبر بھی ہیں عمر میں مجھ سے بڑے ہیں قسطنطنیہ چھوڑے ان کو ایک مہینہ ہوا ہے، ان سے کچھ باتیں معلوم ہوئیں۔

ٹرک کی ٹوپی دیکھتا ہوں کہ تمام دنیا کے اسلام کے قومی لباس کا جزر ہو گئی ہے مراکش، البجیریا، ٹیونس، مصر کے لوگ یہاں ٹوپی پہنتے ہیں۔ خاص ٹیونس کی بنی ہوئی ٹوپیاں شمالی افریقہ کے مسلمان پہنتے ہیں۔ ان کی دیوار چھوٹی دبازت موٹی اور بھاری ہوتی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہ ٹوپی اسی ملک کی ایجاد ہے، جو اب غلط طریقہ سے ٹرک کی ٹوپی کہلاتی ہے۔ یورپ میں اس کو "فیز" کہتے ہیں جو بالکل صحیح ہے۔ "فیز" یورپین تلفظ "فاس" کا ہے جو مراکش کا قدیم پایہ تخت ہے۔ یہ ٹوپی یہیں سے نکلی ہے۔ مورش یعنی مراکش صنعت و حرفت کا یورپ اب بھی قائل ہے۔ فترخ کہتے ہیں کہ تین چار برس کے اندر اندر مراکش فترخ حمایت کے زیر سایہ بہت تیزی سے ترقی کر گیا ہے لیکن مجھے

یقین نہیں آتا۔

لفظ "فاس" پر مجھے اپنے ہندوستانی اخبارات کے ایڈیٹر یاد آ گئے، انگریزی اخبارات میں اس کا نام فیز آتا ہے۔ تو بعض تو بیچارے اردو میں بھی فیزی لکھ دیتے ہیں لیکن بعض طباع اور ذہین ایڈیٹر جو اپنے علم کا کمال بھی دکھانا چاہتے ہیں، اس کو بڑے "ضاد" سے "فیض" لکھتے ہیں کہ یہ عربی کا خاص لفظ ہے۔ جو ایک عربی ملک کا ناموں نام ہو سکتا ہے۔ حالانکہ وہ دراصل فاس ہے۔ یہی حال عراق و شام کے عربی مقامات کا ہندوستانی اخبارات میں ہو رہا ہے۔ فریخ ناموں کی بھی اسی طرح مٹی پلید ہوتی ہے۔ فرانس کا ایک مشہور اخبار TEMPS ہے۔ جس کا تلفظ تان (غٹھ کے ساتھ) ہے۔ ہمارے ہندوستانی اخبارات نہایت صحت مخرج کے ساتھ اس کا حوالہ "ٹمپس" کے نام سے دیتے ہیں۔ موجودہ وزیر اعظم فرانس کا نام MILLERAND ہے۔ اس کو ہمد صاحب ملراند لکھتے ہیں۔ حالانکہ صحیح "ملران" ہے۔ آخر حروف عموماً فریخ والے نہیں تلفظ کرتے۔ اور لون غٹھ کا یہاں بڑا فزح ہے۔ میں ہمیشہ عربی اخبارات میں تان کو الطان لکھا دیکھ کر الطان تلفظ کرتا تھا۔ اور لطیفہ سنئے کہ اس کو عربی لفظ طین سے مشتق سمجھتا تھا اور اس لئے جانتا تھا کہ یہ اصل فریخ نام نہیں۔ بلکہ مصریوں نے اصل فریخ لفظ کا ترجمہ کر لیا ہے۔ مگر اب اپنی جہالت معلوم ہوئی کہ یہ تان فریخ لفظ ہے اور اس کے معنی "ٹامکس" یعنی وقت کے ہیں۔ گویا اس کو اخبار ٹامکس کا مرادف سمجھئے۔

خدا جانے میں کہاں سے کہاں چلا آیا، آپ نے ڈاکٹر رشاد والے نسخے مانگے ہیں۔ وہ فریخ میں ہیں اور آپ کے لئے بیکار ہیں۔ بخیریت ہوں اور ہندوستان کا مشتاق۔

۶۲ دلشی (ملک فرانس) ہوٹل دور ہوں اینڈ سوائے ہوٹل۔

۲ اگست ۱۹۲۷ء غریب الدیار کا سلام لیجئے!

آپ کو شکایت ہوگی کہ ادھر آپ کو متواتر اور بہ تسلسل میرے خطوط نہیں ملے۔ جب سے میں بیمار ہوا تمام سلسلہ درہم برہم ہو گیا۔ اور جب سے یہاں آیا ہوں تو ہر کام میں بے قاعدگی پیدا ہو گئی ہے۔ منجملہ اس کے خطوط بھی ہیں۔

مجھے آج یہاں آئے ۱۴ دن ہوئے اور علاج شروع کئے ۱۲ دن، ڈاکٹر کہتا ہے کہ تم کو افاقہ ہے، لیکن یہ کوئی محسوس مرض تو ہے نہیں جس کی نسبت میں خود کوئی رائے قائم کر سکوں۔ اتنا البتہ ہے کہ اس عرصے میں کوئی دورہ نہیں پڑا۔ ابھی ایک عشرہ اور یہاں رہوں گا۔ اور انشا اللہ ۱۴ یا ۱۵ اگست تک لندن واپس جاؤں گا۔ انگریز ڈاکٹر کہتے تھے کہ تم صحت کے بغیر جہاز کی سواری کے لائق نہیں، کیونکہ یہ بیماری صفر سے ہے۔ اور بحری سفر میں قے اور متلی لازمی ہے۔ امید ہے کہ اس علاج کے بعد ان کی پیشین گوئی غلط ثابت ہوگی۔

میں تو یہ سمجھتا تھا کہ ۵ ماہ کے ادائے فرائض کے بعد اس مختصر قصبہ میں سلامی دنیا کے لوگوں سے ملنے جلنے کا موقع نہ ملے گا۔ لیکن خدا کی قدرت کہ یہیں موقع زیادہ ہے۔ محمد علی صاحب کو تو وزیرائے حکومت اور ارباب سیاست میں کام کرنا تھا لیکن میری جولانگاہ صرف مسلمانوں ہی کے دل تھے، مجھے دوستوں سے شکوہ ہے، دشمنوں سے گلہ نہیں۔ دشمنوں نے جو کچھ کیا وہ ان کی دشمنی کا مقتضائے طبع ہے لیکن اصل شکوہ تو خود مسلمانوں سے ہے۔

سعدی از دشتِ خوشن فریاد

اسلام کی آخری یادگار (ٹرکی) کو کس نے مٹایا ہے؟ ہندوستان کے ہندویوں اور مصر و مراکش و الجزائر کے مسلمانوں نے! ان کو کہنا ہے کہ یہ تم نے کیا کیا؟ جزائری

یہاں بکثرت آئے ہوئے ہیں۔ ان میں تاجر بھی ہیں، سرکاری عہدہ دار بھی ہیں، علماء بھی احساس و ندامت سب کو ہے، لیکن کہتے ہیں کہ ہماری معذوری و مجبوری ظاہر ہے فرانس کی جمہوریت اور آزادی کا فسانہ تو بہت سنا ہو گا لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ قوم انگریزوں سے بھی زیادہ مستبد اور اقتدار پسند ہے۔ عوام کو سلطنت میں کوئی دخل نہیں۔ صرف ارباب جاہ و ثروت کے ہاتھوں میں حکومت ہے۔ پہلے یہ سن کر بہت خوشی تھی کہ فرینچ اپنی حکومت کو شہنشاہی و بادشاہی اور نوآبادیوں کو محکوم اقوام اور دیگر اقوام محکومہ کو انگریزوں کی طرح رعایا نہیں کہتے بلکہ اپنی سلطنت کو کومن ویلتھ (دولت مشترکہ) رعایا کو سٹیزن (شہری) کہتے ہیں گویا اس فرانس کے زیر سایہ بسنے والے ایک ملک و شہر کے سب بھائی بھائی ہیں لیکن افسوس کہ یورپ آکر معلوم ہوا کہ ہر لفظ سے اس کا اصلی مفہوم مراد لینا ضروری نہیں جیسے لیگ آف نیشنس (مجلس اقوام) انڈپنڈنٹ (استقلال و خود مختاری) مانڈیٹ (حکمرانی) سلف ڈیٹر مینشن (اختیار ذاتی) وغیرہ الفاظ کے معنی یورپ میں وہ نہیں سمجھے جاتے ہیں جو ایشیا میں از روئے لغت سمجھے جاسکتے ہیں۔ فرانس کا حق شہریت فرینچ، انڈیا، مراکش، الجزائر اور ٹونیس وغیرہ کے باشندوں کو آپ جانتے ہیں کب حاصل ہو سکتا ہے؟ جب وہاں کے باشندے فرینچ قانون اختیار کر لیں۔ فرینچ حکومت تسلیم کرنے کے بعد فرینچ قانون اختیار کرنے کے معنی آپ سمجھے؟ یعنی دیگر قوانین حکومت کے ساتھ نکل و طلاق وراثت اور دیگر معاملات میں اپنا مذہبی و قومی قانون چھوڑ دیا جائے جس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ اسلام یا ہندو دھرم کو خیر باد کہو، تب فرانس کے حق شہریت کی دولت عظمیٰ مل سکتی ہے اور تب نوآبادی کا باشندہ ایک فرینچ کے برابر اور مساوی حقوق پاسکتا ہے۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اپنی قومیت و جنسیت چھوڑ کر فرانسیسی قومیت اختیار کر لو۔

ظاہر یہ ہے کہ مسلمان اس کو قبول نہیں کر سکتے۔ اس لئے وہ حق شہریت سے محروم ہیں۔ اور حقوق میں ایک فرینچ مین کے برابر نہیں ہو سکتے۔ جمہوریہ فرانس کا شعار (موٹو) یہ چار الفاظ ہیں۔ اخوت، مساوات، عدالت، آزادی۔ حکومت کے ہر ہر دفتر اور ایوان کے صدر دروازہ پر یہ الفاظ آپ کو کندہ ملیں گے۔ لیکن ان کے معنی آپ وہ نہ سمجھیں جو لغت کی زبان آپ کو بتاتی ہے۔

ایک مشہور فرانسیسی مستشرق لوئی سینان کی مجھ سے خط و کتابت ہوئی تو میں نے پوچھا کہ ان الفاظ کے کیا معنی ہیں۔ اُس نے سچ کہا کہ ”ان الفاظ کو نہ دیکھو جو دیواروں پر کندہ نظر آتے ہیں بلکہ ان کو دیکھو جو دلوں میں منقوش ہیں“

بہر حال اس ہمہ گیر جنگ کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ سب کو اپنی اپنی آزادی کی فکریں لاحق ہو گئی ہیں، انگریزوں کی طرح فرانسیسیوں نے بھی اپنی رعایا سے جنگ میں مدد لینے کی خاطر آزادی اور عطاے حقوق کے بڑے بڑے دعوے کئے تھے۔ اب یوٹس کی طرح البحر اسے بھی ایک وفد طلب حقوق کے لئے آنے والا ہے۔

ایک بات دیکھ کر مجھے سخت تعجب ہے، مراکش کے تمام مسلمانوں کے قومی لباس میں سر اور بدن پر وہی پُرانا عربی لباس، دستار و جبہ ہے، لیکن پاؤں میں بالکل افغانیوں کی طرح شلوار ہے بلکہ اس کی میانی پائنجوں کے برابر تک نیچے ٹٹکتی ہے۔ ایک ایک پائجامہ ۱۰ یا ۲۰ گز کا ہو گا۔ چاہتا ہوں کہ ایک مغربی مسلمان کا مرقع لوں اگر لے سکوں تو بھیجوں گا۔

سنگھالی سپاہیوں کے نام آپ نے فرینچ فوج میں منے ہوں گے جو ترکوں سے لڑنے کو بھیجے گئے اور جو اب حملہ شام میں استعمال کئے گئے ہیں۔ ان کو خدا جانے میں کیا سمجھتا تھا۔ کل بازار میں ایک سنگھالی سے ملاقات ہوئی، اس نے خود آکر مجھے ایک مشرقی سمجھ کر سلام کیا۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ فرینچ

مقبوضہ افریقہ کے مسلمان ہیں۔ رسوعی اپنا نام بتایا، لیکن بات کرنے میں شراب کی
 بو بھک بھک منہ سے آ رہی تھی۔ یہ دیکھ کر مجھے اس سے بات کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔
 چند روز کا واقعہ ہے کہ میں چند جزائری عربوں سے باتیں کر رہا تھا کہ ایک
 فرسخ صاحب آکر ان سے دوستانہ ملے۔ پھر میری طرف بڑھے۔ ان لوگوں نے
 ملایا۔ مجھ سے فیصلح عربی میں گفتگو شروع کی، یہاں تو ۶

ہم بھرے بیٹھے تھے کیوں آپ نے چھیڑا ہم کو

ان جزائریوں سے فرانس کے مظالم پر گفتگو ہو رہی تھی، صاحب نے میری
 بیماری کا حال سن کر مجھ سے کہا عَجَلُ اللّٰهِ شِفَاؤُكَ (خدا آپ کو جلد شفا دے)
 میں نے کہا لا بھتتی شفاء شخصی مع شفاء امتی (مجھے اپنی قوم کی بدبختی کے بعد اپنی
 ذاتی شفا کی پروا نہیں) بس سلسلہ شروع ہو گیا۔ میں نے جرأت دے باکی سے
 فرانس کے طریقہ سیاست اور مسلمانوں کے ساتھ اس کے سلوک کی تنقید کی، ان سے کوئی
 جواب نہ بن پڑا۔ سلام کر کے رخصت ہوئے۔ بعد کو معلوم ہوا کہ یہ الجزائر کے سرکاری
 گزٹ یا اخبار المبشر کے ایڈیٹر اور وہاں کے نائب والی ہیں۔ ہمارے جزائری بھائیوں
 نے ہمارے آزادانہ مباحث کو بڑے تعجب کی نگاہ سے دیکھا۔ اور میرا تو مقصود بھی یہ تھا
 کہ ان کو دلیر کروں ایڈیٹر صاحب کا نام موسیو میرانت تھا،

ہاں بھائی یہ تو پرانی باتیں تھیں، اپنی بات یہ ہے کہ دارالمصنفین کی کتابوں کے
 لئے ۵۰۰ روپے کی اور ضرورت ہے اور چونکہ ایک ماہ کے اندر روانگی کا بھی قصد ہے۔
 اس لئے ان کے اندر بھیجنا چاہیئے، اس لئے میں آج کل میں روپیہ کے لئے تیار
 دوں گا۔ کچھ کتابیں لندن سے بھجوائی ہیں وہ پہنچیں تو رسید لکھئے۔

والسلام

۶۱ دیشی، ۹ اگست ۱۹۲۰ء

ع۲

برادر عزیز! سلام شوق

جناب منیجر صاحب و قائم مقام سکرٹری صاحب دارالمصنفین،
 اول تو جناب سے یہ گزارش ہے کہ باوجود ایک بڑے کاروبار کے منتظم خاص
 و ناظم اعلیٰ ہونے کے اور شب و روز ڈاکخانہ سرکاری سے براہ راست تعلقات دیرینہ
 رکھنے کے، کیا جناب کو یہ علم نہیں کہ ولایت کا محصول خط موازی انہیں بلکہ مبلغ اسی
 یہ جو آپ کا ہر دفعہ ڈبل محصول ادا کرنا ہوتا ہے، اس کا کون ذمہ دار ہے؟ کوک کمپنی،
 عجب نہیں کہ آئندہ میری طرف سے یہ مبلغ خط ہر ہفتہ ادا کرنے سے انکار کر دے۔
 اور میری جیب خاص میں یقین جانے کہ ایک پیسہ نہیں! اور دست غیب پر پورا قابو نہیں۔
 دوم یہ کہ آپ میرے خطوط سے اگر شراب کی بوتل کا کام لیتے ہیں اور اس سے
 مسلمانوں میں توقع بجا پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اس کا ذمہ دار میں نہیں۔ مسلمانوں کو برس
 چھ مہینہ نہیں بلکہ دس بیس برس اسی قوت اور اسی استقلال سے کام کرنا ہے۔
 دنیا میں کوئی قوم وقتی جوش اور فوری دلولہ سے کامیاب ہوئی ہے اور نہ ہو سکتی ہے
 صدیوں کی غلطی کا خمیازہ مہینوں میں دُور نہیں ہو سکتا۔ آج جو کچھ پیش ہے وہ آج
 کا واقعہ نہیں بلکہ اس کی تمہید دوسو برس سے ہو رہی تھی تو اس کا رد و مدافعت آپ
 دودن میں نہیں کر سکتے۔

جہاں میں آج کل ہوں، یہ گویا دنیا بھر کے بیماروں کا مرکز ہے۔ یہاں ہر
 ملک و ملت کے مسلمانوں سے ملاقات کا خاصہ موقع ملا۔ گذشتہ خطوط میں میں نے
 بعض بعض تذکرے کئے ہیں، مراکش کے احوال جاننے اور وہاں کے کسی ”مرد مومن“ سے
 ملنے کا سخت اشتیاق تھا۔ تقدیر نے جس سے پہلے ملا یا وہ مولائی یوسف سلطان
 مراکش کے شاہی حاجب تھے، مجھے پہلے ان کا عہدہ معلوم نہ تھا۔ اس لئے میں نے

ٹھیک ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے جس طرح کھل کر اعتماد کے ساتھ باتیں کوئی چاہتیں کیں، مگر وہ ان کا جواب گول مول پولیٹیکل ٹائپ کے دیتے رہے۔ تاہم ان سے کسی دفعہ دیر تک صحبتیں رہیں اور ان سے یہ معلوم ہوا کہ جدید تعلیم مراکش میں اشاعت پا رہی ہے، لوگ واقعات کی تہ تک پہنچتے جاتے ہیں، تاہم جو روح میں ڈھونڈ رہا تھا، وہ ان میں نہ ملی اور بعد کو جب ان کے عہدہ منصب کی اطلاع ملی تو شکایت جاتی رہی کہ ہمارے ملک میں بھی اس مرتبے کے لوگ اس سے زیادہ گہرے نہیں۔ پھر بھی کاوش رہی۔ چند روز ہوئے کہ ایک لال لٹپی مع گندمی رنگ کے بڑے جبے کے ایک جگہ نظر آئی، پہلے تو ہمت نہ ہوئی پھر جرات کر کے آگے بڑھا اور سلام کیا، میں سمجھتا ہوں اور صرف خطیبانہ انداز میں نہیں بلکہ واقعہ اور حقیقت کے رنگ میں کہ اسلام میں اگر صرف یہی ایک خوبی ہوتی تو کافی تھی کہ صدائے السلام علیکم جہاں گوش زد ہوتی ہے، اجنبی سے اجنبی کے اندر اعتماد و وثوق کی شان وہ جھلکنے لگتی ہے کہ گویا وہ برسوں کا محرم اسرار ہے۔ ان صاحب سے مل کر طبیعت بہت مسرور ہوئی۔ میں نے پوچھا، کیا آپ علماء میں سے ہیں۔ یا تاجر ہیں یا منصب دار ہیں۔ تو جواب دیا کہ میں مراکش کے محکمہ وطنی میں نوکر ہوں۔ ہاں محکمہ وطنی میں، فرساوی میں نہیں۔ میں نے دل میں کہا کہ یہ آدمی تو کچھ لوچ دار معلوم ہوتا ہے، پھر جو باتیں ہوئیں تو معلوم ہوا کہ میں اس شخص سے باتیں کر رہا ہوں جو ان اسلامی مسائل پر کامل غور و فکر کر چکا ہے۔ اس نے کہا کہ مراکش میں سپاہی بھی موجود ہیں۔ دولت و سامان کی بھی کمی نہیں۔ صرف ایک قوتِ محرکہ اور دستِ عامل اور کارفرما روح کی ضرورت ہے پھر جوش میں آکر اس نے کہا کہ ”ہم کو سپاہی کی کمی نہیں، روپے کی کمی نہیں، ہم میں ایک ”الور“

کی کمی ہے۔ ہم کو ایک انور چاہیے انور! یعنی وہی رونا جو ہر اسلامی مملکت میں ہے۔ احمد اس شخص کا نام ہے۔

اب تک یہ معلوم تھا کہ اہل مراکش سلطان ترکی کو خلیفہ نہیں مانتے بلکہ خود مراکش کے سلطان خلافت کے مدعی ہیں۔ چنانچہ بعض بعض انگریزوں نے بھی سوال و جواب میں اس کا حوالہ دیا۔ پھر اس سے زیادہ یہ ہے کہ فرانس کے محکمہ شرقیہ کے رئیس سے جب ملاقات ہوئی تو اس نے بھی خلافت کے مسئلہ پر یہ کہا کہ ہمارے لئے یہ سوال دو گونہ مشکل ہے۔ فرانس کے بعض ممالک کے مسلمان تو سلطان ترکی کو اور کچھ سلطان مراکش کو خلیفہ مانتے ہیں۔ بہر حال جب اس مراکشی مسلمان سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا کہ سمجھ دار طبقہ سلطان ترکی ہی کو خلیفہ مانتا ہے اور ساقط الاعتبار خیانت کاروں کا کس ملک میں وجود نہیں۔

یہاں تو کوئی میرا ہمزبان نہیں۔ انگریزی بھی یہاں بیکار ہے جس کو اس مشکل سے ان دنوں سیکھا ہے۔ بس انہی عربوں سے زبان مقدس میں کچھ باتیں کر لیتا ہوں۔ ہاں ترکی کے ایک بزرگ چند روز سے بغرض علاج آئے ہوئے ہیں۔ ان سے باتوں میں دل بہلتا ہے۔ قسطنطنیہ ان کا مکان ہے مجلس مبعوثان عثمانی کے ممبر ہیں۔ عربی کچھ کچھ بولتے ہیں مگر سمجھتے سب ہیں۔ کہتے تھے کہ میں نے قسطنطنیہ کے مدرسہ عربیہ میں دس برس عربی پڑھی لیکن عربی بولنی نہ آئی اور کہتے تھے کہ یہی حال ترکی کے اور عربی مدرسوں کا ہے کہ دس دس پندرہ پندرہ برس طلبہ عربی پڑھتے ہیں لیکن نہ وہ عربی لکھ سکتے ہیں نہ بول سکتے ہیں۔ میں نے پھر مقاصد ندوہ کی ایک خوراک ان کو دو اپلائی۔ دوسرے ملکوں کے مسلمانوں کو دوسرے مباحث کے ساتھ ساتھ ندوہ کے اغراض و

مقاصد بھی خصوصیت کے ساتھ سمجھنا ہوں کہ امت کی اصلاح و درستی کے لئے علماء کی فکر و خیال کی اصلاح نہایت ضروری ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس حیثیت سے علمائے ہند میں ہر قسم کے نقائص کے تسلیم کر لینے کے بعد ایسے محاسن ہیں جن کا دیگر بلا و اسلام میں فقدان عام ہے۔ جدید تعلیم نے وہاں اہل کھایا لیکن قدیم تعلیم ابھی مرقدِ راحت میں ہے۔

قدیم و جدید طبقہ کے باہم دست و گریبان ہونے اور منازعہ و مقابلہ کی جو حالت پہلے ہندوستان میں تھی، افغانستان و بخارا سے لے کر مراکش تک وہی ہے۔ مصر کے جامع ازہر نے اس سال کروڑوں ہے۔ تیونس کے جامع زیتون نے ابھی چند مہینے گزرے کہ ایک قدم آگے رکھا ہے۔ یعنی وہاں کے چند مدرسین نے طلب دستور کے دفع میں شرکت کی اور تونس کے سامنے دیگر ارباب تعلیم جدید کے دوش بدوش کھڑے ہو کر طلب دستور کا عریضہ پیش کیا۔ لیکن آپ نے سنا کہ فرینخ گورنمنٹ نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ بعض کو تین ماہ کے لئے اور بعض کو چھ مہینے کے لئے درس کی خدمت سے معطل کر دیا۔ بیچارہ شیخ عبدالعزیز ثعالی ٹیونس جو پیرس میں حکومت ٹیونس کی اصلاحات کے لئے کوشاں تھے خانہ تلامذہ کے بعد چھ روز ہوئے کہ گرفتار کر لئے گئے۔ زمانہ جنگ سے لے کر اب تک وہاں مارشل لا جاری ہے چنانچہ ان کو پیرس سے ٹیونس کشاں کشاں لے جایا گیا۔ کہ ان پر مارشل لا چلایا جائے مگر بڑی قوت کے آدمی ہیں۔ یوں بھی خاصا ڈیل ڈول رکھتے ہیں۔ ان کی پیشانی پر بل تک نہیں اور خوشی خوشی اس مصیبت کے اٹھانے کو تیار تھے۔ ان کے رفقاء کار بھی ہر سال نہیں۔

محمد علی صاحب رومہ جا کر پوپ سے مل آئے۔ آپ نے تار میں پڑھا ہوگا کہ پوپ نے تمام دنیا سے اسلام کو مصالحت اور اپنے پیروؤں کی طرف

سے ہر طرح ہمدردی اور صلح کی دعوت دی ہے۔ اٹلی کے وزیر خارجہ اور وزیر اعظم سے ملاقات ہوئی۔ اور انہوں نے بھی یقین دلایا کہ ہم کو مسلمانوں سے پرخاش نہیں چنانچہ البانیہ کے تمام مطالبات ہم نے تسلیم کر لئے اور طرابلس میں خود مختار ریاست ہم قائم کئے دیتے ہیں۔

۱۱ اگست کو فرانس کے وزیر اعظم موسیو ملران کی بارگاہ میں شاید رسائی ہو۔ مہینوں کی دربار داری کے بعد اب انہوں نے درشن کرانے کی امید دلائی ہے اور معتبر حلقوں کا یہ بیان ہے کہ خود انہی نے سلسلہ جنبانی کی ہے۔ مجھے یہاں ۲۰ دن ہو گئے۔ یہاں کا علاج ۲۱ دن کا ہوتا ہے۔ اس لئے اگر ڈاکٹر نے اجازت دی تو کل شب کی گاڑی سے یہاں سے پیرس کو روانہ ہوں گا۔ اور امید ہے کہ میں بھی وزیر موصوف کی زیارت سے مشرف ہوں۔

میری غیبت میں لوگوں نے دارالمصنفین کی آمد شروع کی ہے۔ یہاں تک کہ قوم کے متعفی سپہ سالار مسٹر منظر الحق نے بھی دارالمصنفین پر کرم کیا۔

اب مجھے جلد بلا تلبخے۔ اور قوم سے کہئے کہ بلا لے، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہاں کام کے لئے سالہا سال تک مفید و ضروری موقع ہے۔ والسلام

۶۲ دیشی ، ۹ اگست ۱۹۲۰ء

چچا جان !!

۲۴

کیوں صاحب چچا جان کو لوگ مذاق کیوں سمجھتے ہیں۔ میں بھی ہندوستان میں اس کو مذاق سمجھتا تھا۔ مگر ولایت کی فرزانہ اور دانش آموز آب و ہوا میں سوچتا ہوں تو اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی۔ بنا بریں امید ہے کہ آپ جو ولایتی

چیزوں کو نئی روشنی میں دیکھ کر قابلِ تقلید سمجھتے ہیں، میرے اس نئے اجتہاد کو مذاق پر محمول نہ فرمائیں گے۔

آج ہی آپ کا خط مورخہ ۶ جولائی ملا۔ لندن جا کر ویشی واپس آیا تو اس آمد و رفت میں غریب کو مجبوراً چند روز کی دیر ہو گئی جو قابلِ معافی ہے۔ آپ یا مخدوم صاحب پوچھتے ہیں کہ ”بالشویک روس اور انگلینڈ کے درمیان کون سا پردہ حائل ہے“ میں اس سوال کا مطلب نہیں سمجھا۔ اگر یہ مطلب ہے کہ انگلینڈ بالشوزم کیوں نہیں قبول کر لیتا؟ تو اس کا سبب ظاہر ہے کہ انگلینڈ ہمہ تن ایک سرمایہ دار ملک ہے۔ یہاں وزراء سے لے کر عام تاجروں تک اپنے سرمایہ سے دوسروں کی محنت پر گزارا کرتے ہیں۔ انگلستان کے بعض وزراء کی جائیدادیں روس میں تھیں، انگریزوں کا بہت سا سرمایہ وہاں لگا ہوا تھا اور وہ سب روس کے مزدوروں اور کاشتکاروں نے اپنے اصول کے مطابق ہضم کر لیا۔ پھر انگلینڈ اگر بالشوزم اختیار کر لے تو اس کو دنیا میں اپنے موجودہ تفوق سے دست بردار ہونا پڑے گا۔

اگر اس سوال کا یہ مقصد ہے کہ انگلستان بالشویک روس کے ساتھ کیوں برسرِ پر خاش ہے تو اس کی وجہ بھی ظاہر ہے اور یہ کوئی راز نہیں۔ لائڈجارج اور لائڈکرزن نے بالشویک روس کے نام جو خطوط دعوتِ صلح کے لکھے ہیں، جو یہاں کے مزدور پیشہ اخبار ڈیلی ہیرلڈ نے بہ تمامہا چھاپ دیئے ہیں ان میں سے بتصریح مذکور ہے کہ اگر ”بالشویک مشرق اور ایشیا میں اپنے اصول کی اشاعت سے بازر ہیں اور مشرقی اقوام کو ان کے آقاؤں کے مقابلہ میں برا بیگنہ نہ کریں۔“

اور ان کی ہمت افزائی نہ کریں تو انگلستان محبت کا ہاتھ بڑھانے کو تیار ہے۔

اور اگر اس سوال کا یہ مقصد ہے کہ روس انگلینڈ پر حملہ کیوں نہیں کر دیتا تو بھی ظاہر ہے کہ نفس انگلینڈ پر تو حملہ کی کوئی صورت نہیں رہا اس کے مشرقی مقبوضات پر، تو ابھی تو دہقانی روسیوں کو خود اپنا وجود سنبھالنا مشکل ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہمیشہ اس کے مقابلہ کے لئے دامنے بائیں، آگے پیچھے کوئی نہ کوئی قوت کھڑی کر دی جاتی ہے۔

بہر حال مشرقی اقوام خواہ بالشویک روس کی نسبت کوئی رائے رکھتے ہوں۔ لیکن مجھے ان سے نیکی کی کوئی توقع نہیں۔ انقلاب کے آغاز میں ان کی روش بین الاقوامی محبت و ہمدردی کیوں نہ ہو مگر رفتہ رفتہ وہ قومی محبت اور مخصوص روسی عنصریت کی سیاست کی صورت میں بدل جائے گی۔ اور اس وقت انگلستان کو بھی اس سے مخالفت نہیں ہوگی۔ ہندوستان بالشوزم کسی طرح بآسانی قبول نہیں کر سکتا۔ یہ راجاؤں، تعلقہ داروں اور زمینداروں کا ملک ہے اور اس اصول اقتصاد اور نظام مملکت کی رو سے سب سے پہلے ان ہستیوں کو فنا ہو جانا پڑے گا۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کوئی آسان کام ہے؟

پہلی جولائی سے لے کر ۸ جولائی تک جنیوا میں تمام یورپ کے سوشلسٹوں کی بین الاقوامی مجلس تھی۔ میں نے اس کے اکثر ممبروں کی تقریریں پڑھیں ان میں بہت سے سچے دل سے عام بنی نوع انسان کے ہمدرد ہیں۔ اور وہ مشرق کو صرف غلامی اور مغرب کو صرف آفتابی کے لئے مخصوص نہیں سمجھتے ہیں۔ بلکہ وہ تمام اقوام عالم کی آزادی اور رہائی کے خواستگار ہیں۔ مگر ان کی تعداد کم ہے ورنہ اکثر اور بہ ہیئت مجموعی ان کی نگاہ میں دنیا صرف یورپ تک عبارت ہے۔ "دنیا میں کسی قوم کو دوسرے کا غلام نہیں ہونا" اس کے معنی یہ ہیں کہ "یورپ"

صاحب بھرتی ہو کر عراق گئے تھے اور بغداد کی جنگ میں شریک تھے وہاں ان کو یہ لال ٹوپی نظر آئی تھی اب انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ جس کے سر پر لال ٹوپی ہو، وہ بغدادی۔ جس دن میں ولشی کے اسٹیشن پر اترا، ایک صاحب میرے پاس سے گزرے پوچھا ”ترکی؟“ میں نے کہا نہیں۔ پھر کہا ”عربی؟“ میں نے کہا نہیں۔ ”ہندی“ ولایت کے جو انگریز مصر میں رہے ہیں اور کچھ عربی جانتے ہیں وہ تو ضرور راستے میں دیکھ کر بچھڑے ہوئے دوست کی طرح سلام کرتے ہیں اور عربی بولنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دو تین مہینے ہوئے کہ مجھے ڈاکخانہ سے کچھ روپے لینا تھا۔ ڈاکخانہ کا راستہ نہیں ملتا تھا۔ اتنے میں ایک صاحب میرے سامنے سے گزرے اور سلام کیا، اور پوچھا ”مصری؟“ میں نے کہا نہیں۔ ”ہندی“ انھوں نے کہا میں سمجھا کہ آج کل مصر کا وفد یہاں آیا ہوا ہے تم ان میں سے ہو۔ میں نے کہا نہیں۔ بولے کہ میں مصر میں بہت دن نوکر رہا ہوں۔ اور اس عربی دانی کی محبت نے بیچارہ نے ہجرت گوارا کی کہ پوچھ پاچھ کر مجھے ڈاک خانہ تک پہنچا دیا۔ اور ایک ریسٹوران کے پاس پہنچ کر قہوہ کی دعوت بھی کرنی چاہی لیکن آج صبح کا واقعہ سب سے زیادہ اثر انگیز تھا۔ ایک نہایت بوڑھی عورت، غایت آرزو اور تمنا کی صورت میں میرے سامنے آئی ایک اور ادھیڑ سن کی عورت اس کے ساتھ تھی۔ میری طرف دیکھ کر فریخ زبان میں کچھ کہنے لگی میں سمجھ نہ سکا۔ ایک الجزائری عرب جو فریخ جانتے تھے میرے پاس کھڑے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا یہ کیا کہتی ہے؟ انھوں نے ترجمہ کر کے بتایا تو دل میں ایک چوٹ سی لگی اور اس کے حال پر رحم آیا اس نے کہا کہ میرا لڑکا دردنیاں کی جنگ میں گیلی پولی میں مارا گیا ہے۔ میں ختم کو ایک ترک سمجھ کر آئی تھی کہ اگر اس کی مزید تفصیل معلوم ہو تو مجھے بتاؤ۔ ”ہندی مسافر اس محبتِ مادری میں دیوانی بڑھیا کی وجہ سے نہ ہو سکا۔ دونوں آنکھوں میں

آئسوڈ بڈ باسے ہوئے مایوس واپس گئی۔ ادھیڑ سن کی عورت بڑھیا کی مزید ترجمانی کر رہی تھی۔ شاید کہ مقتول فریخ سپاہی کی بیوہ ہو۔ غریب فرانس نے اس جنگ میں حقیقت میں بڑی قربانی کی ہے۔ اس کثرت سے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے، زخم خوردہ ہر وقت اور ہر جگہ فرانس کے ہر حصہ میں ملتے ہیں کہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ ۵ فیصدی سے کم ایسے اشخاص نہ ہوں گے اور اس پر بھی اس کے ہاتھ کیا آیا؟ کچھ نہیں! الکسان اور لورین کے کھوئے ہوئے صوبے!

ولیشی کا علاج ۲۱ دن کا ہوتا ہے کل ۲۰ دن تمام ہوں گے۔ ارادہ تھا کہ کچھ دن اور احتیاطاً رہوں، لیکن آج محمد علی صاحب کا تار آیا کہ موسیو ملران وزیر اعظم فرانس نے ۱۱ اگست کو ۱۱ بجے وفد سے ملاقات کا وفد مقرر کیا ہے، ہو سکے تو اس تاریخ کو پیرس پہنچو۔ ڈاکٹر سے جا کر پوچھا، اس نے اجازت دیدی۔ کل ۱۰ اگست کی شب کو ۱۱ بجے یہاں سے روانہ ہو کر صبح کے ۷ بجے پیرس پہنچوں گا۔ معلوم نہیں ولیشی کا علاج مرض کا دائمی ازالہ کر دے گا یا نہیں؟

سیرت نبویؐ جلد دوم میں میرے اضافہ کو جو نصف تصنیف کے برابر ہے آپ نے سراہا ہے۔ نہیں معلوم آپ نے صرف عزیزانہ نگاہ سے دیکھا یا ناقدانہ نظر سے بھی ملاحظہ کیا ہے؟ آپ نے میری جتہ والی ولایتی تصویر پر ”سلطان ترکی“ کا دھوکا ہونا ظاہر کیا ہے۔ بعینہ یہی پھبتی فرانس میں ایک فریخ دوست نے کہی کہ تم تو اس لباس میں خود خلیفہ معلوم ہوتے ہو۔

طول کلام کی معافی چاہتا ہوں۔ دوسری تصویر جس پر حضرت سلیمانؑ کا نام تھا آپ نے ”ملکہ“ کو بھیج دی۔

۶۳ ولیشی، ملک فرانس، ۱۰ اگست ۱۹۲۰ء

مولانا الاکرمؒ، اطلال اللہ بقار کم!

السلام علیکم ورحمتہ اللہ، چند ہفتوں سے خدمت والا میں حاضر نہیں ہوا۔ میں پورے مہینہ میں کچھ واقعتاً بیمار رہا اور کچھ تھک کر بیمار ہو گیا اور ڈاکٹر کے مشورہ سے اس مقام میں تین ہفتے قیام رہا اور آج شب کو یہاں سے پیرس کی سمت کوچ ہے۔

اس ماہ گذشتہ کے دورہ میں اپنی علالت طبع کے بہانہ سے میں وفد کے کاموں میں کوئی حصہ نہ لے سکا۔ اب طبیعت کو سکون ہے۔ دعار کا طالب ہوں کہ شفائے حقیقی نصیب ہو۔ جناب مشیر حسین صاحب قدوائی کی تقریر سے بہت تسکین ہوئی۔ عراق و شام کے بعض عربوں سے مل کر یہ مشورہ قرار پایا تھا کہ مسئلہ خلافت و بلاد مقدسہ کے متعلق ایک صاف و صریح خط شریف حسین کے نام لکھا جائے۔ چنانچہ چار پانچ صفحہ کا ایک خط میں نے تیار کیا لیکن فوراً ہی حالات بدل گئے اس لئے خط کا بھیجا ملتوی ہو گیا۔

محمد علی صاحب کو لوگ مدت سے رومہ اور سوئٹزر لینڈ بلا رہے تھے مگر موقع نہیں ملتا تھا۔ آخر جولائی میں ان کو موقع ملا۔ تودہ تنہا مع حیات صاحب کے رومہ اور سوئٹزر لینڈ ہو آئے۔ بعض کیفیتوں کا مُصر تھے کہ وفد کو پوپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے۔ چنانچہ ان کو اس بارگاہِ قدس میں بھی باریابی نصیب ہوئی۔ گو میں اس سفر میں ساتھ نہ تھا اس لئے شہادت عینی نہیں دے سکتا۔ لیکن سمجھتا ہوں کہ آپ تک اس سفر کی روداد نہیں پہنچی ہوگی۔ اس لئے مجھے تک جو اطلاعات پہنچی ہیں ان کو آپ تک پہنچا دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

حالت یہ ہے کہ ایک انگلینڈ کو چھوڑ کر یورپ کا کوئی بڑا شہر ایسا نہیں ہے جہاں سے احرار اسلام اور مخلصین دین و ملت اپنے اپنے ملکوں سے بھاگ بھاگ کر پناہ گزین نہ ہوں۔ قسطنطنیہ، اناطولیہ، عراق، شام، یونیس، الجزائر، کشن

مصر، طرابلس المغرب، البانیہ، تھریس، غرض ہر بڑے شہر میں مہاجرین اسلام کی ایک نو آبادی قائم ہے۔ روم میں جو اٹلی کا پایہ تخت ہے بہت سے مہاجرین پناہ گیر ہیں، ان سب سے ملنے کا موقع ملا، یہ سب کے سب نہایت روشن خیال، بیدار مغز، اور واقعات کو اصلی رنگ میں سمجھنے والے ہیں۔ اور چونکہ ہم لوگوں کے بہ نسبت وہ اپنے اپنے ملک سے زیادہ قریب ہیں اور ان کے وسائل آمد و رفت وسیع تر ہیں، اس وجہ سے وہ ہر معاملہ سے بخوبی آگاہ ہیں۔ ان کے بیانات سے نہ صرف یہ کہ نئے حالات کا انکشاف ہوا بلکہ بعض اوقات توقع سے بڑھ کر صورت حال تسکین دہ معلوم ہوئی۔ ان کی گفتگو کے لفظ لفظ سے اسلام کا جوش نمایاں تھا۔

اٹلی کے وزیر اعظم اور وزیر خارجہ نے بھی ملاقات کا موقع بخشا۔ اور دیر تک خوب گفتگو ہوتی رہی۔ انھوں نے بیان کیا کہ اٹلی کو مسلمانوں سے کوئی پُر خاش نہیں، بلکہ ان حالات میں ان کے ساتھ ہمدردی ہے اور جو جائز مدد اس سے ممکن ہے وہ اس سے دریغ نہ کریگی۔ چنانچہ البانیہ کے معاملے میں اٹلی نے تقریباً تمام البانوی مطالبات تسلیم کر لئے اور طرابلس کو بھی وہ قطعی خود مختار کرنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے امید دلائی کہ گو اس وقت بظاہر اسلام ایک عظیم الشان مصیبت میں گرفتار ہے لیکن انشاء اللہ بہت جلد حالات کی صورت بدل جائے گی۔ اور جہاں تک اٹلی کا تعلق ہے وہ مسلمانوں کو شکایت کا موقع نہ دے گی۔

۲۸ جولائی کو محمد علی صاحب نے پاپائے روم سے ملاقات کی۔ پاپا نہایت تپاک و محبت سے ملے اور نہایت صاف و صریح لہجہ میں گفتگو کی، فرمایا کہ زمانہ حال کے صلحنامے سے ہرگز دنیا میں امن و سلامتی قائم نہیں ہو سکتی، لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ جنگ کی موجودہ صورت اسلام اور عیسائیت کے درمیان نہیں بلکہ مذہب اور لاندہبی کے درمیان ہے، انھوں نے اعتراف کیا کہ

دولت عثمانیہ مذہب کے معاملہ میں نہایت بے تعصب اور نا طرفدار حکومت ہے۔ ہم کو اپنے قسطنطنیہ کے نابینوں کے ذریعہ سے حالات اچھی طرح معلوم ہیں۔ ترکی سامنے صلح کے جو شرائط پیش کئے گئے ہیں یہ دنیا کے لئے ایک نئی جنگ کا پیش خیمہ ہے۔ اگر دنیا میں ایک نئی جنگ پیش آئی تو ہم سمجھتے ہیں کہ اس کے حقیقی باعث مسلمان نہ ہوں گے۔ بلکہ وہ ہوں گے جو موجودہ شرائط صلح کے مصنف اور بانی ہیں۔ پاپا نے اپنی طرف سے اور اپنی رومن کیتھولک جماعت کی طرف سے یقین دلایا کہ وہ اسلام کے ساتھ مصالحت اور دوستی کے خواستگار ہیں اور فرمایا کہ اس وقت اسلام اور عیسائیت کا مقابلہ نہیں بلکہ ظلم اور انصاف کا مقابلہ ہے۔

بہر حال یہ ملاقات بھی فائدہ سے خالی نہ رہی اور اکثر حلقوں میں اس گفتگو کو ترکی اور اسلام کے حق میں ایک نہایت کارآمد دستاویز سمجھا جا رہا ہے۔ روم سے واپسی میں سوئزرلینڈ کے شہر تری تے میں محمد علی صاحب ٹھہرے یہ شہر گو یا آج کل اسلام کا دارالہجرت بنا ہوا ہے۔ ان بزرگوں نے ہمارے دوستوں کی نہایت خاطر و مدارات کی مسلمانوں کا مجمع ہوا۔ جس میں تقریریں بھی ہوئیں، ایک عرب نواسیم الحجازی بھی جو پہلے سوئزرلینڈ میں دولت عثمانیہ کی طرف سے سفیر تھے۔ اور قبضہ قسطنطنیہ کے بعد وہ برطرف کئے گئے۔ اس مجمع میں موجود تھے۔ انھوں نے عربی زبان میں نہایت پرجوش تقریر کی۔

یکم اگست سے ۱۰ اگست تک جنیوا میں تمام یورپ کے سوشیالسٹ اور اشتراکیوں کا جلسہ تھا۔ رائے قرار پائی کہ وہاں سپیچ کر بھی اپنا مدعا ظاہر کرنا چاہیئے۔ چنانچہ محمد علی صاحب گئے اور وہاں جا کر انگلستان کے سوشیالسٹ ممبروں سے ملے میکین اور ایڈمرس نے جو اس جماعت کے لیڈروں میں سے ہیں ہماری اعانت کا وعدہ کیا۔

پیرس داپس آکر محمد علی صاحب کا ارادہ لندن کی واپسی کا تھا۔ لیکن معلوم ہوا کہ فرانس کے وزیر اعظم موسیو ملران بھی ملاقات کا شرف بخشے کو تیار ہیں۔ اس لئے ان کو خط لکھ کر ملاقات کی تاریخ مقرر کرائی گئی۔ ۱۱ اگست کو جمعرات کے دن ۱۱ بجے وہ ملیں گے۔ کل محمد علی صاحب کا تار میرے نام لندن سے آیا ہے کہ کل صبح کو میں ان سے پیرس میں ملوں اور وفد میں شرکت کروں۔ چنانچہ آج شب کو روانہ ہو جاؤں گا۔

یہ مقام دلشی گو صرف مریضوں کا مستقر ہے۔ لیکن دنیا کے اسلام سے بڑھ کر مریض و ناتواں کہاں ہوں گے چنانچہ اکثر اطراف کے مسلمانوں سے یہاں مل کر دل کو تسلی ہوئی اور فریضہ تبلیغ ادا ہوا، مولائی یوسف سلطان مراکش کے صاحب خاص سے بحیثیت مسلمان ملنے کا اور اسلامی مسائل پر گفتگو کرنے کا کئی دفعہ موقع ملا۔ بعض علمائے مغرب کو بھی سمجھنے اور سمجھانے کی فرصت نصیب ہوئی۔

اس وقت رخصت ہونا ہوں۔ انشاء اللہ کل کی ملاقات کی تفصیل جلد

لکھوں گا۔ والسلام۔

۶۲ پیرس ۱۲ اگست ۱۹۲۰ء

مولانا عبد الباری صاحب کے نام :- مولانا الاکرم، السلام علیکم، ہدیہ عاب مبارکہ کا شکریہ! غالباً آپ نے اخبارات میں پڑھا ہوگا کہ قسطنطنیہ سے فریدیپاشا کے بعض آدمیوں نے آکر صلح کے معاہدہ پر ۱۱ اگست کو دستخط کر دیے۔ لیکن اس کو ترکی گورنمنٹ کا اعتراف کہا جاسکتا ہے۔ اور نہ ترک قوم نے اس کو جائز تسلیم کیا ہے۔ حقیقت میں دنیا کے سیاسی پلیٹ فارم پر ایک سیاسی تاشا کھیل گیا ہے۔ یہ فقط ایک قسم کی سیاسی صنعت گری ہے۔ اس معاہدہ کو واقعی ترکوں کو تسلیم کرنے کے لئے تو ہے کا قلم اور خون کی سیاسی درکار ہے۔

جیسا کہ میں نے پہلے لکھا ہے ۱۱ اگست کی تاریخ فرانس کے وزیر اعظم

موسیو ملران نے وفد سے ملاقات کی مقرر کی تھی۔ ہم لوگ وقت موعودہ پرفرانس کے وزارت خانے میں گئے، ۱۵ اگست کے انتظار کے بعد وزیر موصوف نے وفد کو طلب کیا، رسم ملاقات کے بعد محمد علی صاحب نے وفد کے مطالبات و اغراض پیش کئے۔ ہندوستان کی موجودہ کیفیت بیان کی، اسلام کے مذہبی فرائض کا ذکر کیا، مسئلہ خلافت اور عراق و شام و عرب وغیرہ بلا دمقدس کی اہمیت ظاہر کی۔ اور کہا کہ مسلمان کبھی اور کسی حیثیت سے بھی اپنے مطالبات سے دستبردار نہیں ہو سکتے۔ وزیر موصوف نے ایک رٹے ہوئے سبق کی طرح اپنے ایک ہم پیشہ نامور وزیر اعظم کے خیالات کی اپنی زبان میں ترجمانی کی اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ سیاسی پیغمبر کسی مصنوعی جبرئیل (لایڈ جارج) کے تعلیمی سبق کو اپنے الفاظ میں ادا کر رہا ہے اس وقت میں اپنے تخیل کے کانوں سے حافظ شیراز کی یہ صدائے غیب سن رہا تھا۔

درپس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند آںچہ استاد ازل گفت ہماں میگویم
موسیو ملران نے اس مشہور انداز عبارت میں جس کے لفظ لفظ کے معنی سے ہم مشرقی بخوبی واقف ہو چکے ہیں۔ فرمایا کہ ”ہم کو مسلمانوں سے عداوت نہیں۔ اور نہ اسلام سے پرخاش ہے ترکوں نے اپنی عیسائی رعایا پر جو مظالم روا رکھے ہیں ان کا ہمیشہ کے لئے انسداد ہمارا فرض ہے۔ ہم کو ملک شام، حکومت کی حرص و طمع سے نہیں، بلکہ جنگی اسباب سے جانا پڑا ہے اور جیسے ہی شام کے تخلیہ کے مناسب اسباب نظر آئیں گے ہم اس کو خالی کر دیں گے“ یہ بھی فرمایا کہ ”یہ آپ کے مذہبی جذبات ہیں لیکن جذبات کو مصلح عقلی کے مطابق ہونا چاہیے اور

یہ کہتے ہوئے انھوں نے رخصت کرنے کے آثار ظاہر کئے، محمد علی صاحب نے کہا کہ ہمارا مذہب تمام تر مصالح و حکم پر مبنی ہے۔ اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہم جزیرۃ العرب سے متعلق اس کے احکام کی مصلحتوں کو بہ تفصیل عرض کر سکتے ہیں، بشرطیکہ وزراء سیاست کو ان کے سننے کی فرصت حاصل ہو۔

مترجم فریخ سے انگریزی میں اور انگریزی سے فریخ میں ترجمہ کر رہا تھا، مگر حالت یہ تھی کہ خود مترجم جو ایک منصف مزاج فریخ تھا وزیر فرانس کی زبان سے یہ خیالات سن سن کر خود بخود خجل اور شرمندہ ہو رہا تھا۔ جس کا بعد کو اس نے خود اظہار کیا۔ سید حسین صاحب نے کہا، عام طور سے مشہور ہے کہ قسطنطنیہ کی حیثیت ایک انگریزی مقبوضہ کی ہو جائے گی۔ وزیر صاحب نے جواب میں کہا کہ یہ قطعاً غلط ہے، فرانس کے حقوق بھی وہاں مساوی ہیں بلکہ زیادہ ہیں۔ لیکن وزیر موصوف نے یہ نہیں بتایا کہ اسلامی حقوق کا عنصر وہاں کس قدر رہے گا جس کے باقی رکھنے کا احسان حکومت برطانیہ کی وزارت خارجہ اپنی ہندوستانی مسلمان عیال کی گردن پر رکھنا چاہتی ہے۔ اور جس کا اعلان بہ بانگ دہل ہر چہاردانگ عالم میں کیا جا رہا ہے کہ صرف مسلمانان ہند کی خوشنودی اور مراعات کے لئے ترکوں کو قسطنطنیہ میں رہنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اس اجازت کی حقیقت فرانس کے وزیر اعظم کی زبان سے سن لیجئے۔

بہر حال اٹھتے اٹھتے اور دروازہ کھولتے ہوئے وزیر موصوف نے کہا کہ ”ترکوں کی حکومت کا حال آرمینیوں سے دریافت کرو۔“ محمد علی صاحب نے کہا کہ اس بحث میں اقول سے فائدہ نہیں۔ گو ہم تہدید کے لئے یورپ نہیں آئے بلکہ صلح اور مصالحت کے لئے آئے ہیں لیکن فرانس کے حق میں بے دفائی ہوگی اگر ہم یہ نہ ظاہر کر دیں کہ اس طرز سیاست سے فرانس ہمیشہ کے لئے بغیر محبوب اور بدنام ہو جائے گا۔“

اور سب سے آخری فقرہ انھوں نے یہ کہا کہ ”گو قسطنطنیہ سے بعض اشخاص صلح کے معاہدہ پر دستخط کر سکے ہیں مگر جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تاریخ کا یہ باب اس پر ختم نہیں ہو سکتا۔“

یہ آخری فقرہ تھا جو دروازہ پر ادا ہوا۔ اور وزیر موصوف نے رخصتانہ مصفا کر کے وداع کیا۔ دنیا منتظر ہے کہ مسلمان کس ثبات اور استحکام کے ساتھ اپنے الفاظ و دعاوی پر قائم رہتے ہیں۔ ترکی کا یہ معاہدہ وحی آسمانی نہیں جو بدل نہ سکے، صرف استقلال اور صبر علی الحق درکار ہے۔ رَبَّنَا ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا،
۶۵ لندن ۱۸ اگست ۱۹۲۰ء

برادر عزیز !

پچھلے ہفتہ آپ کو یاد نہ کر سکا، آپ کو شکایت اور مجھے افسوس ہے۔ بات یہ ہے کہ عین جموں کے یعنی ڈاک کے دن پیرس سے لندن آنا ہوا، اس لئے آپ سے گفتگو کا موقع نہ ملا۔ اب تو ہندوستان کی واپسی کے دن نزدیک آرہے ہیں۔ اگر خلافت کمیٹی کے حکم کے خلاف امریکہ جانا نہ ہوا تو اکتوبر کے جہاز سے ہندوستان کا سفر شروع ہو جائے گا۔

مجھے یاد نہیں کہ ندوہ کے نو مسلم انگریز محمد بن کر بڑی کی ملاقات کا حال آپ کو پہلے لکھا ہے، یا نہیں، یہ یہاں مجھ سے ملنے کے لئے آئے تھے، آج کل ندوہ

۱۔ یہ ایک انگریز تھے جن کو بچپن میں افسریقہ کے ایک مسلمان تاجر نے پالا تھا۔ اور مسلمان بنایا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد وہ بمبئی چلے آئے تھے۔ اور مولانا شبلی مرحوم ان کو بمبئی سے ندوہ لکھنؤ لے آئے تھے۔ لکھنؤ میں بہت دنوں تک یہ رہے۔
راجہ نوشاد علی خاں مرحوم وغیرہ سے ان کو بہت مدد ملی۔ پھر یہ بمبئی چلے گئے تھے ۱۲ء۔

نابینچریا (افریقہ) کی ایک مسلمان ریاست لودا کے امیر کے ساتھ ہیں۔ امیر موصوف مہینوں سے انگلستان میں مقیم ہیں۔ عید کی نمازیں دوکنگ میں ان سے نیاز حاصل ہوا تھا۔ سادہ عربی لباس تھا۔ یعنی لمبا کرتہ اور صدری، سر پر مخروطی شکل کی ٹوپی جس پر رومن خط میں "لودا" سامنے لکھا ہوا، پیچھے پیچھے ایک جشی خادم ایک بوقلموں یعنی سات آٹھ رنگ کے کپڑوں کی چھتری لگائے ہوئے ساتھ تھا۔ عجیب سماں تھا۔ یہ تمام علاقہ برطانیہ کے زیر حکومت ہے۔ کسی مسجد یا کسی اور مذہبی معاملہ کی نزاع ہے جس کو یہاں کے پولی کونسل میں پیش کرنے کے لئے امیر صاحب یہاں آئے ہیں۔ آج ایک مصوّر پرچہ میں ان کی تصویر دکھائی کہ بادشاہ سے مصافحہ کر رہے ہیں۔ اور خوشی سے ان کی باچھیں کھلی جاتی ہیں۔

سنا ہو گا کہ قسطنطنیہ سے ایک جماعت نے آکر طوعاً یا کرہاً صلح کے معاہدہ پر دستخط کر دیئے لیکن اس دستخط کا اثر نہ تو وطنی ترکوں پر پڑ سکتا ہے اور نہ مسلمانوں کی عام مذہبی مسائل اور ارادوں پر۔ موسیو طمران کی ملاقات کا حال جناب مولانا عبدالباری صاحب کے ہوا میں نے کسی اور کو نہیں لکھا۔ جو کچھ انھوں نے کہا وہ ایک سکھائی ہوئی تقریر کا آموختہ تھا۔ میرا تو یہ حال تھا کہ مترجم نے جب ان کے جواب کا ترجمہ سنایا تو چہرہ تمٹا گیا اور میں اس اثر کو روک نہ سکا۔ وزیر موصوف بھی کنکھیوں سے ہم لوگوں کو دیکھ رہے تھے۔ ہماری طرف سے آخری فقرہ یہ کہا گیا کہ اتحادی جو چاہیں فیصلہ کر لیں۔ لیکن جہاں تک ہم مسلمانوں کا تعلق ہے قسطنطنیہ سے کسی ترک کا آکر دستخط کر جانا تاریخ کے باب کو بند نہیں کرتا، ہمارے لئے یہ موقع یاس و ناامیدی کا نہیں بلکہ مزید استقلال و ثبات قدم کے ساتھ کام کرنے کا ہے۔

حدی راتلخ تر بر خواں چو ذوقِ نغمہ کم یابی

مہاراج تلک کی وفات سخت اندوہناک ہے۔ مگر جس شان کے ساتھ ان کا جنازہ اٹھایا گیا وہ ہندو مسلم اتحاد کی دیوار کو اور زیادہ مضبوط اور پیوستہ کر دے گا۔ آپ جانتے ہیں کہ ہندو مسلم اتحاد کن اسباب کا نتیجہ ہے۔ مگر آج امریکہ کے ایک عربی اخبار میں کسی انگریزی پافرنچ اخبار کے مترجمہ مضمون میں یہ پڑھ کر بے اختیار ہنسی آئی کہ بالمشورہ نے ہندوستان میں مخصوص اغراض کی بنا پر ہندو مسلمانوں میں اتحاد پیدا کر دیا ہے۔ ۱۱ اگست کو کناٹ روس (لندن) میں تلک مہاراج کی تعزیت کا جلسہ تھا۔ چند انگریزوں کے علاوہ زیادہ تر ہندوستانی تھے۔ مقرروں میں مسلمان، ہندو سکھ عیسائی سب ہی تھے۔ ہندوستان کی آزادی کا مسئلہ تلک کے نام سے وابستہ ہے۔ اس لئے تقریروں میں لامحالہ اس کا ذکر آتا ہے۔ ہندوستانیوں میں سٹردو بے کی تقریر نہایت پر جوش تھی لیکن میرے لئے سب سے زیادہ باعث حیرت ایک انگریز خاتون مس ہوسن کی اور پارلیمنٹ کے ایک سابق ممبر سٹرجانسلر کی تقریر تھی۔ مس ہوسن نے تلک کی سیاسی روش کو ملک کی آزادی کا صحیح ذریعہ بتایا۔ سنا ہے کہ مس موصوفہ جنگ کے زمانے میں کسی ہندوستانی جماعت کے ساتھ ساز باز کرنے کے لئے شبہ کی نظر سے دیکھی جاتی تھیں۔ سٹرجانسلر نے ہندوستانیوں کو مخاطب کر کے بڑے جوش کے ساتھ کہا کہ ہم نے انگلستان میں اپنے حقوق لڑ کر حاصل کئے ہیں تم بھی لڑ ہی کر حاصل کر سکتے ہو۔ آپ نے سنا ہو گا کہ آج کل آرلینڈ کے مسئلہ کے سلسلہ میں ایک ڈاکٹر مینکس پیدا ہوئے ہیں یہ آئرش ہیں لیکن آسٹریلیا میں سکونت پذیر ہیں اور وہاں کے کینسہ کے آرتھ لیشپ ہیں۔ انھوں نے آسٹریلیا میں جمہور کی طرف اسی میں ارباب

۱۷ اس وقت آرلینڈ اپنی آزادی کے لئے انگلستان سے لڑ رہا تھا اور آرلینڈ کے لیڈر گرفتار کر کے انگلستان لائے جا رہے تھے۔ ۱۲

قوت کو شکست دی، ابھی امریکہ گئے تو آئرش لوگوں نے ان کا بڑا خیر مقدم کیا اور ایک شدید ہنگامہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔ اب وہ آئرلینڈ کے لئے امریکہ سے روانہ ہوئے تو تمام انگلینڈ میں تہلکہ مچ گیا۔ ایوان حکومت سے احکام جاری ہوئے کہ یہ آئرلینڈ نہ جانے پائیں، لیورپول جہاں یہ جہاز لنگر انداز ہونے والا تھا وہاں کی آئرش آبادی نے ان کے استقبال کا بڑا انتظام کیا۔ لیکن وہاں کی پولیس نے اس انتظام کے ساتھ امن و امان قائم رکھنے سے انکار کر دیا۔ بالآخر ایک انگریزی کورنر بھیجا گیا، جو جہاز مذکور کی نگہبانی کرے اور آئرش لشیپ صاحب کو لے کر کسی ایسے بندرگاہ پر چپ چاپ اتار دے کہ آئرش لوگوں کو خبر نہ ہونے پائے۔ بالآخر ڈاکٹر مینکس کہیں چپکے سے آئر کر لندن پہنچے ہیں۔ اب انھیں یہ حکم ہے کہ لیورپول اور مانچسٹر وغیرہ مقامات میں داخل نہ ہوں۔ اس پر آئرلینڈ اور انگلینڈ کی لیمبر پارلی کی طرف سے ایک عظیم الشان جلسہ اور جلوس ایک مشہور میدان میں جمع ہوا۔ بڑا مجمع تھا، تین چار مقاموں پر مقرر تقریریں کر رہے تھے۔ خود آئرش لیڈر بھی مقرروں میں تھے۔ آئرلینڈ کی آزادی کے ساتھ کسی کی زبان سے ہندوستان اور مصر کا نام بھی نکل جاتا تھا، چرچل لائٹ جارج اور بونر لاپرنفرین اور ملامت کی آدائیں بلند تھیں، ان کو اصرار تھا کہ آئرش لشیپ مینکس کو ہم آئرلینڈ لے جا کر ہی چھوڑیں گے۔ تقریریں اس قدر دلیرانہ اور بے باکانہ تھیں کہ اگر ان کی آدھی بھی ہندوستان میں کی جائیں تو لٹلٹل سے زیادہ سخت کوئی اور ہل پاس کرنا پڑے گا۔ یا جزل ڈائر کا مارشل لا تمام ہندوستان میں جاری کرنا پڑے گا۔

میں بھی یہ تماشا دیکھنے گیا تھا، عورت، مرد، بوڑھے، جوان سب پر آزادی کا ایک نشہ چھایا ہوا تھا۔ سوالیہ فقرہ پر ان کی زباؤں سے جو جوابات نکل رہے تھے وہ بتاتے تھے کہ آزادی کا ولولہ کیا چیز ہے۔ بوڑھوں اور عورتوں

کی زبان سے جوش کے جو فقرے نکل رہے تھے وہ ہندوستان کے جوانوں کے منہ سے بھی نہیں نکل سکتے۔ میرے قریب ایک بڑھا کھڑا تھا۔ اس نے پوچھا کہ تم یہاں کیسے آئے؟ کیا تم کو بھی آر لینڈ سے تعلق ہے؟ میں نے کہا آر لینڈ سے نہیں، برٹش امپائر سے تعلق ہے اس نے کہا برٹش امپائر! برٹش امپائر! اس کا وجود بھی کہیں ہے؟ دوسرے نے پوچھا کہ تمہارے ہندوستان میں بھی کبھی یہ جلوے نظر آتے ہیں؟ میں نے کہا اکثر۔ مگر دل میں کہا کہ میں جھوٹ تو نہیں بول رہا ہوں۔ مزے کی بات یہ تھی کہ ایک ریزولیشن تھا جس میں حکومت کے اس طرز سیاست پر اعتراض تھا۔ مجمع کے اندر سے ہمارے ایک ہندوستانی بھائی نے خود بخود کھڑے ہو کر ہندوستان کی طرف سے تائید کر دی، مجمع نے بڑی خوشی سے اس دخل در محقولات کا استقبال کیا اور چیخ مچا دی۔

آخر میں ایک صاحب نے میرے لباس کو تعجب کی نگاہ سے دیکھ کر پوچھا کہ کہاں سے آتے ہو؟ میں نے کہا غلاموں کے ملک سے! اُس نے کہا ہندوستان! میں نے دل میں کہا کہ اللہ اکبر! ہمارا وطن اپنی غلامی میں اس قدر شہرہ آفاق ہے کہ لوگ اس کی حقیقت کو اس مجاز کے پردہ میں بھی سمجھ جاتے ہیں۔ ایک اور نے پوچھا کہ ہندوستان میں بھی ایسے جلسے ہوتے ہیں؟ میں نے کہا اگر نہیں ہوتے تو کل ہوں گے۔ ایک مقرر نے لندن کی دولت و حشمت سے معمور تجارت خانوں اور ایوانوں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ دولت جو لندن میں نہیں سما سکتی کہاں سے آئی ہے؟ پھر خود ہی جواب دیا، آر لینڈ، مصر اور ہندوستان کے فیروں کی جھولیوں سے! ولینٹی سے علاج کر آ یا ہوں۔ مگر تندرستی حاصل نہیں ہوئی۔ اب ہند ہی میں ہو گا۔ قصہ زمیں بر سر زمیں۔

والسلام

۶۶۔ لندن ۱۹ اگست ۱۹۲۰ء

ع

عَمَّ مَكْرَم، السلام علیکم !

پچھلے ہفتہ حاضر نہ ہو سکا کہ عین اسی دن پیرس سے لندن تک کا سفر تھا مگر آپ کو بدگمانی ہوگی کہ چونکہ ”مرکز التفات“ دلیہ سے ہٹ چکا ہے۔ اس لئے ادھر تو جہ نہ رہی۔ جناب والا، اس تماشازار میں جہاں نظر و التفات کے اتنے مرکز برسرِ راہ ہیں، اگر میرا ایک ”مرکز التفات“ بدل نہ مکا تو کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ دیرانہ ہند میں ایک چند ماہہ محبت، ایک دائمی و دیرینہ زنجیرِ تعلق کو کبھی شکستہ کر سکتی ہے؟

ہمہ شہر پُرِ ذوقِ باں منم و خیال ہے ”چکنم کہ چشم بد میں نہ کند بہ کس نگاہے“
بہر حال اس بدگمانی کے دفتر کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہی کئے دیتا ہوں۔
یعنی اس خاکدانِ یورپ کو چھوڑ کر اب کشورِ ہندوستان کی راہ لیتا ہوں۔ ط
بشہرِ خودِ روم و شہرِ یارِ خودِ باشم

۱۰ ستمبر سے وینس سے کرو کو بیا جہاز روانہ ہوگا۔ اسی پرشتوں کا بند و بست کیا گیا ہے۔ پہلے تو یہ طے تھا کہ پورا وفد ہندوستان کو مراجعت کرے گا لیکن چند روز ہوئے کہ سنٹرل خلافت کمیٹی کا تار آیا کہ مولانا عبدالباقی، مہاتما گاندھی، سیٹھ چھوٹی اور دوسرے احباب کی رائے ہے کہ ایک مہینہ کے لئے امریکہ بھی جانا چاہیے، لیکن ارکان وفد میں اس سفر کے مفید و غیر مفید ہونے میں اختلاف ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ اب تک امریکہ میں مسلمانوں کی خواہش اور ان کے صحیح و متفقانہ مطالبہ کی تفصیل نہیں کی گئی۔ جو کچھ وہاں کے لوگوں کو معلوم ہوا وہ ہماری زبان و قلم سے نہیں بلکہ دشمنوں کے۔ اور ظاہر ہے کہ اس سینما کو انھوں نے کس حد تک نامنصفانہ بلکہ وحشیانہ کر کے دکھایا ہوگا۔

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ ٹرکی کے موجودہ معاملہ پر اس سفر

کا کوئی فوری اثر پڑنے والا نہیں ہے۔ اس لئے میں نے یہ مشورہ دیا کہ ہم میں سے صرف دو آدمی امریکہ اور ایک دو مہینہ کے لئے ہو آئیں یعنی سید حسین اور محمد علی صاحب، بقیہ ارکان فقیر سید سلیمان، آنریبل ابو القاسم اور شیخ مشیر حسین صاحب کو ہندوستان واپس جانا چاہئے۔ اصل کام ہندوستان میں ہے۔ اگر ان چھ سات مہینوں کی دوڑ دھوپ اور شہر شہر کو چہ گردی کا کوئی مفید تجربہ مجھے حاصل ہوا ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ دنیا کی آزادی ہندوستان کی آزادی پر موقوف ہے۔ خلافت عراق، شام، ترکی، عرب سب کا مقصد صرف ہندوستان کا مقصد پورا ہونے سے تکمیل کو پہنچ سکتا ہے۔

اس دفعہ پیرس میں آذربائیجان کے ایک ممبر (مفتی زادوف) سے ملاقات ہوئی۔ فارسی عمدہ اور صاف بولتے تھے، ان سے کچھ حالات معلوم ہوئے۔ موجودہ آذربائیجان میں ۵۰ لاکھ کی آبادی ہے۔ جمہوریہ نے دو برس میں نہایت کامیابی سے اپنے فرائض انجام دیئے۔ پچاس ہزار فوج بھی تیار کر لی۔ تعلیم پہلے بھی وہاں تھی۔ اور اب اور زیادہ ترقی ہوئی، اخبارات، مطابع، انجمنیں، مدارس، لڑکیوں کے اسکول سب قائم ہیں۔ لیکن سیاسی پچیدگیاں پیدا ہیں۔ جس طرح ہر جگہ سیاسی فرقہ آرائیاں ہیں وہاں بھی چند پولیٹیکل پارٹیاں ہیں۔ ایک ”فرقہ مسادات“ ہے اور دوسرا ”فرقہ اتحاد“۔ ایک یہ چاہتا ہے کہ روسی بالشویت کے زیر سایہ انہی کے اصول پر حکومت کرے۔ دوسرا یہ چاہتا ہے کہ اتحادیوں پر بھروسہ کیا جائے اور روس سے الگ ہو کر انگریزوں کی اعانت کی پناہ ڈھونڈھی جائے۔ آذربائیجان کا محل وقوع ایسا ہے کہ وہ ہر حیثیت سے نہایت اہم ہے۔ یہی بیچ کا وہ نقطہ ہے جہاں ایران، ترکی و روس سب آکر ملتے ہیں۔ اس کے یہاں تیل کے چشتے دوست دشمن سب کی نظروں میں عزیز ہیں۔ اس لئے روس اور اتحادی دونوں اس کی تاک میں ہیں۔ آذربائیجان گویا اس وقت دو قوتوں کی کشمکش میں ہے

اب جا کر مجھ پر گرہیں کھلتی ہیں کہ کیوں اتحادیوں نے اس غیر معمولی عجلت و مہربانی کے ساتھ تمام روسی ریاستوں کو چھوڑ کر صرف آذربائیجان کے استقلال کو ورسیلز کے عہد نامہ میں تسلیم کر لیا، جس کے لئے میں نے یہ بھی معتبر ذرائع سے سنا کہ ہربائی نس آغا خان کی کوششیں بھی کام میں لائی گئیں۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ اس ملک کو آزاد تسلیم کر کے اور اس کو اپنے قابو میں لا کر اس کے تیل کے چشموں پر قبضہ کر لیا جائے۔ یورپ کو ہر چیز میں تجارت ہی تجارت اور بنیاد ہی بنیاد بنی نظر آتا ہے۔ جس طرح کہتے ہیں کہ ایشیا کے صوفیوں کو ہر جگہ خدا ہی خدا نظر آتا ہے۔ آذربائیجان کی خود مختاری کی تسلیم کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ اگر یہ پگڈنڈی ہاتھ میں آگئی تو ترکی اور بالشویت کا تعلق منقطع ہو جائے گا اور دوسرے مشرقی ملکوں میں بالشوازم کے نفوذ کا راستہ بند ہو جائے گا۔ بہر حال ایک سال سے زیادہ مدت تک اتحادی اپنے مقصد میں کامیاب رہے۔ اب آپ نے پچھلے اخبارات میں یہ پڑھا ہو گا کہ بالشویت آذربائیجان پر مسلط ہو گئے۔ باکو کو اپنے ہاتھ میں لے لیا جو آذربائیجان کا دارالامارہ اور تیل کے چشموں کا خزانہ ہے۔ اور بعض وزراء کو معزول کر دیا اور بعض کو قید یا موت کی سزائیں دیں اور بہت سے انگریزوں کو گرفتار کر لیا۔

مفتی زادوف خود بالشویت سے بہت نالاں تھے۔ اور بار بار کہتے تھے کہ ”باباچہ میگوئی روس ہاں روس است کہ می دانی بالشویک نام دیگرست، برائے ہاں شہنشاہی روس“ وہ اس غرض سے یورپ آئے تھے کہ بالشویکوں کو آذربائیجان سے نکلانے کے لئے انگلینڈ اور فرانس کی مدد حاصل کریں۔ وہ ہم لوگوں کو بھی رعایا کے برطانیہ ہونے کی حیثیت سے کام میں لانا چاہتے تھے مگر آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ بالکل خلاف مصلحت تھا اور یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ کس کے نائب ہیں۔ چنانچہ ہم نے اس میں پڑنے سے صاف انکار کیا، ایک حد تک

وہ ہم سے ناراض ہو کر اُٹھے، وہ کہتے تھے کہ ”اگر انگریزوں سے کہہ کر تم ہم کو بچا لو تو ہم پورے ایران کو بچا سکتے ہیں۔“ ہم نے کہا، ”اگر انگریز ہمارا کہنا اس طرح سن لیا کرتے تو ہم سب سے پہلے ٹرکی کو نہ بچاتے؟“ آپ کو یہ سن کر تعجب ہو گا کہ اکثر اسلامی ملکوں کے مسلمان اپنے تمام معاملات میں ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنا امام سمجھتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ ان کی نجات ہمارے ہی ہاتھوں سے ہو سکتی ہے۔ لیکن آہ کہ ان سے کیوں کر کہوں،

عالم ہمہ افسانہ مادر دوما، بیچ،

اس ہفتہ کے بعد شاید ایک آدھ خط اور لکھ سکوں، آپ کا جواب تو اب بمبئی خلافت کے دفتر میں مل سکتا ہے۔ والسلام

۶۷ لندن ۲۵ اگست ۱۹۲۰ء

عزیز مسلمہ

اظ

تمہارا خط ملا، خوشی ہوئی کہ رنگون اپنے حوصلے کے مطابق اس مسئلہ خلافت میں کام لے رہا ہے۔ اب مسلمانوں کا معاملہ ایسا نہیں ہے کہ کچھ دنوں کے شور و غوغا کے بعد پھر وہ محو خواب شیریں ہو جائیں۔ اب ان کو اس وقت تک سونا حرام ہے۔ جب تک موت کا سکون ان کو آخری نیند نہ سلا دے۔ آپ لوگ باسفورس کے ساحل پر بوڑھے اسلام کا مرقد دیکھ رہے ہیں۔ اور میں دنیا کے پہنائے ارض میں نو جوان اسلام کا گہوارہ دیکھ رہا ہوں، اور اشارہ سے بتانا ہوں کہ اوروں کو بھی نظر آئے۔

یورپ کے شش ماہہ تجربہ اور مسلمانانِ عالم سے مبادلہ خیالات کے بعد مجھے نظر آتا ہے کہ ہمارے لئے کام کے تین طریقے ہیں، اتحاد اسلامی، اتحاد شرقی، اتحاد قومی۔ پہلا اور دوسرا طریقہ وہ ہے جن کا یورپ اپنی قوت بھر سخت سے

سخت مقابلہ کرے گا۔ اور ان کو ناکام بنانے میں پوری کوشش کرے گا۔ اگر مسلمان اس کے لئے تیار ہوں تو اس میں شک نہیں کہ اسلام بحیثیت مذہب اور قومیت کے پوری قوت اور زور سے اس طرح زندہ ہوگا لیکن یہ راہ نہایت سنگلاخ اور مشکلات سے معمور ہے۔ دوسرا راستہ قومیت کا ہے۔ یعنی ہندوستان کے لوگ ہندوستان کی، ایران والے ایران کی، اہل مصر، مصر کی (دعویٰ ہذا) آزادی کی کوشش کریں۔ یہ راستہ آسان اور جلد کامیاب ہونے والا ہے۔ سبب یہ ہے کہ یورپ اور امریکہ کے آزاد خیال، قومیت کے اصول پر ایمان رکھتے ہیں اور خصوصاً موجودہ جنگ کے ہنگامے نے اس آواز کو اور زیادہ پُر شور بنا دیا ہے۔ عالم اسلامی کو بہ ہیئت مجموعی عالم اسلامی یورپ کی کوئی قوم مدد نہ دے گی۔ کیونکہ ان میں کوئی نہ کوئی کسی نہ کسی اسلامی ملک میں حرص و طمع رکھتی ہے۔ لیکن اگر مسلمان قومیت کے اصول پر کام شروع کریں تو ہر ایک اسلامی قوم کو علاوہ یورپین قوم کے جس کی حرص و طمع کے وہ ہدف و نشانہ ہیں۔ دوسری یورپین قوموں سے اور خصوصاً امریکہ سے بڑی مدد ملے گی۔ یہ خیال تفصیل کا طالب ہے۔ انشاء اللہ اس کو وضاحت کے ساتھ ہندوستان کے مسلمانوں کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ بہر حال میرا ایمان و عقیدہ اب یہ ہے کہ ہندوستان کی آزادی دنیا کی آزادی ہے۔ کجہ آزاد کرانا ہے تو ہندوستان آزاد کرادے۔

یکم ستمبر کو ہمارا وفد لندن چھوڑے گا۔ اور ایک ہفتہ فرانس، سوئٹزرلینڈ اور اٹلی میں ضروری امور کو انجام دے کر ۱۰ ستمبر کو وینس یا بزنڈزی سے جہاز پر سوار ہوگا اور شاید یکم اکتوبر کو بمبئی کے سوا حل پر لنگر انداز ہو۔

۶۸ لندن ۲۶ اگست ۱۹۲۰ء

برادر عزیز، سلامِ محبت، یورپ کے براعظم سے شاید یہ میرا آخری خط ہے۔
 ہے۔ آج ۲۶ ہے، ۳۱ اگست کو یا یکم ستمبر کو لندن سے روانہ ہونا ہے۔ چند روزوں
 کا توقف راستہ میں ہوگا۔ اور جیسا کہ پہلے لکھا ہے، ستمبر کو وینس سے جہاز پر ہم لوگ
 سوار ہوں گے۔ ۲۰ دن کا غالباً سفر ہوگا اور یکم اکتوبر تک بمبئی کا ساحل نظر آئے گا۔
 میری تمنا تو یہ ہے کہ آپ بمبئی آئیں۔ میں تو، ہزار میل سے آپ سے ملنے کی تکلیف
 گوارا کروں قیامت ہوگی۔ اگر آپ چند سو میل پیشوائی کے لئے نہ آئیں، دفتر
 خلافت میں قیام کیجئے۔ میرا یہ خط شاید میرے پہنچنے سے ایک ہفتہ پہلے آپ
 تک پہنچے۔

www.KitaboSunnat.com

اب سفر کے آخری ایام میں آپ سے کوئی لمبی اور طول طویل گفتگو کرنا
 نہیں ہے۔ خاتمہِ مباحثہ یہ ہے کہ اب جو کچھ کرنا ہے ہندوستان ہی کی سرزمین
 میں کرنا ہے۔ یورپ کے مختلف ملکوں میں چھ مہینے کا سفر، وزراءِ حکومت
 سے ملاقات، اربابِ سیاست سے مباحثہ، اسلامی ملکوں کے حالات سے
 واقفیت، عالمگیر اخباروں کے ایڈیٹروں سے گفتگو، اس ملک کے چھوٹے
 بڑے سیاسی نظامات کا مشاہدہ، یورپ کے خصائصِ نفسی پر اطلاع، اور موجودہ
 قوموں کے حصولِ آزادی کے طریق پر آگاہی اگر ہم کو کسی نتیجہ تک پہنچا سکتی ہے
 تو وہ یہ ہے کہ ہندوستان اور فقط ہندوستان ہی ہماری کوششوں کا مرکز
 اور کامیابیوں کا گھر ہے۔ یقین کیجئے کہ نہ صرف مشرق بلکہ مغرب کے بھی
 اکثر سبب سے، ہندوستان کی خوشحالی و شادمانی کے زمانے کے دل سے منتظر ہیں۔
 کفر کی قوت ہندوستان ہی کی سرزمین سے پرورش پا رہی ہے۔ اس لئے
 اگر کلمہ حق کے دست و بازو کو مضبوط دیکھنا ہے تو اس کے زور و قوت کی

پیرورش گاہ کو اس کی ملکیت میں دو۔ انگریزوں نے ملک کو جو فائدہ پہنچایا ہے اور ملک نے جو فائدہ اٹھایا ہے، دونوں دنیا کے سامنے ہیں۔ ملک کا آئندہ نظام انگریزی نوآبادیوں کی طرح ہو۔ جو کانگریس کا نصب العین ہے۔ میں اس سے زیادہ مسلم لیگ کے ان الفاظ کے اعلیٰ تر معنی کو پسند کرتا ہوں کہ ہندوستان کا آئندہ نظام حکومت، ہندوستان کے مناسب حال قائم کیا جائے۔ ہندوستان کے مناسب حال کیا ہے؟ آج اس کا فیصلہ ہر صحیح الدماغ کر سکتا ہے اور خصوصاً مسلمان !!

مسلمان خود ہندوستان کی پالیٹکس سے نصف صدی تک الگ رہے اور بے فائدہ۔ ہندوستان سے باہر کوہِ دیبا بان، بحرِ بر اور صحرا و ریگستان میں آوارہ پھرتے رہے، حالانکہ منزلِ مقصود خود ان کا گھر تھا۔ اگر ان کے ہاتھ خود ان کے گھر میں مضبوط ہوتے تو گھر سے باہر بھی ان کی آواز کی قوت ہوتی۔ آپ نہیں سمجھ سکتے کہ ہندوستان اور ہندوستانی ہونا، ہندوستان سے باہر کس ذلت آمیز تخیل کو پیدا کرتا ہے۔ اس ذلت آمیز تخیل کے ساتھ بڑے سے بڑا دعویٰ جو اس کے منہ سے نکلتا ہے وہ اس کے منہ پر کہاں تک کھلتا ہے لوگ ہم سے کہتے ہیں اور ہم شرمندگی سے اس کا جواب نہیں دے سکتے کہ تم جو اس زور و قوت کے دعوے کے ساتھ دنیا کی دوسری قوموں کو آزاد کرانا چاہتے ہو، پہلے خود تم تو آزاد بن لو کیونکہ تم جن کو آزاد دیکھنا چاہتے ہو ان کی گرفتاری کے حقیقی سبب بھی تو تم ہی ہو جو خود تمہاری تلواروں کا مقتول ہے اس کے سر ہانے تم اب ماتم کیوں کرتے ہو؟

اس جنگِ عظیم کے بعد قومی آزادی کی جولہ تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے، جیف ہے اگر ہندوستان اس سے متاثر نہ ہو۔ میرا خیال ہے کہ اگر آج

ہندوستان اپنی آزادی کی آواز بلند کرے تو متمدن ممالک کے بے غرض افراد اور جماعتیں اس کی آواز سننے کو تیار ہیں، سلف ڈیٹر مینشن اگر دنیا کی ضعیف قوموں کے لئے نعمت ہے تو یہ نعمت ہندوستان کے لئے بھی کیوں نہیں ہے۔ بشرطیکہ وہ اپنی پوری قوت سے اپنی خواہش اور آرزو کو پیش کرے، ورنہ اس کی خاموشی اور سکوت کو ان معنوں میں پیش کیا جا رہا ہے کہ وہ آزادی کا متمنی نہیں، بلکہ موجودہ نظام حکومت کو وہ بہتر سمجھتا ہے اور اسی پر وہ قانع اور صابر ہے۔ یہ نہ صرف دنیا کی اور قوموں کو باور کرایا جاتا ہے بلکہ خود انگلستان کی نیک نیت جماعتوں اور افراد کو باور کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اور ہماری خاموشی سے ان کو یہ باور ہے، بس اب مسلمانوں کا سارا زور اسی پر صرف ہونا چاہیئے۔

انشاء اللہ ایک مہینہ بعد بمبئی میں ملاقات ہوگی۔ رخصت!

مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی کے نام:

۶۹ لندن، ۲۶ اگست ۱۹۲۰ء

مخدوم اجل، السلام علیکم!

آپ کو معلوم ہو گا کہ اب وفدِ خلافت ہندوستان واپس آرہا ہے ہم لوگ یکم ستمبر کو لندن سے روانہ ہوں گے اور اکتوبر کو وینس میں جہاز پر سوار ہوں گے، آغاز سفر سے اس وقت تک میں نے خدمت مبارک میں متعدد خطوط لکھے جن میں سفر کے مقاصد اور وفد کی کوششوں کے نتائج مندرجہ تھے۔ وفدِ خلافت کا کوئی رکن خود اپنے منہ سے تو کچھ نہیں کہہ سکتا۔

اور نہ وہ اپنے کارناموں پر خود تبصرہ کرے گا۔ لیکن چونکہ درحقیقت اس وفد میں میری شرکت محمد علی اور سید حسین کی سی نہیں ہے۔ اس لئے میری شہادت ایک حد تک ناظر و مدارانہ کہی جاسکتی ہے۔ چنانچہ میں یہ عرض کرتا ہوں کہ مسئلہ خلافت کا آخری پہلو خواہ کچھ ہو وفد خلافت نے اپنی کوششوں کو اس انسانی حد استطاعت تک پہنچا دیا۔ جس سے زیادہ ناممکن ہے اور ضمنی طور سے اس سے ممالک سلامیہ کے رُوح و معنی کو وہ فوائد پہنچے ہیں جن کا تخیل بھی ہمارے ہم وطن اور ہم مذہب نہیں کر سکتے۔ فَقَشِي مِنَ الْيَمِّ مَا عَشِي۔

خاتمہ مباحث کے طور پر سفرِ یورپ کے خاتمے پر میں اپنا سیاسی ایمان و عقیدہ اب آپ کے سامنے اور آپ کے ذریعہ سے تمام مسلمانوں کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ ہم مسلمانوں نے تقریباً اپنی عمر کی نصف صدی اس طرح بسر کی کہ ہندوستان کی پالیٹکس سے عملاً کوئی غرض و مقصد نہیں رکھا، اور آوارہ و سرگرداں افریقہ اور ایشیا کے صحراؤں اور بیابانوں میں سرتارتے پھرے۔ ہماری مثال بالکل ایسی تھی کہ ہمارے ہی گھر سے کھڑے ہو کر ہمارے دشمن ہمارے ان بھائیوں پر تیر بھار ہے تھے جو ہمارے گھر سے باہر اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے تھے ہم ان کو بچانا چاہتے تھے تو اس طرح کہ اپنے گھروں سے نکل نکل کر دیوانہ دار اپنے بھائیوں کے گھروں کی طرف دوڑتے تھے اور ان کی چپتوں پر کھڑے ہو کر دشمنوں کو کبھی زبردست ہمدرد سے اور کبھی وطن طرز سے اور کبھی تعلق و خوشامد سے، اس فعل سے روکتے تھے۔ کیا یہ حماقت نہیں؟

اگر یورپ کے چھ مہینے کا سفر، وزراء سے ملاقاتیں، ارکان سیاست سے مباحثے، پولیٹکل مجلسوں کی شرکت، عالمگیر اثر و اقتدار کے اخبارات کے

ایڈیٹروں سے گفتگو، ممالک اسلامیہ کے حالات پر اطلاع، یورپ کے سیاسی نظامات پر عبور اور موجودہ دنیا کی رفتار سے آگاہی، کوئی تسلی بخش یقین اور اطمینان قلب میں پیدا کر سکتی ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر ہم کعبہ اور مرقدا خضر آزاد کرانا چاہتے ہیں تو ہم کو ہندوستان کو آزاد کرانا چاہیے۔ اب ہندوستان کی آئینی آزادی میں سعی و کوشش صرف دنیاوی مسئلہ نہیں بلکہ دینی فرض اور مذہبی حق ہے۔ اب علمائے کرام کو نہ صرف درس و افتار کی خدمات انجام دینا چاہیے بلکہ ان کو صحیح راستے سے مسلمانوں کو وہ سمجھانا چاہیے جس سے ان کا ملک، ان کا ملک ہو، اب کانگریس اور مسلم لیگ صرف چند و کلار اور پیشہ وراہل سیاست کی جولان گاہ نہ ہوگی۔ بلکہ تمام مسلمان اپنے پورے مذہبی اور دینی غیرت، حمیت کے ساتھ اس مقدس کام کے لئے آمادہ ہو جائیں گے اور اس وقت تک آرام نہ لیں گے جب تک وہ خود اپنے ملک میں آزاد نہ ہو جائیں گے واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والسلام علی من اتبع الهدی۔

والسلام،

تبصرہ بر مکتوب بالا از مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی :-

مولانا نے وفد خلافت کی خدمات کا جو ذکر کیا ہے، ہر واقعہ اس کو تسلیم کرتا ہے میں تو صرف جزاہم عناد عن المسلمین خیر الجناء پر اکتفا کرتا ہوں، اس کے علاوہ جس قدر شنا خوانی ہو وہ ان خدمات کے مقابل، پیش ہے۔ مولانا نے سیاسی عقیدہ قائم کیا ہے الحمد للہ کہ علمائے کرام نے اس پر پہلے ہی سے عمل درآمد شروع کر دیا ہے، اپنے گوشہ عزلت سے نکل کھڑے ہوئے۔ ملکی و سیاسی مجالس کی شرکت سے اغماض نہیں کرتے ہیں۔ مسلم لیگ میں تو

چند سال سے رونقِ ملتِ علماء کی ذاتِ مقدس سے ہے۔ سال گزشتہ میں نے بحیثیت ایک خادمِ علم کے کانگریس میں شرکت کی۔ اور اس مرتبہ کلکتہ میں تو جس طرح بے لوث شرکتِ علمائے کرام نے کی ہے اس کو سن کر مولانا سید سلیمان صاحب ضرور مسرور ہوں گے اسی طرح علمائے کرام نے آزادیِ ہندوستان کا بھی سبق دینا شروع کر دیا ہے۔ اول اول **اِنْ اَلْحُكْمُ لَآ لِلّٰہِ** کی آواز نے ایوانِ استبداد کو جنبشِ ویدی۔ اس کے بعد وزیرِ ہند کے مقابل کہا گیا کہ اگر جذباتِ اسلامیہ کا لحاظ نہ رکھا گیا تو بنائے اٹا یعنی مذہبی آزادی متزلزل ہو جائے گی۔ اس کے بعد کانپور کے خطبہٴ صدارت میں اس کی توضیح کی گئی۔ میں نے عرض کیا کہ ہم خلافت کے تحفظ کی ضرورت سے ہندوستان کی آزادی کو اب تک فرضِ اسلامی سمجھتے ہیں، اس پر (صاد) اعلانِ آزادی کی تحریک سے کر دیا گیا جس کو میں علماء کی جسارت اور ہمت سمجھتا ہوں، مجھے خود تا مل تھا، مگر یہ (صاد) نہ تھا بلکہ فتویٰ ہو گیا اور کلکتہ کانگریس سے اس پر علمِ رآمد شروع ہو گیا، مولانا سلیمان صاحب ان حالات کو ملاحظہ کر کے بہت خوش ہوں گے اور مولانائے موصوف کے تجرباتِ سیاسیہ سے گروہِ علماء اپنی آراء گرامی کو تقویت دیں گے۔

اللہ تعالیٰ کو جب کوئی امر کرنا ہوتا ہے تو اسباب مہیا کر دیتا ہے۔ میں نے جن امور کا ارادہ کیا تھا ان میں سے ایک اس امر کی تحریک بھی تھی، نتیجہ سے ناواقف تھا۔ خدا نے اس کو بخیر و خوبی

پورا کر دیا۔ مجھے غالباً اب بہت کم ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ اپنے مشاغل کو ترک کر دوں، اس واسطے کہ جس قدر امور میری فکر میں تھے، وہ سب وقوع میں آ گئے۔

میں مدینہ طیبہ سے واپس کیا گیا تھا کہ خدا مجھ سے اپنا کام لے گا میں حیران تھا کہ میرا جیسا نا کارہ کیا کام کر سکتا ہے، مگر یہ منت منت منہ کہ خدمتِ سلطان ہمیں کئی منت شمار ازو کہ بخد مت بداشت

پہلا کام یہ تھا کہ انگریزی تعلیم یافتہ و علماء کے تفرقہ کی خلیج دور ہو۔ اس کو یونیورسٹی کی شرط سے پاٹنا شروع کیا اور خدام کعبہ اور خلافت کمیٹیوں نے اس کو ہموار و مستحکم کر دیا۔

میں نے ایک تحریک عام کرنا چاہی جس کے لئے وفد کی ارسال کرنے کی تجویز کی۔ مگر وقت نہ تھا۔ "اخوت" اخبار میں اس کی اشتعالیسی بے ڈھنگی طور سے ہوئی کہ ایسی ضروری تحریک مٹھکے خیز ہو گئی۔ مگر خدا نے تحریک ہجرت کے ضمن اس تحریک کو پورا کر دیا۔ اس وقت انا طولیہ اور جنیواد بخارا دور دراز مقامات پر ہمارے نمائندے پہنچ گئے۔ اگرچہ وفد کی صورت سے نہ ہوں، یہی مقصد ہجرت سے تھا۔ جو حاصل ہو گیا۔ نان کو اپریشین کی تحریک سے ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں، غرضیکہ جملہ منصوبے اللہ نے پورے کئے، اب سوائے اس کے کیا عرض کیا جائے، رَجَعْتُ مِنَ الْجِهَادِ إِلَى الْصُّخْرِ إِلَى الْجِهَادِ إِلَّا كِبَرًا، بہترین اخلاق کے علماء و کارکنوں کے حوالہ مسلمانوں کو کر کے ہم کنارہ کشی کرنے

کی فکریں ہیں اور مولانا سلیمان صاحب کے واپس آجانے سے ہم جماعت علماء میں نادرا اضافہ کر کے گوشۂ عافیت اور ترک اور تجرید کے خواہاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق خیر عطا فرمائے لیکن یہ ترک و تجرید جوگ نہیں ہے۔ بلکہ اسلام کے زیر ہدایت ہے جس کا اصل مقصد تقویٰ ہے اور تقویٰ میں تمام احکام الہیہ داخل ہیں، ترک موالات ہو یا ہجرت، مجاہدہ یا دفاع سب اس عزالت کے بہترین مقاصد ہیں۔ لہذا میری یہ خواہش اس کی مقتضی نہیں ہے کہ میں فرائض اسلامیہ میں سب مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رہوں۔ بلکہ پیش قدمی کرنا چاہیئے۔ والسلام۔ (فقیر محمد عبدالباری)۔

۲۷ فلارن، (ملک اٹلی) ۹ ستمبر ۱۹۲۷ء

منتظر دیدار کو سلام،

۴۷

جیسا لندن سے لکھ چکا تھا، ہمارا جہاز ۱۰ ستمبر کو چل کر اخیر ستمبر یا اوائل اکتوبر میں بمبئی پہنچ جاتا۔ اور اسی حساب سے یکم اکتوبر کو ہلوگ لندن سے روانہ ہو کر پروگرام کے مطابق سفر کر رہے تھے کہ کل میلانو (اٹلی) میں یکایک کوک کمپنی کے دفتر سے اطلاع ملی کہ ۱۰ ستمبر کو چلنے والا جہاز ملتوی ہو گیا، یہ خبر بجلی بن کر میرے صبر و تحمل کے خرمین پر گری۔ بہر حال اب یہ مشتبہ ہو گیا کہ تاریخ مذکور یا اس کے بعد کی کسی قریب تاریخ میں دانگی ہو سکے۔ ایک ہمسفر ہندی بھائی سے یہ اطلاع ملی ہے کہ ۵ دن بعد ۱۵ ستمبر کو ایک اور کمپنی کا جہاز ہندوستان جانے والا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو پھر گذشتہ پروگرام میں صرف پانچ دن کا ایر پھر ہو گا۔

اخبارات کی معرفت یہ پہلے سے معلوم تھا کہ امیر فیصلؒ یورپ آرہے ہیں، عزم قطعی تھا کہ حضرت کی زیارت سے مشرف ہوں، ہمارا راستہ بھی سارے یورپ کو طے کر کے نکلتا تھا، اس لئے یقین تھا کہ راہ میں کہیں نہ کہیں مٹ بھیڑ ہوگی۔ پہلے خیال تھا کہ سوئزرلینڈ شاید نقطہ اتصال ہو، لیکن یہ غلط نکلا اور آخر اٹلی آکر ان کے اسٹاف اور ہمارے وفد میں تصادم ہوا۔ یکم ستمبر کی صبح کو لندن سے روانہ ہو کر بجے شام کو پیرس پہنچے، دوسری اور تیسری سپس رہے۔ کیونکہ پیرس کی اسلامک فارمیشن بیورو اور ایکوڈی اسلام کا آخری انتظام کر جانا تھا، چنانچہ ان دونوں کو ڈاکٹر رشاد نہاد بے کے زیر اہتمام چھوڑا، اس کی شام کو وہاں سے چل کر ہم کو ۱۰ بجے کے قریب ملک سوئزرلینڈ کے قصبہ طریقے اور مانتر وپہنچے، یہ قصبہ ممالک اسلامیہ کے پناہ گزینوں کا مامن ہے، پورا ملک سوئزرلینڈ کو ہستانی ہے۔ ریل سے وہی مناظر نظر آتے ہیں جو بمبئی سے پونا تک آپ نے دیکھے ہیں۔ طریقے نہایت خوبصورت موقع پر واقع ہے۔ اس کے ایک طرف پہاڑی ہے جس کے دامن میں یہ آبادی ہے، دوسری طرف ایک چھوٹی سی نہر ہے اور اس کے بعد پھر کو ہستانی سلسلہ ہے نہر کے پنج میں ذرا سی خشکی ہے۔ اس پر کہیں خوبصورت باغ ہے۔ کہیں کوئی خوبصورت عمارت ہے، کہیں کوئی محض کچھ درخت ہے۔ ہم جیسے ہی یہاں کے اسٹیشن پر پہنچے، اسعد فواد اور ڈاکٹر بہجت دہی ہمارے استقبال کو موجود

۱۔ شریف حسین کے بڑے صاحبزادے جو آخر میں عراق کے بادشاہ ہوئے عربوں کی بغاوت کے اصل بانی تھے ۱۲۔ وفد خلافت کا فرخ اخبار "صدائے اسلام" ۱۳۔ ڈاکٹر صاحب چند سال ہوئے کہ ہندوستان آئے تھے ۱۴۔

تھے۔ اسعد فواد مشہور ترک جنرل فواد پاشا کے صاحبزادے ہیں۔ اور مصری خدیوی خاندان کی ایک شہزادی زریبا خانم کے شوہر ہیں، نہایت فیاض، نہایت متواضع، خلق مجتہم، میں نے یقیناً تمام عمر میں ایسا شریف اور فیاض آدمی نہیں دیکھا۔ ترکی کی صدارت ہائے عظمیٰ کے سکریٹری رہ چکے ہیں۔ زمانہ جنگ میں بھی صدر اعظم کے سکریٹری تھے، داماد فرید پاشا کے خوف سے بھاگ کر یہاں پناہ گزین ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر وہی مصری ہیں۔ مگر ترکی سلطنت میں عہدہ دار تھے۔ نہایت مسلمان آدمی اور یہاں کے مسلمان مہاجرین میں بغایت ہر دل عزیز ہیں۔ ان کے علاوہ فواد سلیم الحجازی ہیں، جو گو مصری ہیں مگر ان کا خاندان اپنے کو اس لئے اعزازاً حجازی کہتا ہے کہ ان کے باپ سلیم پاشا جب حجاز کے گورنر تھے۔ تو اسی زمانے میں نجد کے دہائیوں نے حجاز پر فوج کشی کی تھی، سلیم پاشا نے ان کو شکست دی۔ سلطان نے ان کو کوئی امتیازی خطاب دینا چاہا، تو سلیم پاشا نے عرض کیا کہ مجھے بس یہی اعزاز ہے کہ الحجازی کا لقب دیا جائے۔ چنانچہ جب سے یہ خاندان اپنے کو حجازی کہتا ہے۔ ایک اور مصری رئیس اسی زمانے میں آئے تھے، عبدالستار باسل پاشا، یہ مصری وطنیوں کے بدوی سرگروہ ہیں، وفد مصری میں بھی ساتھ تھے، ان سے پہلے بھی کئی دفعہ ملاقاتیں ہو چکی تھیں، ان کی تعریف صرف اسی قدر کافی ہے کہ سچا مسلمان آدمی ہے۔ اور استقلال مصر کی تاریخ میں اس کے کارنامے یاد رہیں گے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے ترک و مصری ارباب فکر یہاں جمع تھے، خلیل خالد بھی آگئے تھے۔ جن کو ہندوستان کے لوگ تو اچھی طرح جانتے ہوں گے کہ بلقان کے آخر زمانے میں یہ ممبئی میں ٹرکس کونسل تھے، ان سے پرس

میں بھی کئی ملاقاتیں ہو چکی ہیں۔ یہاں بھی ملاقاتیں رہیں۔ یہاں ٹھہرنے سے
 غرض ڈاکٹر وہی سے اپنا معائنہ کرانا بھی تھا۔ بہر حال ان بزرگوں کے تذکرے
 کو بہت دیکھ چکے ہیں مگر اس خط میں نہیں سلا سکتے۔ میزبانوں نے اس قدر
 مہمان نوازی کی کہ یورپ کی تاریخ میں تو نظیر نہیں مل سکے گی۔ کیونکہ یہ انداز
 مہمانی صرف مشرق کے لئے مخصوص ہے۔ تین دن ان کے ساتھ ملاقاتوں،
 مفید تذکروں اور نفع بخش تجویزوں میں صرف ہوئے، ۷ کی صبح کو ۱۱ بجے
 طریقے سے روانہ ہوئے اور اسی تاریخ کی شام کو میلان پہنچے، یہاں
 حسنی بے سے ملنا تھا۔ جو صدر ملت عثمانیہ اور تجارت کے رئیس تھے۔
 یہ بھی داماد فرید سے بھاگ کر یہاں آئے تھے اور کچھ تجارتی کاروبار
 کرتے تھے۔ ان کا خیال ہے کہ اب مسلمانوں کی نجات صرف ان کی اعتقادی
 ترقی پر مبنی ہے۔ حسنی بے کے ایک اور دوست تجارت میں ان کے شریک
 تھے۔ ان کے ساتھ وہ بھی ملنے آئے تھے۔ انہوں نے ذکر کیا کہ امیر فیصل
 چند روز پیشتر یہیں میلان میں تھے۔ اور اب یہاں سے کچھ دود ایک قصبہ
 میں مقیم ہیں۔ چنانچہ منزل مقصود قریب پا کر اسی وقت ان کو رات کے ۱۰ بجے
 ٹیلیفون دیا۔ وہاں سے اسی وقت جواب آیا کہ کل ۸ کو ۱۱ بجے ملاقات کا
 وقت ہے، دوسرے دن ۱۰ کے قریب روانہ ہوئے۔ موٹر سے سوا گھنٹہ کا راستہ
 تھا، سوا گیارہ کے قریب ان کے ہوٹل میں پہنچے۔ ان کی طرف سے امیر لطف اللہ
 ایک شامی عیسائی اور رستم حیدر ایک شامی مسلمان نے استقبال کیا اور
 ان کے کمرے میں لے گئے۔ کمرہ میں ان کے علاوہ نوری سید ایک فوجی فہر
 جن سے لندن میں اور رستم حیدر جن سے پیرس میں ملاقات ہو چکی تھی اور
 امیر فیصل کے چھوٹے بھائی زید تھے رسم ملاقات کے بعد میں نے

عربی میں ان سے گفتگو کی۔ طعن و طنز، ذکر ماضی، فتنہ حاضرہ، مصائب اسلام کے موضوع کے بعد یہ بحث چھڑی کہ

گذری جو گزرنی تھی اب چاہیے کیا کرنا

گفتگو میں بجائے جلالتہ الملک (نہر مجبٹی کنگ) کے دولۃ الامبر (رپنس) اور جلالتہ الملک حسین کے بجائے ہمیشہ شریف حسین کہتا رہا۔ یہ گویا اشارہ تھا کہ مسلمانان ہند نے تمہارے خطابات کو تسلیم نہیں کیا ہے انھوں نے کہا کہ میری نسبت، میری والدہ کی نسبت، میرے خاندان کی نسبت اور عموماً تمام عربوں کی نسبت ساری اسلامی دنیا اور خصوصاً ہندوستانی مسلمانوں میں بہت سے غلط خیالات پیدا اور بہت سے الزامات قائم ہیں۔ افسوس ہے کہ واقعات اس قدر پُر پیچ اور مخفی ہیں کہ فیصلہ مشکل ہے مگر وہ جب اعلان میں آجائیں گے تو ہم کو امید ہے کہ یہ تمام غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔ محمد علی صاحب نے ان کے سامنے بہت سی باتیں پیش کیں۔ خلافت کے مسئلہ کا ذکر کیا، بلادِ مقدسہ کے مستقبل کی گفتگو ہوئی جو گمان تھا وہ تحقیق کو پہنچا کہ ان سے انگریز اور فرالسیسی سیاسی چالبازوں نے اس قدر پر زور زبانی اور تحریری عہد و موافق کئے تھے کہ وہ مستقبل کو نہ سمجھ سکے۔ ان سیاسی کھلاڑیوں نے جس طرح مشرق کے ہر قومی خائن سے برتاؤ کیا ہے وہی ان کے ساتھ بھی کیا گیا۔ گو وہ اب بہت کچھ امیں دلاتے ہیں لیکن جس کو پہلے پر اعتبار نہیں وہ آئندہ پر کیوں کر اعتبار کر سکتا ہے فیصل کا لمبا قد ہے، لمبا منہ، چھوٹی چھوٹی ترشی ہوئی داڑھی، بڑی آنکھیں، مسکرا کر باتیں کرتے ہیں۔ بہر حال ڈیڑھ گھنٹے کی گفتگو اور مباحثہ کے بعد ہم لوگ واپس ہوئے۔ انھوں نے وعدے تو بہت کئے ہیں۔

کچھ متاثر بھی معلوم ہوتے تھے لیکن ہم میں سے کسی کو بھی ان کی گفتگو پر اعتبار نہیں۔ لیکن بہر حال یہ ملاقات مفید رہی اور اس وفد کا خاتمہ الاعمال بھی یہی ملاقات ہونا چاہیے تھا۔

وہاں سے واپس آکر جلدی جلدی ۹ بجے روم کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں بھی ملنے کے لائق احباب ہیں۔ راستہ میں ۱۲ گھنٹوں کے لئے بعض جگہ سے آج فلارن میں اتر گئے۔ اب شام کو روانہ ہونا ہے، یہ شہر گزشتہ تاریخ میں شاندار حکومتوں کا مرکز رہا ہے۔ فنون لطیفہ کا یہ گہوارہ ہے، سنگی مجسموں کا غذی تصویروں اور روغنی مرقعوں کے وہ گراں بہا نوادہ کا تاریخی مجموعہ۔ یہاں ہے کہ دنیا میں اس کی نظیر نہیں عظیم الشان سنگی عمارتوں میں یہ بے بہا تحائف زمانہ رکھے ہیں ان کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے انسانوں نے خدا کی صنعتوں کے مقابلے کا پورا عزم کر لیا تھا۔ آنکھوں نے جو نوادہ دیکھے خاتمہ خام کار ان کی صنعت کی تصویر نہیں کھینچ سکتا۔ تمام شہر سنگی مرقعوں سے معمور ہے۔

اب روانگی کا وقت قریب آگیا۔ اس لئے رخصت! دیکھنا یہ ہے کہ یہ خط پہلے پہنچتا ہے یا یہ مسافر اپنے وطن کے دیدار سے پہلے آنکھوں کو ٹھنڈا کرتا ہے۔

۲۷ نومبر، ۱۳ ستمبر ۱۹۲۰ء

بیم مکرم، السلام علیکم ورحمتہ اللہ،

گذشتہ نظام ادقات کے مطابق عجم ستمبر کو ہمارا قافلہ لندن سے تو روانہ ہوا اور اسی نشہ میں کہ اب سواد وطن سے آنکھیں جلد منور ہوں گی۔ فرانس کے سبزہ زار صحرا اور سوئزرلینڈ کے خشک کوہستان کو طے کر کے اٹل کے

تاریخی کھنڈروں میں پہنچ گیا۔ یہاں پہنچ کر ایک معلوم ہوا کہ کرا کو دیا جس پر ہم روانہ ہونے والے تھے ملتوی ہو گیا۔ اس خبر نے صبر و تحمل کے خرم پر بجلی گرا دی، اب خدا جانے کب روانگی کا سامان ہو۔ اور انتظار کی بقیہ گھڑیاں کس دیا پر غربت میں بسر ہوں۔ بہر حال اس سوءِ نجات کا اتنا اچھا نتیجہ ہوا کہ عجائب زار عالم سے ایک دفعہ اور کاغذی ٹیلیفون میں آپ سے باتیں کر سکا۔ پیرس حسب معمول وہی تھا جس کا نقشہ آپ بار بار ہمارے خطوں میں ملاحظہ کر چکے ہیں۔ یہ پورا عزم ہے کہ صلح کے ان شرائط کو مسلمان کبھی تسلیم نہیں کریں گے اور نہ وہ اس دائمی ذلت کو تاقیامت گوارا کریں گے اس لئے انگلستان اور فرانس میں جو اسلامک انفارمیشن بیورو قائم تھے۔ ان کو بھی جب تک بس چلے گا چلاتے رہیں گے۔ لندن کا کارخانہ مسٹر اصفہانی (ایک ہندوستان زاد ایرانی الاصل تاجر) اور شیخ مشیر حسین قدوائی کے ماتحت رہے گا اور پیرس کا اخبار ایکودی اسلام اور دفتر ڈاکٹر نہاد رشاد کے جن کا نام آپ بار بار سن چکے ہیں تحت میں رہے گا۔ پیرس میں اس انتظام سے فارغ ہو کر سوئزرلینڈ کے دامن کوہ میں ہم نے قدم رکھا۔ طریقے، مانترو اور لوٹان قریب قریب آباد ہیں۔ ان میں مصروفی کی بہت سے پناہ گزین مسلمان انتظار کی گھڑیاں بسر کر رہے ہیں۔ ان میں حسب ذیل اصحاب خاص ذکر کے لائق ہیں:-

۱۔ خلیل خالد بے، یہ پہلے انگلستان میں کسی یونیورسٹی میں پروفیسر تھے، ایک ٹرک کی ڈائری اور ہلال و صلیب وغیرہ کتابوں کے مصنف ہیں، ان کے ترجمے اردو میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔ اس زمانے میں بھی مسئلہ ترکی کے متعلق کئی رسالے لکھے ہیں، ایک رسالہ "برٹش لیبر پارٹی" کے نام سے لکھا ہے۔ جنگ بلقان کے آخر زمانے میں یہ ہندوستان میں ترکیش کونسل بھی تھے۔

متواضع اور خاکسار آدمی ہیں۔

۲۔ اسعد فواد، فواد پاشا مشہور ترک جنرل کے صاحبزادہ ہیں، نہایت ملنسار، مہمان نواز، فیاض، ان سے زیادہ ان کی بیوی زیبا خانم جو ایک مصری شہزادی ہیں بہمہ صفت موصوف ہیں۔ شہزادی سے اور ان کی بہن سے کئی دفعہ ملاقاتیں ہوئیں، روشن خیال ہیں اور جوش ملی رکھتی ہیں، انگریزی بھی بولتی ہیں لیکن فریخ تو ان کی زبان ثنائی ہو گئی ہے۔ لیکن یہ سن کر تعجب ہو گا کہ مصری شہزادی ہو کر عربی نہیں بول سکتیں۔ میں نے سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خدیوی ایوان و حرم میں ترکی بولی جاتی ہے۔ اور وہی اب تک ان کی مادری زبان ہے۔

۳۔ عزت پاشا، مصر کی نیشنلسٹ پارٹی کے ہیں، عربی عمدہ بولتے ہیں تعلیم ان کی اوکسفورڈ یا کیمز میں ہوئی ہے۔

۴۔ فواد سلیم بے یہ مصری ہیں، لیکن پچھلے دنوں ترکی کی طرف سے سوسنر لینڈ میں سیفرتھے۔ اتحاد اسلامی کے یہ پُر جوش حامی ہیں لیکن ان کی تجویز ہے کہ مسلمانوں کو سیاست اور دین کو الگ الگ کر کے کام کرنا چاہیے۔

۵۔ ڈاکٹر بہجت وہبی، انگلستان سے اعلیٰ طبی سندیں حاصل کی ہیں۔ ڈاکٹر انصاری کے لگ بھگ ہیں۔ بلقان میں ان کے ساتھ بھی ہلال احمر کے ڈاکٹر تھے۔ نہایت متواضع، دوسروں کے کام آنے والے اور رقیق القلب ہیں۔ اور بھی کئی اصحاب تھے جن کے نام یاد نہیں، ہاں ایک اور صاحب کرنل عزیز بے مصری سے بھی اتفاقاً ملاقات ہو گئی۔ بلقان کے زمانہ میں ان کے نام سے ہندوستان بھی آشنا ہو چکا ہے۔ کیونکہ یہ بھی ان جو انہر دیو میں تھے جو نہایت بہادری سے چھپ کر صحرا کی راہ سے طرابلس پہنچ

گئے تھے۔ ایک اور بزرگ علمی کمال بے سے شرف نیاز حاصل ہوا جو مصر کے عالم آثار عربیہ ہیں۔ ان کے نام سے میرے کان آشنا تھے۔ بیچارے ہمارے ہو کر تبدیل آب و ہوا کے لئے آئے ہیں مختلف مسائل علمیہ پر ان سے دیر تک گفتگو رہی، پردہ نسوان کے مسئلہ میں انھوں نے مجھ سے اتفاق رائے کیا۔ ملوک الرعاۃ یعنی قدیم عرب حکمران مصر کے نظریہ کو جس کو میں نے ارض القرآن میں لکھا ہے پسند کیا۔

میں اپنی داستان اب جلد جلد ختم کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ نظام سفر کے دہم برہم ہو جانے سے طبیعت کمزور رہے۔ سوئزر لینڈ سے چل کر امیر فیصل کی تلاش میں اٹلی کی خاک چھانی پڑی۔ وفد کا مصمم ارادہ تھا کہ ہمارے فرائض کا ایک جز یہ بھی ہے کہ امیر فیصل سے بھی ایک دفعہ ٹیٹ لیا جائے۔ بہر حال پہلی ہی منزل میں ہم نے ان کا پتہ پالیا۔ میلانو میں معلوم ہوا کہ وہ یہیں مقیم تھے۔ اب یہاں سے قریب ایک قصبہ میں ٹھہرے ہیں، بہر حال ٹیلیفون سے وقت مقرر کر کے دو سکر دن دھوپ اور گرد کے سایہ میں موٹروں پر ان کے فرود گاہ پہنچے۔ تیس چالیس میل سے زیادہ کا فاصلہ تھا۔ ایک کمرہ میں ملاقات ہوئی۔ ہمارا وفد اس وقت چھ ہندوستانیوں سے مرکب تھا۔ محمد علی صاحب، ابو القاسم صاحب، شعیب صاحب قریشی، عبدالرحمن صاحب صدیقی، حسن محمد حیات اور سید سلیمان، میری زبان اور عربی دانی نے جہاں تک یاد کی ہم نے ان کے گزشتہ کارناموں پر نقد اور آئندہ کے لئے ایک سودمند نظام عمل کے ماتحت متحدہ عربی سلطنت کی تکمیل کے لئے آمادہ کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ طرفین کی طرف سے گفتگو کا ماحصل یہ نکلا کہ ہمارے ارکان سترہ میں سے

ایک بھی ان سے مطمئن نہیں ہوا۔ معلوم ہوا کہ ان کے پاس انگریزی و فرانسیسی ارباب سیاست کے دوران جنگ کے بڑے بڑے تحریری عہد و موافق ہیں۔ ہم نے کہا کہ ان کو رکھئے اور روزانہ اوقات فرصت میں ان کی تبادلت کر لیا کیجئے۔ زمانہ جنگ کے وعدے، عہد صلح میں صحف غسوخ سے زیادہ پارینہ ہیں۔ اور اتحادی ارباب سیاست کی کتاب الاخلاق میں یہ معصیت نہیں۔ جس اصول کو ہم ہندی ڈیڑھ سو برس سے اچھی طرح سمجھ چکے ہیں وہ نو گرفتاروں کی سمجھ میں جلد نہیں آئے گا۔

یہاں سے نکل کر واپسی میں کچھ شہر کی سیر کی۔ میلانو میں ایک پرانا گریباں۔ اس کو دیکھا ایک پرانے قدیم العہد قلعہ کی یادگار ہے۔ وہ دیکھی، یہاں وہ دو تو پیپ پڑی تھیں جن کو اٹلی نے آسٹریا سے اس جنگ میں چھینا تھا۔

میلانو سے چل کر فلارنس میں آکر گاڑی رکی، یہ مقام مجسموں اور تصاویر کے عالم بالا کا بہشت ہے۔ فلارنس میں وہ خاندان حکمران ہو گیا تھا جو ان فنون لطیفہ کا نہ صرف مرتبی بلکہ خود ان میں استاد یگانہ تھا، یہاں کے گرجے، خانقاہیں مناظر عام مجسموں سے معمور ہیں، یہاں متعدد تصاویر خانے ہیں جو دنیا بھر میں بے نظیر سمجھے جاتے ہیں۔ گو مجھے اس فن میں درک نہیں مگر تصویروں کی ظاہری لطافت و نزاکت عام نظروں سے بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ خصوصاً وہ تصویریں مجھے بہت پسند آئیں جن میں مصور نے انسانی جذبات کو مجسم کیا تھا۔ مذہبی تصاویر کی تعداد زیادہ ہے اور یہ عموماً چودھویں اور پندرھویں

www.KitaboSunnat.com صدی کے مصوروں کے کارنامے ہیں۔

یہاں پتھر میں مختلف رنگ کے پتھروں کی بہنیت ترکیبی سے نقش و نگار پیدا کرنے کا کارخانہ دیکھنے کے لائق ہے۔ ہمارے یہاں آگرہ میں بھی یہ کام ہوتا ہے مگر تعصب ہو گا اگر موجد عہد میں فلارنس کو آگرہ پر فوقیت نہ

نہ دی جائے، اگرہ کے تنازع میں جو کام ہے اس قسم کا کام یہاں بھی نظر آتا ہے مگر
تنازع کو کوئی نہیں پہنچتا۔ فلائرس میں یہ کام یہاں تک ترقی کر گیا ہے کہ اپنی مختلف
رنگ کے پتھر کے ٹکڑوں سے پوری انسانی تصویر بنائی جاتی ہے۔ اور ہر انسان کی
سنگی تصویر مجسم کی جاتی ہے۔

فلائرس چھوڑ کر ۹ ستمبر کو اٹلی کے دارالحکومت روم میں پہنچے، اٹلی ایک
سمت میں یورپ کا آخری ملک ہے۔ اس لئے یہاں کے مغربی قالب میں مشرق کی روح بھی
جھلکتی ہے۔ طرز و انداز، عادات و اخلاق میں ایشیا کا پرتو نمایاں ہے۔ شکل و صورت
اور رنگ روپ میں بھی مشرق و مغرب کی گنگا جمن نظر آتی ہے۔ اسی لئے یہاں کی
صورتیں مشرقی قوموں کو معیارِ ذوق سے گری ہوئی نظر نہیں آتی ہیں۔

امیر فیصل کی بدولت دیہانوں تک میں جانے کا اتفاق ہوا، پرانے
طرز کے مکانات، جدید انداز کی عمارتوں کے پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں، غریب
کسان، غلوں کے کھلیان، کھریل چھت، زمین میں کھیلتے ہوئے بچے، پھٹے پرانے
کپڑوں میں انسان ہر جگہ نظر آتے ہیں۔ کہیں کہیں تو بالکل ہندوستان کا دھوکا
ہوتا ہے خود شہر روم میں سے اور پرانے تمدن کا جوڑ ہر چیز میں صاف نظر
آتا ہے۔ ایک طرف اگر جدید العہد تمدن کے سرفلک عمارات ہیں جہاں بجلیوں
کے گھوڑے کونے کونے میں دوڑ رہے ہیں تو دوسری طرف ہندوستان کے
پرانے شہروں مثلاً بنارس کی طرح تنگ و بچتہ سڑکیں ہیں۔ جن کی دونوں طرف
قدیم العہد کھڑکیوں والے مکانات ہیں، کھڑکیوں میں میلے اور پرانے کپڑے لٹکے
نظر آتے ہیں، جدید شہر کے بالکل متصل رومہ العظمیٰ کے قدیم کھنڈر ہیں جہاں
رومیوں کے گذشتہ جلال و عظمت کے آثار دفن ہیں، اونچی اونچی اینٹ
اور چونے کی چوڑی دیواریں گری پڑی اب بھی نظر آتی ہیں اور ان کو ستیا

عبرت کی نظر سے دیکھتے پھرتے ہیں۔

روم کا شہر عالم مسیحیت کا پایہ تخت ہے، پوپ کا ایوان اقدس اسی شہر کے ویٹیکن نام ایک گوشہ میں واقع ہے۔ تمام شہر خالقانہوں، گرجوں، معبدوں اور مقبروں سے معمور ہے۔ مجھ کو تو یہ شہر دیکھ کر اپنی پرانی دلی یاد آگئی۔ ہر خالقانہ، ہر گرجا، ہر معبد، ہر مقبرہ انسانی صنعت کا نادر نمونہ ہے۔ سقف سے لے کر صحن تک بلکہ اس شہر کے آسمان سے لے کر زمین تک مجسموں اور تصویروں سے اس طرح معمور ہے کہ گویا ایک نئی کائنات جو سراسر انسانی ہاتھوں کی مخلوق ہے ہر طرف جلوہ ریز ہے۔ ویٹیکن کی مشہور عمارت دیکھی، یہ پوپ کا ایوان اقدس ہے۔ خاصا رقبہ ہے، یہ پورا رقبہ شاہ اٹلی کے حدود حکومت سے خارج اور خاص پوپ کی گویا ایک شہری حکومت کی حیثیت رکھتا ہے یہاں کی پولیس بھی خاص پوپ کی ہے۔ ہر صدر دروازہ پر یہ مقدس پولیس ایک خاص قسم کی وردی میں نظر آتی ہے، ان کا پورا لباس زرد، سرخ، سیاہ مختلف قسم کے لمبے دھاری کپڑے سے بنا ہوا ہے۔ ہاتھوں میں پرانے قسم کے اسلحہ نظر آتے ہیں۔

کل ۱۱ ستمبر کو ویٹیکن ہم لوگ اس لئے گئے تھے کہ وفد کی طرف سے پوپ کی خدمت میں ان کے تلافی آمیز پیغام کا شکریہ ادا کریں، اس دفعہ پوپ سے تو نہیں لیکن پوپ کے نائب سے ملاقات ہوئی۔ ان کا لباس تو ہم کو بالکل عربوں کا سا معلوم ہوا۔ دیر تک بات چیت ہوئی۔ ویٹیکن کی لائبریری دیکھنے کا مجھے شوق تھا۔ پوپ کے سکریٹری سے اس کے لئے وقت مقرر کرایا۔ آج ۱۲ ستمبر کو ۱۱ بجے ویٹیکن جا کر لائبریری دیکھی، پہلی چیز وہی مجسم خانے تھے دوسرے کمرے، تصویروں کے خانے تھے۔ کتاب خانوں کا کمرہ گو کھلا تھا۔ مگر کتابیں لماریوں میں بند تھیں۔ ایک کمرے میں مختلف سلاطین عالم کی طرف سے پوپ کی خدمت میں کتب مقدسہ مطلقاً و سب

نہنے بھیجے گئے تھے وہ سب ایک شیشہ کے صندوق میں بہ ترتیب تختہ پر چاروں طرف رکھے تھے سب قیمتی جلد فرانس کی تھی۔ جو جواہرات سے آلاستہ تھی، انہی ہدیوں میں ایک سلطان ٹرکی کا بھی ہدیہ تھا جس کی جلد پر سنہرا طغریٰ اور چاروں طرف کوئی عبارت جو پڑھی نہیں گئی لکھی تھی۔ دوسرے کمرے تھے جہاں سلاطین عالم کے بھیجے ہوئے اور قسم کے تحائف تھے۔ ان میں ایک طرف محمد علی پاشا خدیو مصر کا بھیجا ہوا ایک خوبصورت پتھر کا بہت بڑا پیالہ رکھا تھا، میری دیکھنی کی اور ایک چیز تھی، کسی شاہ ایران کی طرف سے کسی پوپ کے نام کے دو فارسی مکتوب شیشہ میں لگے رکھے تھے وہ پڑھے ان میں حسب دستور خلیفہ نصاریٰ و امام ترسیاں کے بڑے لمبے چوڑے آداب و القاب تھے۔

پیٹر کا گر جا یہاں کے مشہور عجائبات میں سے ہے۔ گرجوں کے متعلق چند باتیں عجیب معلوم ہوئیں، ایک تو یہ ہے کہ جس طرح ہماری مسجدیں قبلہ رخ ہوتی ہیں۔ یہ گرجے سب مشرق کے رخ واقع ہیں۔ تمام صحن و دیوار مقبرے ہیں جن میں مسیحی اولیاء یا امراء یا مشاہیر دفن ہیں، سقف و دیوار کتب مقدسہ کی داستانوں کی مجسم تصویریں ہیں۔ ایک عجیب چیز شہر کے باہر قدیم العہد عیسائیوں کا مقبرہ اور عبادت خانہ اس زمانے کا ہے جب رومن حکومت میں عیسائیت گناہ تھی۔ اور عیسائی ڈھونڈ ڈھونڈ کر ستائے جاتے تھے۔ اس زمانے میں شہر سے باہر عیسائیوں نے زمین کے اندر رنگ کھود کر اپنا ٹھکانہ بنایا تھا جہاں چھپ کر وہ اپنے طور کی عبادت کرتے تھے۔ اور اس کی دیواروں میں اپنے مردوں کو دفن کرتے تھے۔ یہ زیر زمین سرداب کوئی ۳۲ میل تک ہے ۱۲ میل تک زمین کھود کر صاف کی گئی ہے۔ اندر بالکل اندھیرا ہے۔ موم کی بتیاں لے لے کر ہم لوگ اس کے اندر گھسے اور کچھ دُور تک جا کر واپس نکل آئے۔

آثارِ عمارت کی اس دلچسپی میں یہ لکھنا بھول گیا کہ یہ شہر بھی مسلمان احرام کا مسکن ہے، مصر، طرابلس اور ٹرکی کی ایک اچھی خاصی جماعت مقیم ہے۔ یہ سن کر آپ تعجب کریں گے کہ پورا طرابلس الغرب اب تک اٹلی کے قبضہ میں نہیں آیا۔ خالد بے سے جو طرابلسی ہیں اور پہلے ٹرکی کی طرف سے وہاں عہدہ دار تھے یہاں ملاقات ہوئی عریٰ اچھی بولتے ہیں، ان سے معلوم ہوا کہ اس زمانے میں طرابلس بھی خاموش نہیں رہا۔ خلافت کا جلسہ وہاں بھی منعقد ہوا اور اٹلی کی وزارت میں پورے جوش کے ساتھ اپنے احساس و جذبات کے اظہار کے لئے تار بھیجے، ہم نے خالد بے کا شکریہ ادا کیا کہ ہم ہندوستان کے مسلمان طرابلس کے بہت ممنون ہیں کہ اسی سرزمین کے شہیدوں نے خاک و خون میں تڑپ کر اپنی نیم لہلہ آواز سے ہم کو بیدار کیا۔

عبدالحمید سعید بے ایک پر جوش مصری یہاں مقیم ہیں، یہ وہ بزرگ ہیں جو ایام جنگ میں عربوں کی قوت کو متحد کرنے میں کوشاں تھے۔ بڑے قوی الحجتہ اور بلند قامت ہیں۔ ان کو دیکھ کر ہم کو اپنے ملک کے شوکت یاد آئے، ان کے علاوہ اور بہت سے معاملہ فہم، عاقبت بین متوقع العمل مسلمان یہاں قیام پذیر ہیں۔

میں ابھی اور کچھ لکھتا کہ یہ خوش خبری ملی کہ پہلے جہاز کی جگہ پر دوسرا جہاز، اکتوبر کو بزنڈزی سے ہندوستان کے لئے روانہ ہو گیا، اس لئے دستِ مسرت خوشی سے کانپ رہا ہے اور آگے بڑھنے سے اسٹراٹک پر آمادہ ہے۔ اس لئے رخصت، معلوم نہیں کہ اب یہ خط آپ کو دستی ملے گا یا ڈاک کے ذریعہ۔

۱۷ ہٹل کیورنیل، روم (اٹلی) ۱۵ ستمبر ۱۹۲۰ء

مشتاق دیدار کو سلام

۴۴

لو بھئی پہلے تو شک تھا کہ شاید اب بھی جہاز ملے یا نہ ملے، مگر خدا کا شکر کہ محمد علی صاحب کی اندھا دھند کوششوں اور نوری عزیز بے ایک ترک تاجر کی جانفشانی سے جہاز مل گیا۔ نوری عزیز بے روم میں ایک بڑے تاجر ہیں اور اٹلی کی گورنمنٹ میں عزت رکھتے ہیں۔ انھوں نے ایک بڑے اطالین عہدہ دار لائڈر سٹینو کمپنی کو جس کے جہاز پر ہندوستان کا قصد ہے، تیار دلوایا، جو اب آیکہ چارلشتیں محفوظ ہیں، ستمبر کو یہ جہاز جس کا نام گراس یا گراس ہے بڑی پیچھے گا اور ہم راکتو بڑیک ہم کو ہندوستان پہنچا دے گا۔

روم میں بڑا لطف آیا، سب سے زیادہ طرابلس الغرب کے دو مسلمانوں مل کر خوشی ہوئی، نوری عزیز بے نے دعوت دی جس میں مختلف ملکوں کے سارے مسلمانوں کو ایک جگہ جمع کیا۔ نوری بے یہاں اپنے اہل و عیال کے ساتھ رہتے ہیں۔ ان کا چھوٹا بچہ جس کا نام توران شاہ ہے اور چھوٹی بچی جس کو نگہت خانم کہتے ہیں دونوں اس بزم کی شمع تھے، ہر شخص مسرت کی نظر سے ان کی طرف دیکھتا تھا۔ اور وہ اپنے ہی فرزند نظر آتے تھے۔ کھانے کے بعد ایک طرابلسی مسلمان جو قاری بھی تھے سب کے اصرار سے قرأت شروع کی آیت اُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَنْ يَكُونُوا، اس حسن لحن اور درد سے پڑھی کہ لوگوں کے دل بھر آئے۔

قرآن پاک کی یہ پہلی آیت پاک ہے جس میں مدینہ کے مظلوم و سبک مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دی گئی تھی۔ روم کے مقیم مسلمانوں میں مصر کے ایک جوش مجتہد مسلمان ڈاکٹر عبد الحمید سعید بے ہیں۔ فرانس میں انھوں نے ڈاکٹری کی ڈگری

لی ہے۔ مگر ذوق سیاست اور دردِ اسلامی ان کو صحرا بھرا پھرتا رہا ہے۔ بلقان کی جنگ میں سپاہی تھے اور اس جنگ میں جزیرہ عرب کے صحراؤں میں قبائل عرب کے اتحاد کا وعظ کہتے پھرتے تھے۔ ان کے والد مصر کے ایک دولت مند پاشا ہیں عمر ۳۵ یا ۴۰ کے قریب ہوگی لیکن اب تک شادی نہیں کی ہے۔ کہتے تھے جب تک مصر سے گریز نہیں نکلیں گے میں شادی نہیں کروں گا۔

دوسرے دن ان کے ہاں ہماری دعوت تھی، مصر، ترکی، طرابلس الغرب اور ہندوستان کے چودہ پندرہ مسلمان یکجا تھے۔ کھانے کے بعد ثروت بے ایک ترک نے جو پہلے یمن میں متعین تھے ترکی جنگی ترانہ گایا، ہم ہندوستانی کو ترکی نہیں سمجھ سکتے تھے۔ تاہم کیف اثر سے خالی نہ تھے۔ ہمارے لئے ترانہ کا عربی میں ترجمہ ہوا اور میں نے عربی سے اردو میں ترجمہ کر کے اپنے بھائیوں کو سنایا، ترانہ کا مختصر خلاصہ یہ تھا، ان بڑے بڑے چین زاروں اور پہاڑوں پر جو آفتاب کی کرنوں سے منور ہیں نگاہ کرو۔ ہمارے وطن سے زیادہ خوبصورت وطن دوسرا کون ہے۔ بھائیو! آگے بڑھو، ہم عثمانی ترک ہیں، ہمارے مقابلے کو کون آتا ہے؟ ترانہ کے بعد ڈاکٹر عبد الحمید سعید بے نے عربی میں ایک پُر جوش تقریر کی۔ جس میں مسلمانانِ ہند کے، اسلامی جذبات و خدمات کا شکریہ اور وفدِ خلافت کے کارناموں کا ذکر تھا، اس سلسلہ میں انھوں نے کہا کہ اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اپنی غیر مرعوب اور دلیرانہ صدائے قوم سے تمام دنیا کے مسلمانوں کے مایوس اور درد مند قلوب میں دوبارہ امید پیدا کر دی۔ اب ہم بھرتے سرے سے اپنی کوششوں کا آغاز کریں گے، ان کی تقریر کے اختتام پر میں نے

۱۔ ہماری واپسی کے ایک مدت بعد جب مصر کو مزید آزادی حاصل ہوئی، یہ مصر واپس آئے اور وہاں کی پارلیمنٹ کے ممبر ہوئے اور شبان الملین اور بین الاقوامی تحریک کے ممبر بنے۔ روح رواں تھے مسئلہ ۱۹۰۷ء میں مصر میں وفات ہوئی۔

دیا کہ ہم ہندی مسلمان اپنی ان خدمتوں کو اگر وہ کچھ ہیں تو اپنے گناہوں کا کفارہ سمجھتے ہیں۔ سارے اسلامی ملکوں پر جو بلائیں نازل ہوتی رہی ہیں ان سب کا اصلی باعث درحقیقت ہمارا ہی وجود ہے۔ ہم ہی وہ کمزور سپاہی ہیں جنہوں نے مقابلے کے میدان میں دشمنوں کے سامنے سب سے پہلے ہتھیار ڈالے ہیں۔ میرے بعد محمد علی صاحب نے مختصر الفاظ میں کہا کہ اب تقریروں سے فائدہ نہیں، ہم کو اب جو کچھ کرنا ہے۔ عملاً کرنا ہے۔“

اس وقت کا حسرت آگیاں نظارہ دل کو زندگی بھر یاد رہے گا۔ یہیں ایک اودھری نوجوان سے ملاقات ہوئی، عربی تو خیر ان کی مادری زبان تھی۔ اس کے علاوہ جرمن، مصری، انگریزی بھی جانتے تھے، جوش خیالات اور اقدام عمل میں ہندوستان کی سات کروڑ مسلمان آبادی میں مجھے کوئی ان کا ہمسر نظر نہیں آتا۔ شریف حسین کے اعلان بغاوت کے زمانے میں یہ نین تنہا سرکٹ شریف کے کیمپ میں پہنچے۔ اور ان کے اندرونی اسرار سے واقفیت حاصل کی۔ انہوں نے شریف کے جو مظالم بیان کئے اور انگریز افسر جو مکہ کی فوج کو لڑا رہے تھے ان کے جو حالات بیان کئے ان کو سن کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ فرانس، افریقہ کے مسلمان سپاہیوں کو یہاں لڑانے کے لئے لایا تھا۔

ادریہ مشہور کر لیا تھا کہ کافروں نے تمہارے مقدس مقامات پر قبضہ کر لیا ہے تم کو چل کر ان کے ہاتھ سے چھڑانا ہے۔ استغفر اللہ! استغفر اللہ! علاوہ ازیں جو باتیں معلوم ہوئیں وہ لب پر نہیں آسکتیں، محاصرہ مدینہ کے دنوں میں مدینہ کے مسلمانوں نے مُرتے مک کھائے۔ کرنل عزیز علی مصری جن کا ذکر میں نے کسی پچھلے خط میں کیا ہے، معلوم ہوا کہ وہ قابل اعتبار نہیں۔ وہ بھی اس نہ مانے میں شریف حسین کی فوج میں تھے۔ ان کو انور پاشا سے کچھ پرخاش ہے، مگر

بایں ہمہ لوگ کہتے ہیں کہ ان کی جنگی قابلیت میں مطلق شک نہیں۔

غالب کمالی بے جن کا مرافعہ ٹرکی بنام اقوام عالم، ہندوستان کے اخبارات میں بھی چھپ چکا ہے۔ اٹلی میں سیفرتھے اور وفصلح کے ایک رکن تھے اُن سے یہاں ملاقات نہیں ہوئی، وہ نیپلس میں تھے لیکن بہر حال یہاں روم میں جو ٹرکی کا سفارت خانہ ہے اس کو جا کر دیکھا، سبحان اللہ چھوٹی سی عمارت، مگر مشرقی صنعت کے پردوں، دیوار گیروں اور قالینوں سے اس سلیقہ سے آراستہ ہے کہ دیکھ کر تھوڑی دیر کے لئے اپنے غم کو بھول گئے۔

www.KitaboSunnat.com

نیپلس بھی اٹلی کا مشہور شہر ہے۔ روم سے بزنڈی جاتے ہوئے جہاں ہم کو جہاز پر سوار ہونا تھا۔ راستہ میں پڑتا ہے، چنانچہ ۱۴ ستمبر کو ۱۲ بجے روم سے روانہ ہوئے۔ رات کو دس بجے کے قریب نیپلس یا نیپولی پہنچے، رات کو تو ہوٹل جا کر پڑ رہے۔ صبح اٹھ کر غالب کمالی بے کی جستجو میں نکلے، یہ شہر سمندر کے کنارے واقع ہے۔ اور نہایت خوش منظر ہے۔ اور خاص کر ہمارے لئے دیکھنی کا باعث اس لئے بھی تھا کہ یہ بھی یورپ کے ان شہروں میں سے ہے جن پر اسلام کا علم ایک مدت تک ہراتا رہا ہے۔ عربوں نے جنوبی اٹلی پر ایک زمانے میں حکومت کی ہے اور اس کے آثار اب بھی باقی ہیں۔ غالب کمالی بے اپنی علالت کے سبب شہر سے باہر کئی میل پر ایک ہوٹل میں رہتے تھے، ہم لوگ وہاں پہنچے، وہ پورے اہل و عیال کے ساتھ موجود تھے۔ ان کی ترکی بیگم اور ان کی جوان لڑکی سے ملاقات ہوئی۔ ان کو یورپ کے طرز و انداز میں دیکھ کر افسوس ہوا۔ بیگم خود تو منین اور سلیقہ شعار معلوم ہوتی تھیں مگر صا جزادی کے طور و انداز پسند نہ آئے۔ حالانکہ وہ نہایت پُر جوش ہے، روزانہ قرآن مجید کی تلاوت کرتی ہے۔ جرمن، فرنگ اور اطالین زبانیں جانتی ہے اور ہر ایک میں

گفتگو کرتی ہے۔ مگر خدا جانے کیوں کسی مسلمان عورت کو مغربی طرز تمدن گھنتر
میں دیکھ کر دل کو تکلیف ہوتی ہے،

اس لڑکی نے ایک عجیب لطیفہ کی بات کہی۔ جس کو سُن کر ہم لوگ
خوب ہنسے، وہ یورپ کی اکثر زبانیں جانتی ہے مگر انگریزی نہیں جانتی، محمد علی
صاحب نے پوچھا، تم نے انگریزوں کی زبان کیوں نہیں سیکھی؟ اس نے بسیاختہ
کہا اس لئے کہ وہ بڑے مغرور ہوتے ہیں۔ محمد علی صاحب نے کہا یہ کیونکر؟ اس نے
کہا، اس لئے کہ وہ میں کو بڑے حرف سے لکھتے ہیں۔

غالب کمالی بے نہایت صاحب فہم اور ہوشمند ترک ہیں، دیر تک ان سے
باتیں رہیں۔ دوپہر کا کھانا انہی کے یہاں کھایا۔

نیمپلس کے قریب اٹلی کے مشہور ویران شہر پامپائی کے آثار ہیں جو
دو ہزار برس پہلے رومیوں کا ایک آباد و عالیشان شہر تھا۔ مگر آتش فشاں پہاڑ
کے پھوٹنے سے برباد ہو گیا۔ غالب کمالی بے کے ساتھ اس کو دیکھنے گئے۔
موٹروں پر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کا راستہ تھا۔ پہاڑیوں کے جھنڈ میں یہ شہر ایک
مرتفع مقام پر واقع ہے۔ اس سفر میں اور امیر فیصل کی ملاقات کے رگنڈ میں
بھی اٹلی کے قصبوں اور دیہاتوں سے گزرنے کا اتفاق ہوا تھا، نظر آیا کہ
یہ ملک کسی حالت میں ہندوستان سے بہتر نہیں۔ وہی افلاس و غربت ہے
بچے برہنہ تن یا میلے کچیلے کپڑوں میں، عورتیں کثیف اور پھٹے پرانے کپڑوں
میں سر پر بوجھاٹھائے چل پھر رہی تھیں، کاشتکار اپنے کھیتوں میں
آ جا رہے تھے، سڑکیں ناہموار، نا صاف، راستوں میں کوڑا کرکٹ، بھیک
مانگنے والوں کا ہجوم، اس ویران شہر کو جو ہزاروں سال زیر خاک تہ دفن
تھا۔ محققین آثار نے اب کھود کر نکالا ہے۔ سب سے پہلے ایک عجائب خانہ

ملا جس میں عورت، مرد اور بچوں کے چند ڈھانچے ملے جو کھودتے میں نکلے
ہیں اور آتش فشاں کے وقت دب کر مر گئے تھے۔ لاشیں اسی حالت میں اکڑی
ہوئی رکھی تھیں جس حالت میں روح ان کے تن سے نکلی تھی، اوپر چڑھ کر صحن
دیواروں، سڑکوں، عدالتوں، دکانوں اور کارخانوں کے آنتار ملے جن کو دیکھ
کر رومی عہد کی عظمت نظر آئی۔ تھیٹر اور حمام خاص تہشاگاہ تھے، بہر حال
ان آنتار ہی کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم عیش پرستی کے کس حسیض
اور پستی تک پہنچ چکی تھی، جس کا عکس دیوار و عمارت کے نقشوں سے آج
بھی نظر آتا ہے۔ برہنہ عورتوں اور مردوں کی رنگین تصویریں ہر جگہ نظر
آتی ہیں۔ انسانی آلہ تناسل خیر و برکت سمجھ کر گھروں اور دکانوں کے
دروازوں پر ایک چھوٹے سے طاق میں نصب کرتے تھے اور وہ اب تک
ہیں۔ ایک جگہ اس کی قوتِ ثقل ترازو میں تلتی ہوئی نظر آتی ہے، سامنے
کی پہاڑیوں سے اب تک دھواں اٹھتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ یہاں سے شام
کو واپس آکر ہرنڈزی کی روانگی ہے۔

۳۷ عدن ۲۸ ستمبر ۱۹۲۰ء

۴۷ ولایت کا مسافر حرم کی ہمسایہ سرزمین پر کھڑا ہو کر سلام عرض
کرتا ہے۔ اب جب کہ ہر قدم خاکِ ہند کے قریب پڑ رہا ہے آپ کو خط لکھنا
بظاہر فضول معلوم لیکن یہ خط اگر ڈاک کے جہاز میں جو ہمارے جہاز کے
سامنے ہی بندرِ عدن میں کھڑا ہے پڑ گیا، تو مجھ سے پہلے یہ آپ تک پہنچ
جائے گا۔ اور اس طرح سفر کے آخری حالات اختتام سفر سے پہلے آپ کو
معلوم ہو جائیں گے۔ اور اس طرح ہمارے عہد کی آخری قسط بھی نیک نتی
اور خوبی کے ساتھ ادا ہو جائے گی۔

۷ اکتوبر کی سہ بجے شام آخری لمحہ تھا کہ ہمارے جہاز نے یورپ کے ساحل سے لنگر اٹھایا اور ہم نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس بیگانہ تہذیب و تمدن کی قید سے چھ مہینے کی اسیری کے بعد نجات ملی۔ بحر ٹوریاٹک سے نکل کر جب ہم نے میڈیٹرینین (بحر متوسط) میں قدم رکھا تو ہر چیز ہم کو مانوس نظر آنے لگی، یونان کے سواحل ۲۴ گھنٹے سے زیادہ تک پیش نظر رہے، کریٹ سامنے سے گزرا، پھر یکے بعد دیگرے اور جزیرے گذرتے گئے، اس تمام اثناء میں اس عہد کا خیالی منظر سامنے رہا۔ جب یہ تمام سمندر اور اس کے یہ جزیرے ہمارے اسلاف کے دریا پیا پیا جہازوں کے سیرگاہ تھے،

بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی

بحر متوسط جب تک ختم نہیں ہوا تھا، یورپ کی برائے نام سرحد ختم نہیں ہوتی تھی، آخر پانچویں دن صبح کے وقت مصر کی سرحد نظر آئی، پورٹ سعید کا سوا در شہر سامنے تھا۔ اس کے پیچھے ہنر سوزین کی آبی لیکر تھی جو مشرق و مغرب کو پیوستہ کرتی ہے، جس جہاز میں ہم ہیں اس کا نام گراز ہے، آپ کو معلوم ہو گا کہ فلسطین کی یہودی آبادی کے لئے ہر جہاز سے سینکڑوں یہودی یورپ کے مالک سے فلسطین جا رہے ہیں۔ چنانچہ اس گراز پر بھی ۳۰ کے قریب جوان مرد و عورت یہودی تیسرے درجے میں سوار تھے۔ پانچ روز ہم نے ان کی جو حالت دیکھی اس سے افسوس ہوا کہ کیا ارض مقدس کی حرمت انہی کے ذریعہ برقرار رکھی جائے گی؟ یہ لوگ سرویل سے ہجرت کر کے آرہے تھے۔ مفلوک الحال اور ناشائستہ ہونے کے علاوہ ان میں یورپ کے تمام معائب موجود تھے۔ ہمارے پاس جہاز کے خلاصی اور افسرانِ ادارہ گردنا زینیناں اسرائیل سے جس بے باکی کے ساتھ لطف اندوز ہوتے نظر آتے تھے اور خود ان کے

جو اخلاق ہر کہ دمہ پر نمایاں ہو رہے تھے۔ ان سے اندازہ ہوتا تھا کہ آئندہ بیت المقدس کا تمدن کس نوع کا ہوگا، بہر حال پورٹ سعید پہنچ کر یہ قافلہ اتر گیا، یہاں سے وہ فلسطین جائے گا۔

مدت کے بعد مشرق کی سرزمین نظر آئی تھی۔ چند گھنٹے ہمارا جہاز یہاں پورٹ سعید ٹھہرنے والا تھا، اس لئے پاسپورٹ دکھا کر جلدی جلدی اترے کہ کسی مصری ہوٹل میں جا کر آج مشرقی مذاق کا کھانا کھائیں گے۔ گھنٹہ دو گھنٹہ شہر و بازار میں پھرے۔ ہندوستانی گجراتی تاجر یہاں کئی ہیں۔ ہندی بازار بھی یہاں بنا ہوا ہے، وہاں گئے، ہندوستانی بھائیوں سے ملے، مصر اس لڑائی کے بعد ایک عجیب مصر ہو گیا ہے۔ ہوئے استقلال اور تمنائے آزادی بچہ بچہ کے سر میں ہے، مصری وفد لندن سے جو شرائط معاہدہ لے کر آیا ہے ان پر ہر جگہ بحث مباحثہ جاری ہے۔ جس دن ہم پورٹ سعید پہنچے اس دن سنا کہ مصر کی قومی مجلس شرائط کے فیصلے کے لئے بیٹھی ہے۔ قاہرہ کی مجلس شرائط کے قبول کرنے کو تیار ہے۔ لیکن اسکندریہ کی مجلس کو ان سے سراسر انکار ہے۔

بازار میں کچھ چیزیں خریدیں جس جس دکان پر جا کر کھڑے ہوئے، احرار رہبران مصر کے مرقعے دیواروں پر اور استقلال و آزادی کے کلمات زبانوں پر دیکھے، اسی کے ساتھ وفد خلافت کا نام اور اس کے کام سے بھی سب آشنا معلوم ہوئے۔ جس نے جانا شکر یہ و تخمین کا کلمہ زبان پر لایا۔

مصری خواتین کے نئے اور پرانے طرز کے برفے بھی دیکھے۔ برفے پوش عورتیں آتی جاتی نظر آتی تھیں۔ پرانے طرز کا برفع بالکل پرانے ہندوستانی طرز کا تھا۔ ناک پر ایک گول لکڑی کی ریل سی تھی، اس کے سوراخ میں ایک ڈورا لگا تھا، جس کے ذریعہ سے چہرہ کا پردہ نیچے گرایا یا اوپر اٹھایا جاتا تھا

یہ نہایت بدنام معلوم ہوتا تھا۔ اتفاق سے ایک دوکان پر دو جدید طرز کی برقع پوش خاتون بھی دکھیں، اُن کے برقعوں کا نقشہ یہ تھا کہ گویا ایک سلی ہوئی سیاہ چادر سر سے پاؤں تک تھی۔ منہ کے سامنے سے سینہ کھلا ہوا، اس پر ایک سپید جالی ٹری ہوئی جس سے کسی قدر منہ اور سینہ کا ابھار صاف نظر آتا تھا۔ دونوں ہاتھ، خوب زیور سے بالکل خالی تھے دونوں طرف برقعے سے نکلے تھے۔ پاؤں میں ادنیٰ ایڑی کے یورپین بوٹ تھے۔ دلی کا جدید برقع میرے خیال میں جواب تعلیم یافتہ ہندی خواتین پہننے لگی ہیں۔ وہ اس سے کہیں زیادہ خوبصورت اور پڑھ دار ہے۔ پورٹ سیمر سے ایک نوجوان ایرانی مسلمان جس کا وطن شیراز ہے مع خاندان کے جہاز پر سوار ہوا۔ اور بھی کئی شامی عرب سوار تھے۔ ہماری آئندہ دلچسپی کے لئے یہ بہت کافی تھے، شیرازی نوجوان سے بشوق ملاقات کی۔ معلوم ہوا کہ یہ عالم ہیں، عربی عمدہ بولتے ہیں اور فارسی نو مادری زبان ہی ہے۔ تعارف کا آغاز عربی سے ہوا لیکن جب معلوم ہوا کہ ایرانی ہیں تو اب فارسی میں گفتگو ہوتی ہے۔ کتابوں کے مطالعے کے شوقین ہیں ان کے ساتھ بھی کچھ کتابیں تھیں۔ میں نے بھی پیس سے عربی کی کچھ کتابیں خریدی تھیں۔ وہ ساتھ تھیں۔ کتابوں کا مبادلہ ہوا، ان کے ساتھ فارسی کی ایک نئی تصنیف ”مسائل الحنین“ تھی، ایک جدید تعلیم یافتہ ایرانی نے اس میں موجودہ ایران کی سیاسی، انتظامی، اخلاقی اور معاشرتی حالات کا خاکہ اڑایا ہے۔ کئی دن مکمل کا مطالعہ کیا۔ حالات پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔ ہمارے ایرانی دوست ایک سال ہوا کہ شیراز سے زیارت و حج کی غرض سے عراق و شام ہو کر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ گئے تھے، وہاں سے واپس ہو کر مصر آئے۔ کچھ دن وہاں قیام کیا پھر شام و فلسطین آکر رہے۔ دمشق و بیت المقدس میں بھی قیام پذیر رہے۔

گزشتہ مہینوں میں بیت المقدس میں یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان جو فساد ہوا تھا اس میں وہ وہیں تھے، اُن سے اور نیز دوسرے شامی عربوں سے جاز و شام و فلسطین کے جو حالات معلوم ہوئے وہ حد درجہ افسوسناک تھے۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بات بھی پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ ہندوستانی مسلمانوں کی دانشمندانہ نظر جس آغاز و انجام پر تھی وہ حرف جہر و صبح تھی۔

شریف حسین اور عرب سنہرے رو پہلے جادو کے عمل سے مسحور کئے گئے ہیں جن جن نیک سرداروں اور عالموں نے ان سے اختلاف کیا، وہ تہ تیغ کئے گئے۔ چار عالموں کا حال معلوم ہوا، جن کو اس جرم میں کہ انہوں نے خدا سے ڈر کر اور شریف سے بے خوف ہو کر اس کے خلاف فتویٰ دیا، پھانسی دی گئی، مجھ سے ایک شامی عرب عالم نے پوچھا کہ شریف حسین کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا میں شریعت کے مطابق اس کے قتل کے فتوے پر دستخط کر سکتا ہوں۔ یہ سن کر اس نے زور سے اللہ اکبر کہا اور کہا کہ ہمارے ہاں بھی بہت سے عالموں نے اس کے ارتداد کا فتویٰ دیا ہے۔ بہر حال اگر ان لوگوں کے بیانات پر بھروسہ کیا جائے تو یقین ہوتا ہے کہ سطح ساکن کے نیچے پر زور موجیں اوڑھنا کتر کے تلے مشتعل شعلے ہیں۔

۲۵ ستمبر کو جہاز نے مُصَوِّع میں قدم رکھا آتے ہوئے میں نے یہاں کا ذکر پہلے محبت سے کیا ہے۔ اور اب پھر اسی جذبے سے متاثر ہوں۔ ساحل پر جہاز کے لنگر انداز ہونے کے ساتھ ہمارے ہندوستانی بھائیوں کی جو یہاں تاجر ہیں صورتیں نظر آنے لگیں۔ اس سے پہلے کہ جہاز کھڑا ہو ہم نے ایک دوسرے کو سلام کیا۔ یہ وہی ہمارے میزبان تھے جو پہلے بھی گذرتے ہوئے ہماری میزبانی کر چکے تھے جہاز سے اترے تو یہ پھر ہم کو اپنے گھر لے گئے۔ یہ یہاں کے سب سے

بڑے مسلمان تاجر ہیں۔ پچاس ساٹھ کے قریب ہندو مسلمان جو زیادہ تر گجرات کے تھے جمع ہو گئے۔ چائے اور شربت کی دعوت کے بعد ایک مختصر جلسہ مرتب ہوا جس میں پہلے ایک ہندوستانی گجراتی نوجوان نے ہمارا خیر مقدم کیا۔ محمد علی صاحب نے گجراتی میں ان کا جواب دیا۔

یہاں ایک ذات بزرگ سے ملاقات ہوئی جو اپنے کو ٹرکی کی رعایا اور البانی بتاتے ہیں، جنینا (البانیہ زیر حکومت یونان) کے رہنے والے ہیں عربی، جرمنی، انگریزی اور ترکی جانتے ہیں۔ جنگ کے زمانے میں انگریزوں کی طرف سے سوڈان میں سنسرتھے ہم لوگوں سے ملنے آئے۔ بڑی محبت کی باتیں کرتے رہے، وفد کے حالات سے باخبر تھے۔ بہت کچھ اظہار شوق کیا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ وہ یونانی تھے۔

بہر حال مغرب کی نماز ہم نے یہاں کی ایک مسجد میں ادا کی۔ یہاں کی عرب آبادی کو پہلے سے اطلاع ہو گئی تھی۔ ہمارے افریقی عرب اور حبشی و صومالی مسلمان جمع تھے۔ نماز کے بعد میں نے عربی میں ان کے سامنے خلافت کے مسئلہ اور موجودہ اسلامی مصائب پر تقریر کی۔ اور اٹلی کی گورنمنٹ کا اور اس کی مہربانیوں کا شکریہ کیا اور ان کو بتایا کہ کیونکر اس مسئلہ میں وہ اسلام کی مدد کر سکتے ہیں، حضرت بلال حبشیؓ کی تقریب کا کافی موقع تھا۔ مجھے یقین نہ تھا کہ ان سیاہ رنگوں میں اسلامی مصائب پر حسرت و افسوس کا وجدانی نور چمکتا نظر آئے گا۔ مگر تقریر کے دوران میں ان کے کلمات تحسین کے اظہار سے معلوم ہوا کہ سیاہ غلات کے اندر تلوار کیسی چمکتی ہے۔ مسجد کا فرش صرف سنگریزوں کا تھا۔ نچتہ نہ تھا۔ محمد علی صاحب نے اس وابستگی کے اظہار کے لئے جو مسلمانان عالم کو باہم ہے اور نیز اس لئے کہ مسلمانان ہند کی یادگار یہاں کے مزرعہ قلوب میں ہمیشہ قائم رہے ہندوستانی تاجروں کے ذریعہ سے وفد کی طرف سے ۱۵ پونڈ اس کے نچتہ فرش کے لئے دیئے۔

اور ایک عربی کتبہ لکھ کر دیا جو پتھر پر مسلمانانِ ہند کا نام کندہ کر کے فرش پر لگا دیا جائے گا۔

یہاں سے فارغ ہو کر ہم یہاں کے ایک عرب تاجر سے ملنے گئے۔ جو یہاں کے ممتاز دولت مند ہیں اور موتیوں کی تجارت کرتے ہیں۔ پورا نام تولید نہیں مگر شیخ ہندی یاد ہے۔ ان سے خلافت اور بلاد مقدسہ کے مسئلوں پر گفتگو کی اور یہ طے پایا کہ مصلوٰع کے مسلمانوں کی طرف سے ایک تاراٹلی کو روانہ کیا جائے جس میں وہ اٹلی کی حکومت کو اطلاع کریں کہ حکومت اٹلی نے ہمارے مسلمان بھائیوں کے ہندی وفد خلافت کے ساتھ جو دوستانہ برتاؤ کیا ہے ہم اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ رات کو جب فارغ ہو کر ہم گھر آئے تو ہم سے ملنے کے لئے دو عرب یمنی نوجوان آئے۔ ان میں سے ایک نے ترکی کے مدرسہ یمن میں تعلیم پائی تھی مشکل سے ان کی عمر بیس برس کی ہوگی۔ انہوں نے ہم سے جو باتیں کیں جو سوالات پوچھے جو اطلاعات دیں ان کو سن کر میں مجو حیرت رہ گیا کہ کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں یا واقعاً سرزمین اقدس کے دونہالوں سے گفتگو کر رہا ہوں، سیاستِ حاضرہ کی داستان کا کوئی حرف ایسا نہ تھا جس سے وہ گوشِ آشنا نہ ہوں، مصر کے عربی اخبارات ہر ہفتہ منگواتے ہیں۔ اور جب تک ان کو پڑھ نہیں لیتے کھانا نہیں کھاتے، ان کے دلوں میں یہ اُمنگ تھی کہ وہ کسی اسلامی فوج کے سرِ عسکر ہوتے، ایک نے بیان کیا کہ وہ شام کی ترکی فوج میں مجاہد بھی رہے ہیں اور اب انا طولیہ چلے جانے کے آرزو مند ہیں، انھوں نے بیان کیا کہ یمن کا ہر بچہ دولت عثمانیہ کا خیر خواہ ہے۔ اور اس کے سپاہیوں کے پاؤں کے نیچے کی خاک اپنے سر پر رکھنے کو تیار ہے۔ یمن کسی حال میں ترکی سے جدا نہ ہوگا۔

۲۶ کی صبح کو مصوٰع سے ہمارے جہاز نے لنگر اٹھایا اور ۴ کی دوپہر کو
 یسیریم میں کولہ لینے کو ٹھہرا۔ یہ جزیرہ بحر احمر کے اختتام اور بحر عرب کے دہانہ پر
 سواحل یمن کے مقابل واقع ہے۔ چھوٹے چھوٹے پہاڑی جزیرے ہیں جو گوآبادی
 کے قابل نہیں۔ لیکن تجارتی اور جنگی حیثیت سے نہایت با موقع ہیں۔ عربوں اور ترکوں
 نے ان کو بیکار چھوڑ دیا تھا۔ ”خانہ خالی را دیومی گیرد“ اب طبعی طور سے یہ
 انگریزی قبضہ میں ہیں اور کولہ کے کمپنی کے مرکز ہیں۔ سنا کہ بعض جزیرے
 اس کمپنی کے ملک بھی ہیں۔ بہر حال آنے جانے والے جہازوں کو کولہ دے کر
 جو نفع یہاں پیدا ہو سکتا ہے اس کا تصور آپ کر سکتے ہیں، یہ حق کس کا ہے
 اور کس کو پہنچ رہا ہے۔ چند گھنٹوں میں یہاں سے جہاز چلا تو دوسرے دن
 صبح کو عدن نظر آیا۔ یورپ جاتے ہوئے یہاں اترنے کے لئے رات کو دیر تک
 منتظر بیٹھے رہے تھے۔ مگر اجازت نہیں ملی تھی، وہی حسرت و آرزو اب بھی
 تھی۔ صبح کو پہنچے تھے اور ۱۲ بجے تک فرصت تھی، بڑے ذوق و شوق سے
 اترے کہ کم از کم اس ارض اقدس کی ایک گوشہ ہی کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو
 متور کریں۔ چھوٹی کشتی پر بیٹھ کر عدن کے ساحل پر آکر اترے، انگریزی گورنمنٹ
 کے ہندوستانی و صومالی نوکر نظر آئے جس نے پاسپورٹ دیکھا۔ وہ جنگالی معلوم
 ہوتا تھا، باہر نکلے تو کرایہ کے موٹروں کی بڑی تعداد نظر آئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ
 زمانہ جنگ میں یہ موٹر برسر کار ہوں گے اور اب کرایہ پر چلتے ہیں یا ہندوستانی
 تاجر کرایہ پر چلاتے ہیں۔ ذہن میں نقشہ تھا کہ ساحل پر قدم رکھتے ہی بڑی بڑی
 عباؤں میں ہم کو عرب نظر آئیں گے۔ لیکن طواہی یعنی ساحل کی آبادی سے لے کر
 اصل شہر عدن تک میں ہم کو خاص عرب صورت کوئی نظر نہ آئی۔ یا ہندوستانی نظر
 آئے یا صومالی۔ ہندوستان کے گجراتی ہندو بھائی اور ہندو بنیا وہی اپنی دھوتی

اور ترانہ کے ساتھ نظر آئے۔ ایسا معلوم ہوا کہ یہ بھی ہندوستان ہی کا ٹکڑا ہے۔ تمام قطعہ ارض پہاڑی ہے۔ شہر نہایت بد صورت اور بد نما معلوم ہوتا ہے۔ جنگ کے زمانے میں یہاں ریل بنائی گئی تھی۔ وہ چلتے ہوئے دیکھی، چھوٹی پٹری کی ریل شیخ عثمان تک گئی ہے۔ جدھر لہج واقعہ ہے۔ لہج کا شیخ جسے سلطان لہج کہتے ہیں لڑائی میں انگریزوں کے ساتھ تھا اور اسی میں عربوں اور ترکوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اب اس کا بیٹا ہے جو برٹش علم کے زیر سایہ حکمران ہے۔ مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انگریز آہستہ آہستہ عرب کے اس سب سے زرخیز صوبہ پر قبضہ کر لیں گے۔ اور اسی کی یہ سب تیاریاں ہیں، گو ایک یمنی عرب نے جو ہمارا ہمسفر ہے، اس کی تردید کی اور کہا کہ یمنی عربوں کے پاس وسائل جنگ بہت زیادہ ہیں اور وہ ہر قسم کے آلات حرب سے آراستہ ہیں مگر افسوس کہ ہمارے عرب بھائیوں کو اب تک معلوم نہ ہوا کہ جنگ کے علاوہ صلح کے ذریعہ سے بھی غیر ملک پر قبضہ ممکن ہے۔

ارض القرآن لکھتے وقت عدن کے آثارِ قدیمہ بھی تصور کی آنکھ سے نظر آئے تھے، اس کی گذشتہ تجارتی عظمت نگاہ کے سامنے تھی پہاڑی کے دامن میں ایک طرف کچھ آثار ہیں۔ اُن کے دیکھنے کو گئے۔ یہاں پانی نہایت کمیاب ہے۔ حمیر اور سبائے جو یمن کی سب سے قدیم متمدن قومیں تھیں بارش کے پانی کو روکنے کے لئے اور اس کو پینے اور زراعت کے کام میں لانے کے لئے بڑے بڑے سنگی بند اور حوض بنائے تھے۔ اسی قسم کے بند اور حوض عدن میں بھی تھے۔ یہ مدت سے ریت اور بالوں میں دفن ہو گئے تھے۔ انگریزوں نے اب ان کو صاف کر لیا ہے۔ ان کو جا کر دیکھا۔ پہاڑوں کے دروں کو کاٹ کر نہایت ہوشیاری سے سوراخوں اور دراڑوں کو مسالے سے بند کر کے، قدرتی نالوں کو درست

کر کے اوپر تلے تین چار بڑے بڑے حوض تیار کئے ہیں۔ جن میں علی الترتیب پانی جمع ہوتا ہے۔ اوپر کا پہلا حوض لبالب ہو گیا تو نالی کی راہ سے دوسرے میں پانی آ گیا اس سے تیسرے میں پھر چوتھے میں۔ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ کس خوبصورتی، مضبوطی اور انجینئری سے یمن کے پرانے باشندوں نے ان حوضوں کو تیار کیا تھا کہ ہزاروں برس گزرنے پر بھی اب تک وہ تازہ معلوم ہوتے ہیں۔ کلام پاک کی وہ آیت یاد آئی جس میں سب کی عظمت اور ان کی تباہی کا حال بیان کیا گیا ہے۔ آپ یہ تصور کر کے بہت خوش ہوئے ہوں گے کہ اس خشک ملک میں جہاں پانی کا ہمیشہ کال رہتا ہے گورنمنٹ نے ان حوضوں کو صاف کر کے پھر زمانہ قدیم کی طرح باشندوں کے لئے آبِ رحمت کا سامان کر دیا ہے۔ یہ خوشی درست ہے، صرف اس قدر معلوم ہونا اور باقی ہے کہ یہ آبِ رحمت بہت گراں بکتا ہے یعنی صرف پچاس ہزار روپے کے بدلے میں اس کا پانی گزشتہ سال نیلام ہوا تھا۔ عدن دیکھنے کی جتنی تمنا تھی اس کو دیکھ کر اتنا ہی افسوس ہوا اور معلوم ہوا کہ ٹرکی کے سلاطین کی اولین غلطی کے مہلک نتائج کہاں تک پہنچے ہیں اور دیکھئے کہاں تک پہنچیں، اور یہ سب ہندوستان کے صدقے میں ہوا۔ عدن کے بحداب بمبئی ہے۔ ہر وقت اس کے ساحلوں کا انتظار رہے۔

۷۳ لندن، ۱۹۲۰ء

پروفیسر براؤن اور پروفیسر مارگولی اتھ کے نام :-

تحفۃ الفاضل، تحیۃ و سلاماً،

۱۰ میں نے لندن پہنچ کر حسب ذیل خط عربی زبان میں لکھ کر انگلستان کے ان دو مشہور فاضلوں کے نام بھیجے تھے، پروفیسر براؤن، لٹریچر سہٹری آف پرنسپل کے مشہور مصنف اور عربی و فارسی ادبیات کے ماہر تھے اور پروفیسر مارگولی اتھ محمد نام کتاب کے مصنف اور عربی کے پروفیسر تھے۔ ان دونوں کے ذریعے

میں اس وقت اُس زبان میں آپ کو مخاطب کر رہا ہوں جو آپ کے ملک کی زبان نہیں ہے لیکن اس پر آپ کو تعجب نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ وہ زبان ہے جس کے رابطے نے مجھ کو اور آپ کو باہم وابستہ کر رکھا ہے۔ اسی بنا پر میں نے اس کو باہمی تعارف کا بہترین ذریعہ سمجھا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ فیتد العلم علامہ ہند شبلی نعمانی اور ندوۃ العلماء اور دارالمصنفین یا شبلی اکیڈمی کے نام سے ضرور واقف ہوں گے، ہندو حقیر حضرت مولانا شبلی کے دامن تربیت کا پروردہ، دارالعلوم ندوۃ العلماء کا ایک فارغ طالب العلم، شبلی اکاڈمی کے بنیاد رکھنے والوں میں سے ایک، اور اس کا سکریٹری، ذوالفخر علامہ نعمانی اپنی عمر کے آخری زمانے میں اردو زبان میں سیرت نبویؐ پر ایک ضخیم کتاب لکھ رہے تھے جو منتشر واقعات کی جامع، روایات کی ناقد اور ان لغزشوں سے جو مشرقی ادبیات میں مغرب کے مصنفوں کو پیش آتی ہیں، بچانے والی ہوتی۔ نیز زمانہ قدیم اور موجودہ وقت میں باطل نگاروں نے سیرت نبویؐ کے واقعات پر جو پردے ڈالے ہیں ان کو چاک کرنے والی اور مفتریوں نے بیترہ میں جو افرا گھڑے ہیں ان کو نسخ کرنے والی ہوتی لیکن ان کی موت ان کی آرزو کے آگے حائل ہو گئی۔ اور اس نے اس کے عمل کے سررشتہ کو منقطع کر دیا، مرحوم نے اپنی موت کے بستر پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) :- www.KitaboSunnat.com

جو بات مجھے موصول ہوئے تھے جو ان کے شخصی اخلاق و مزاج کے مطابق تھے پروفیسر براؤن کا جوابات شریفانہ تھا۔ انھوں نے اپنی ان کوششوں کا حوالہ دیا تھا جو ایران کی آزادی کے لٹکی تھیں اور انگریزوں کی موجودہ سیاست اپنی ناراضی کا اظہار کیا تھا پروفیسر مارگولی اتھ کا جواب مختلف تھا۔ انھوں نے ترکوں کے مظالم کا حوالہ دے کر موجودہ انگریزی پالیسی کی حمایت کی تھی۔ یہ اس خط کا ترجمہ ہے جو پروفیسر براؤن کے نام تھا۔ اسی کے قریب قریب اس خط کی عبارت بھی تھی جو پروفیسر مارگولی اتھ کو لکھا تھا (۱۳)

جو وصیت کی وہ یہ تھی کہ جس چیز کو انھوں نے شروع کیا تھا اس کو ختم کر دوں اور جس چیز کو انھوں نے ناقص چھوڑا ہے اس کی تکمیل کر دوں، میں نے اس بارگراں کو اٹھالیا، حالانکہ نہ مجھ میں اس کی طاقت تھی اور نہ میں اس کا اہل تھا۔ لیکن اب الحمد للہ اس کے دو حصے میں نے پورے کر لئے ہیں۔ اور پہلا حصہ گزشتہ سال ملک ہند میں شائع ہو چکا ہے، امید ہے کہ مہینے دو مہینے میں دوسرا حصہ بھی شائع ہو جائے۔

اب میں اپنی بعض ہندوستانی موفات کو آپ کے سامنے پیش کرنے کی عزت حاصل کرتا ہوں۔ اور اپنی کو آپ تک پہنچنے کا ذریعہ بناتا ہوں، جناب والا میں سارے زمانے سے الگ ہو کر خالص علمی خدمات میں زندگی بسر کر رہا تھا اور انہی میں منہمک تھا کہ اچانک اس ہلاکت آفریں اور منحوس جنگ نے جس نے تمام دنیا میں زلزلہ ڈال دیا اور خشکی و تری میں فساد پھیلادیا۔ ہمارے سکون میں جنبش پیدا کر دی، اور ہمارے امن و اطمینان کو خاک میں ملا دیا اور علم و فن کے گوشہ نشین خادموں کو بھی مجبور کر دیا کہ وہ اپنے گوشہ عافیت سے باہر نکلیں۔ اور اسلام کے اس سب سے نازک دور میں ان سے اس کی جو خدمت ہو سکے کریں، اس وقت اسلام کے سر پر جو مصیبتیں آئی ہیں وہ اس کی بنیاد کھوکھلی کرنے والی ہیں بلکہ وہ اس اسلام کے لئے قیامت کبریٰ ہیں جو مشرق میں تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کا مالک ہے،

لے پروفیسر براؤن کی شرافت یہ ہے کہ انھوں نے ان کتابوں کے پہنچنے پر شکر مندی کا اظہار کیا اور جب ملاقات ہوئی تو اپنی الماری کھول کر فرمایا کہ ان میں سے جو کتاب چاہیں لیں، چنانچہ میں نے ان کی مشائع شدہ کتابوں میں سے قزوینی کی اڈٹ کی ہوئی جہاں کشاجوینی کی تاریخ اٹھائی، موصوف نے اس پر اپنے قلم سے ہدیہ لکھا گھر آکر اس نسخے کو دیکھا تو وہ موصوف کا اپنا تصحیح کردہ نسخہ تھا مگر انہوں نے اس پر ذرا بھی بدلا کا اظہار نہیں کیا، یہ یادگار نسخہ اس وقت دارالمصنفین کے کتب خانے میں ہے۔ (س)

بہر حال جنگ کا سیاہ ابر جب چھٹ گیا تو ہمیں امید تھی کہ اب صلح و امن کی ایسی روشنی پھیلے گی جس سے یہ تاریکیاں دور ہو جائیں گی لیکن جب پردہ چاک ہوا تو مطلع اور زیادہ تاریک نظر آنے لگا۔

ٹرکی اور ایران ہمارے تمدن، ہمارے علوم، ہمارے رسوم و آداب، اور ہمارے بزرگوں کے متردک ذخیرہ کے محافظ تھے، اب جب کہ زمانے کے ہاتھوں نے ان کے ساتھ بھی کھیلنا شروع کیا اور یہ دونوں قریب تھا کہ ایک فساد بن کر رہ جائیں تو دفعۃً ہم اپنی گہری نیند سے جاگے اور غم کیا کہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں اور اتنا چغیں کہ ظالموں کو معلوم ہو جائے کہ اب مظلوم بھی کڑو بدل رہے ہیں۔ آپ کو یقین ہونا چاہیے کہ ہم انگلستان اور فرانس یا اور دوسری حکومتوں کے ان مساعی جمیلہ سے جو وہ یورپ میں تمدن اور علوم و فنون کے پھیلانے میں صرف کر رہے ہیں نا واقف نہیں ہیں، لیکن مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب اور ہر دین اور ملت کے لئے ایک الگ تمدن اور مخصوص آداب معاشرت ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی یہ پسند نہ کرے گا کہ اپنے دین کو دوسرے دین سے، اپنے تمدن کو دوسرے تمدن سے، اپنے آداب معاشرت کو دوسرے آداب معاشرت سے اور اپنی زبان کو دوسری زبان سے اور اپنے علوم کو دوسرے علوم سے بدل دے، وَكُلٌّ جُزْءٌ مِّمَّا كَدَّبَتْهُمْ فِرْعَوْنُ۔ (قرآن) ہر جماعت جو کچھ اس کے پاس ہے اسی میں خوش ہے، مجھے یقین ہے کہ آپ کو اسلام اور اہل اسلام کے ان زربین کا زماموں پر پوری اطلاع ہے جو علوم کی ترقی اور تمدن کی ساخت اور آداب معاشرت کی تعمیر کے لئے اس سے ظہور میں آئے ہیں، پس یہ چیخ لپکارا اور گریہ نزاری ترک کی اور ایران کی تباہی پر نہیں ہے بلکہ ہمارے آئندہ دنیا کی بڑی قوموں میں سے ایک بڑی قوم، دنیا کے بہترین تمدنوں میں سے ایک عمدہ تمدن اور دنیا کے علوم و

فنون میں سے بہترین علم وفن کی بربادی پر بہہ رہے ہیں۔

وَمَا كَانَ قَيْسُ هَلَكَهُ هَلَكٌ وَاحِدٌ وَلَكِنَّهُ بُنْيَانُ قَوْمٍ تُهَدَّمَلَا۔
 (قیس کی موت صرف اسی ایک کی موت نہیں بلکہ اس کی موت سے پوری قوم کی بنیاد
 گر پڑی) پس مشرق کی موت سے مغرب خوش نہ ہو۔ بلکہ اسے چاہیے کہ روئے اور اپنے
 بھائی کا مرثیہ پڑھے، تر کی اور ایران کی تباہی کے بعد نہ تو اب مشرق کی زندگی ہے
 اور نہ اسلام کی، کوئی قوم کیوں کر زندہ رہ سکتی ہے جب کہ اس قوم کی عمارت کا کوئی
 ستون بھی باقی نہ ہو۔ میں کہتا ہوں، اور جو کچھ میں کہتا ہوں اس پر اللہ گواہ ہے کہ
 اہل مشرق کے دلوں میں اور مسلمانوں کے قلوب میں آج میں تیزی سے بڑھنے والی آگ
 دیکھنا ہوں جس وقت اس کو ہوا کے ہلکے جھونکے لگیں گے، دنیا کا ہر کنارہ بھر ک اٹھے
 گا اور نہایت قیامت خیز جنگ شروع ہو جائے گی۔ ایسی جنگ میں ہر چھوٹے اور بڑے
 کو شریک ہوئے بغیر کوئی چارہ نہ ہو گا۔ اور میں نہیں جانتا کہ اللہ اس کے بعد کیا دکھلائے
 پس ہم تمام مسلمانان ہند جو تعداد میں روئے زمین کے سارے مسلمانوں سے زیادہ ہیں
 اس لئے اٹھے ہیں کہ اس قیامت کبریٰ کے اٹھنے سے پہلے کوئی تدبیر کریں اور ان حالات
 کو دنیا کے ارباب سیاست اور دنیا کی باگ اپنے قبضہ میں رکھنے والوں کے آگے پیش
 کر دیں اور ان سے بہت تصریح کے ساتھ وہ سب کچھ کہہ دیں اور دکھلا دیں جو اس
 پردہ کے پیچھے ہے۔ اور ان چنگاریوں کو بتا دیں جو راکھ کے نیچے دبی ہیں انگلستان
 آج تمام اقطار عالم کا مرکز ہے۔ اور لندن اس مرکز کا نقطہ ہے، صلح کی مجلس تیار
 بیٹھی ہے کہ دنیا کا کوئی نقشہ تیار کر کے معاہدات کے کاغذ پر مہر لگا دے اس لئے
 ہندوستان کے ہندو مسلمانوں نے یہ طے کیا کہ وہ اپنے کچھ نمائندوں کو بطور وفد ملک
 یورپ میں عموماً اور انگلستان میں خصوصاً بھیجیں تاکہ وہ اہل ہند کے جذبات اور مطالبات
 کو صاف صاف ظاہر کر دیں۔ چنانچہ ہندوستان کے مطالبات یہ ہیں :-

۱۔ ٹرکی حکومت جیسے اس لڑائی سے پہلے تھریس اور عرب سے مرکب تھی، ویسی ہی اب بھی باقی رکھی جائے اور اس کا حکمران خلیفۃ الاسلام امیر المومنین اور عربین کا خادم باقی رہے۔

۲۔ جزیرۃ العرب میں جس میں یمن، نجد، عراق اور شام سب داخل ہیں، غیر مسلم کی مداخلت و اقتدار سے پاک ہو۔ اور اماکن مقدسہ اسلامی جھنڈوں کے نیچے محفوظ ہوں۔ اگر بیت المقدس کی کنجیاں یہودیوں یا عیسائیوں کو دی گئیں تو یہ دنیا کے لئے مناسب نہ ہو گا کیوں کہ یہ دونوں فرقے ایک دوسرے کے سخت ترین دشمن ہیں، اور ایک دوسرے کو جھٹلانے والے ہیں۔ اور صرف مسلمان ہی ہیں جو تمام انبیاء پر یکساں ایمان رکھتے ہیں۔ اور سب کی برابر عزت کرتے ہیں، اسی لئے اس امانت کا امین ان سے بڑھ کر کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔

مختلف اقطارِ عالم کے مسلمان مساعی جمیلہ سے بخوبی واقف ہیں، جو آپ اور آپ کے سوا دوسرے ارباب فضل علمائے یورپ اور یہاں کے ارباب سیاست نے ہماری تمناؤں کو پورا کرنے، ہمارے خیالات کے پھیلانے اور ہماری خواہشوں کی حمایت کرنے میں صرف کی ہیں۔ خاص کر وہ صائب خیالات اور مضبوط رائیں اور صحیح مقالات جو آپ کے قلم سے انگلستان کے اخبارات میں شائع ہوئے ان تمام انسانوں کی طرف سے جو کلمۂ اسلام سے بہرہ یاب ہیں، بہترین شکریہ قبول فرمائیے، پروفیسر براؤن اور ان کی انگلیوں نے جو نقشِ جاوید کاغذ کی سطح پر کھینچا ہے زندہ رہیں۔

میرے لئے یہ سعادت ہے کہ میں بھی اس وفد کے رشتہ میں منسلک ہوں۔ اور اس عہد میں علمائے ہند میں سے میں پہلا شخص ہوں جس نے اس حیثیت سے یورپ کی سرزمین پر قدم رکھا ہے۔ یہ وفد اس وقت لندن میں ہے اور اس نے

کوشش کی ہے کہ وہ اپنی پوری قوت کے ساتھ یہاں کی حکومت کے ذمہ داروں کے سامنے اپنے مطالبات کو پیش کرنے اور ہم روزانہ مراسلات و مطالبات اور ملاقات و گفتگوؤں میں مصروف ہیں اور امید ہے کہ آپ اپنی پوری قوت کے ساتھ ہماری مساعِدت فرمائیں گے۔ اور ہمیں اس چیز کی طرف رہنمائی فرمائیں گے جو ہمارے لئے بہتر ہو۔

اے ہمارے اللہ ہمارے حکمرانوں کو اس چیز کی طرف ہدایت کر جو تمام قوموں کے لئے بہتر ہو اور جس میں ان کی بھلائی ہو۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ ہم اپنی پہلی فرصت میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ آخر میں آپ ہماری طرف سے بہترین احترام اور سلام قبول فرمائیں۔

الداعی الخلیص

سید سلیمان ندوی

رکن وفد خلافت ہند

لسدن

محققین اور علمائے کرام کی اہم اور بصیرت افروز تصنیفات

سیرت حضرت عائشہؓ	علامہ سید سلیمان ندویؒ	نغات القرآن	مولانا عبد الکریم پارکھیؒ
یاد رفتگان	" "	قوم یہود اور ہم قرآن کی روشنی میں	" "
خطبات مدراس	" "	صدر یار جنگ (مولانا حبیب الرحمن)	مولانا شمس تبریز خان
حیات امام مالک	" "	شیردانی کی سوانح حیات	" "
سیر افغانستان	" "	مسلم پرنسپل اور اس کا عالمی نظام	" "
آپ بیتی	مولانا عبد الماجد دیرابادیؒ	اسلام اور غیر اسلامی تہذیب	شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ
معاصرین	" "	سیرت خلفائے راشدینؓ	امام الحسن مولانا عبد الشکور قادریؒ
بشریت انبیاء	" "	تاریخ مشائخ چشت	حضرت مولانا محمد ذکریاؒ
سیرت نبویؐ قرآنی	" "	معاشرتی مسائل	مولانا محمد برہان الدین شعلیؒ
وفیات ماجدی	" "	شبلی معاندانہ تنقید کی روشنی میں	سید شہاب الدین دسنویؒ
قصص و مسائل	" "	مولانا محمد علی مونگیریؒ	مولانا محمد الحسنی ندویؒ
قرآن آپؐ کیا کہتا ہے	مولانا محمد منظور نعمانیؒ	جزیرۃ العرب	مولانا محمد رابع ندویؒ
دین و شریعت	" "	تعلیم القرآن	مولانا ادیس نگرانی ندویؒ
اسلام کیا ہے؟	" "	محمدین عظام اور ان کے علمی کارنامے	مولانا تقی الدین ندویؒ
حضرت عثمان ذوالنورینؓ	مولانا سید احمد اکبر آبادیؒ	حسن معاشرت	خیر النساء صاحبہ (مرحوم)
فہم القرآن	" "		والدہ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
وحی الہی	" "	ریاض الصالحین (اردو) دو جلدوں میں مکمل	امۃ اللہ تسنیم
مجالس صوفیہ	مولانا سید صباح الدین رحمنؒ	افصح السیر	مولانا حکیم ابوالبرکات عبد الرؤف انارپوریؒ
بزم رفتہ کی سچی کہانیاں	" "	اسلام کا زرعی نظام	مولانا محمد تقی الدین امینیؒ
مسلمانوں کے عروج و زوال کے اسباب	" "	مقالات سیرت	ڈاکٹر آصف قدوسیؒ
قرآن مجید اور دنیائے حیات	مولانا شہاب الدین ندویؒ	عیون العرفان فی علوم القرآن	قاضی مظہر الدین بنگرامیؒ
(جدید سائنس کی روشنی میں چند حقائق)	" "	سیرت الصدیقؐ	مولانا حبیب الرحمن خاں شیرانیؒ
اسلامی شریعت علم اور عقل کی میزان میں	" "	عورت	افتخار فریدیؒ
قرآن سائنس اور مسلمان	" "	طوفان سے ساحل تک	محمد اسد سابق یو پو ٹی وی
تخلیق آدم اور نظریہ ارتقا	" "	علم جدید کا چیلنج	وحید الدین خاں

ناشر: فضیل کے بچے ندویؒ

مجلس نشریات اسلام ۱۔ کے ۳۔ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد ۱۔ کراچی ۱۸

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی چند اہم شاہکار تصنیفات

نبی رحمت مکمل
حدیث کا فیسادی کردار
معرکہ ایمان و مادیت
پرانے چراغ مکمل (دو حصے)
ارکان اربعہ
نقوش اقبال
کاروانِ مدینہ
تادیانیت
تعمیر انسانیت
حدیث پاکستان
اصلاحیات
صحفۃ باہل دل
کاروانِ زندگی مکمل
مذہب و تمدن
دستور حیات
حیات عبدالمعنی
دو متضاد تصویریں
تحفہ پاکستان
پاجا سراغ زندگی
عالم عربی کا المیہ

تاریخ دعوت و عزیمت مکمل (چھ حصے)
مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر
منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین
دریائے کابل سے دریائے یرموک تک
تذکرہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی
تہذیب و تمدن پر اسلام کے اثرات و احسانات
تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب
مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں
نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں
جب ایمان کی بہار آئی
مولانا محمد ایساں اور ان کی دینی دعوت
عجاز مقدس اور جبریت العرب
عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح
ترکیب و احسان یا تصوف و سلوک
مطالعہ قرآن کے مبادی اصول
سوانح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا
خواتین اور دین کی خدمت
کاروانِ ایمان و عزیمت
سوانح مولانا عبد القادر رائے پوری

ناشر۔ فضل ربی ندوی — فون۔ 621817

مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد منیشن ۱۔ کے۔ بی۔ ناظم آباد کراچی ۲